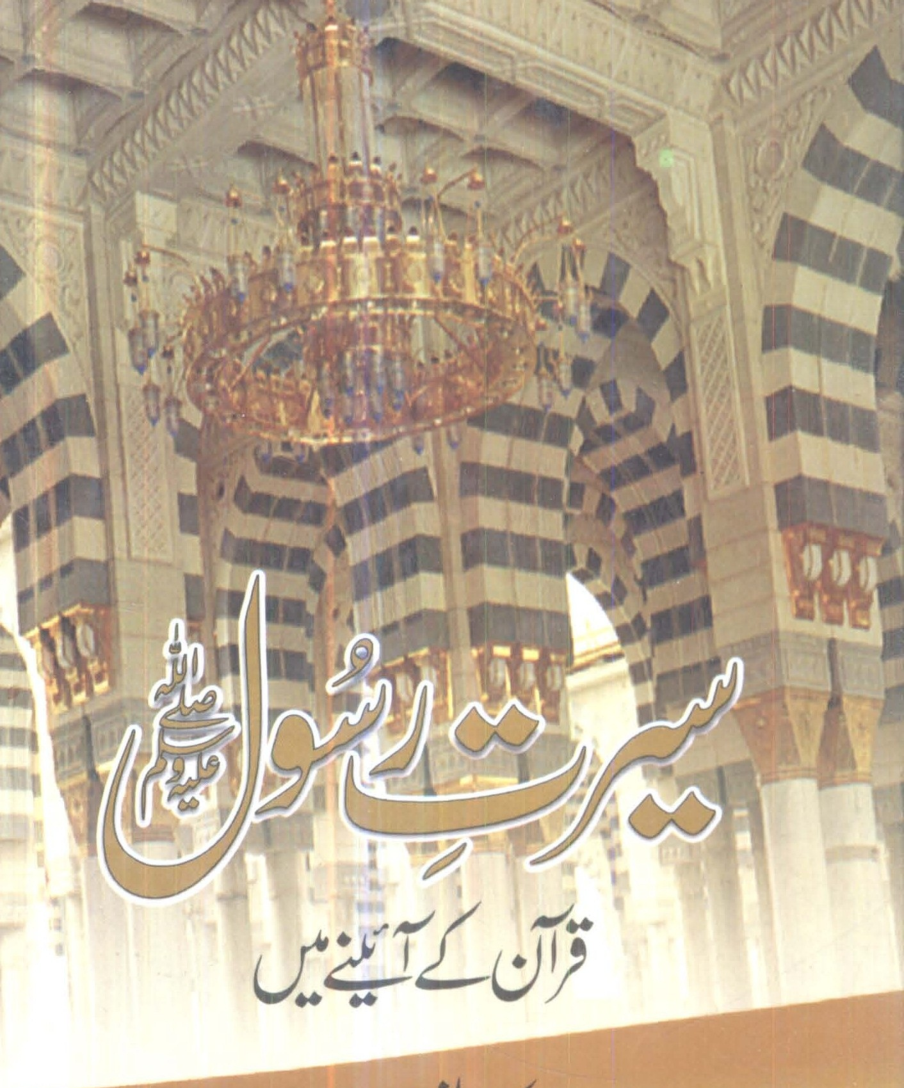


سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن کے آئینے میں

ڈاکٹر عبدالغفور راشد

نشریات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیرتِ رسول ﷺ
قرآن کے آئینے میں

سیرتِ رسول ﷺ
قرآن کے آئینے میں

تالیف

ڈاکٹر عبدالغفور راشد

www.KitaboSunnat.com

نشریات
۴۰ اُردو بازار، لاہور۔ فون: ۴۵۸۹۴۱۹-۰۳۲۱

۲۹۷.۶۳۱ راشد، عبدالغفور، ڈاکٹر
ر ا ش ـ س سیرتِ رسول ﷺ قرآن کے آئینے میں
لاہور: نشریات
۲۰۰۶ء : ص ۳۶۰
ا۔ سیرت، سوانح، پیغمبر اسلام
ISBN 969-8983-05-8

کتاب: سیرتِ رسول ﷺ قرآن کے آئینے میں
مصنف: ڈاکٹر عبدالغفور راشد
اہتمام: نشریات، لاہور
مطبع: موٹر وے پریس، لاہور
قیمت: ۲۰۰ روپے

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

علوم اسلامیہ کا افتخار جن موضوعات اور مضامین کے ساتھ وابستہ ہے ان میں سے ایک سیرت نگاری ہے۔ ''سیرت'' کا لفظ ایک اصطلاح کی حیثیت سے اسلامی ادبیات میں اپنا ایک خصوصی مفہوم رکھتا ہے۔ یہ وہ موضوع ہے جس پر گزشتہ چودہ صدیوں سے عقیدت مندوں نے ہزاروں جواہر پارے تیار کیے ہیں اور یہ سلسلہ سعادت ہنوز اپنی پوری ایمانی شان اور روحانی شوکت کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا کی پانچ زبانوں میں دستیاب تمیں ہزار کے قریب چھوٹی بڑی فہارس کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس موضوع خاص کا آغاز پہلی صدی ہجری میں مغازی عروہ بن زبیرؒ اور مغازی ربان بن عثمانؒ سے ہو چکا تھا لیکن یہ حقیقت ایک اساسی حیثیت رکھتی ہے کہ سیرت کا سب سے مستند لوازمہ خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ اگر سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھی جانے والی ہزاروں کتب میں سے کوئی ایک بھی موجود نہ ہوتی تو اس کے باوجود قرآن مجید لوازمہ سیرت کی ہر فنی اور ایمانی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ اس باب میں وہ مصنفین خوش نصیب ہیں جنھوں نے صرف اس کتاب مبین کو بنیاد بنا کر سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتمام کی کوششیں کی ہیں۔ پیش نظر کتاب ''سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے آئینے میں'' ایک ایسی ہی مستحسن اور لائق مطالعہ کوشش ہے۔ جسے محترم ڈاکٹر عبدالغفور راشد نے قرآن مجید کو اساس بنا کر پیش کیا ہے۔

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے آغاز و ارتقاء پر نگاہ ڈالیں تو یہ مغازی، سیر، مدارج، معارج، دلائل، شمائل اور کئی دوسرے عنوانات کے حوالے سے لکھی جاتی رہی ہیں۔ مگر بیسویں

صدی عیسوی کے آغاز ہی سے موضوعاتی سیرت نگاری کا دور شروع ہوتا ہے۔ جس میں بہت سی جامع اور باکمال کتابیں تصنیف کی گئی ہیں۔ سیرت نگاری کے اعتبار سے اوّلیت تو ہمیشہ عربی زبان کو حاصل رہی ہے اور رہے گی مگر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ اردو زبان وادب میں سرمایۂ سیرت کم وبیش دو ہزار کتب اور رسائل پر مشتمل ہے مگر ان میں چند کتابوں کو بڑی بنیادی اور اساسی حیثیت حاصل ہے جن میں مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء۔۱۹۱۴ء) اور قاضی محمد سلیمان منصور پوری (۱۸۶۷ء۔۱۹۳۰ء) کی کتابیں سرفہرست ہیں۔ جن کے بعد مولانا عبدالرؤف داناپوری کی ''اصح السیر'' سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ''سیرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم '' مولانا غلام رسول مہر کی مرتبہ ''رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم '' اور مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری کی ''الرحیق المختوم'' کا تذکرہ خصوصیت رکھتا ہے۔ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ ان کے علاوہ باقی کتابیں کوئی مقام ومرتبہ نہیں رکھتیں۔ بیسیوں کتابیں ایسی ہیں جو اپنے خصوصی فن اور موضوع کے لحاظ سے سیرت نگاری میں ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ دورِ حاضر میں سیرت نگاری کا ایک ایسا منہج بھی سامنے آیا ہے جس نے سیرت میں روایت کے ساتھ ساتھ درایت کو بھی خصوصی اہمیت دی ہے۔ یوں عربی زبان میں ایک ایسا ذخیرہ گزشتہ پچاس برس میں سامنے آیا ہے جس نے سیرت نگاری کو ایک نیا افق اور تحقیق میں ایک نیا منہج عطا کیا ہے۔ یوں تو ایسی کتابوں کی ایک طویل فہرست پیش نظر ہے ان میں خصوصیت سے دکتور اکرم ضیاء عمری، مہدی رزق اللہ احمد، الدکتور سلیمان بن حمد العودۃ، محمد ابراہیم شقر، محمد ناصر الدین البانی، ابراہیم العلی، سعد المرصفی اور صفی الرحمٰن مبارکپوری کی عربی زبان میں لکھی جانے والی کتب ذخیرۂ سیرت میں ایک سند اور حوالے کا درجہ رکھتی ہیں۔ مقام مسرت ہے کہ محترم ڈاکٹر عبدالغفور راشد نے بھی درایت سیرت کے اسی منہج کو اپنانے کی شعوری کوشش کی ہے۔

''سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن کے آئینے میں'' اردو زبان میں لکھی جانے

والی جدید کتب میں اس لحاظ سے ایک اہمیت رکھتی ہے کہ اس میں سیرت کے تمام اہم موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ کتاب کا آغاز بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل ادیان و مذہب کی صورت حال پر بہت مفید اور دلچسپ حقائق سے ہوتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کے علاوہ حجاز میں کس نوعیت کی خرافات اور اوہام کی پرستش ہو رہی تھی۔ ضعیف الاعتقادیوں نے مذہب کا روپ دھار رکھا تھا اور انسان نے مخلوق پرستی کو خالق کا درجہ دے رکھا تھا۔ اس تاریخی بحث کے بعد کتب سماویہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی پیشین گوئیوں کو بیان کیا گیا ہے۔ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک نیا اسلوب پیدا ہوا ہے۔ اس کے بعد اسمائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عمدہ تفصیل ملتی ہے۔ ''اہداف رسالت'' کے عنوان سے ایک ایسا باب مرتب کیا گیا ہے جس میں تلاوت آیات، تزکیہ نفوس، تعلیم کتاب وحکمت اور دعوت وارشاد کے موضوعات پر ایک علمی وعملی بحث پیش کی گئی ہے۔

''امتیازات رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کے عنوان سے جو لوازمہ پیش کیا گیا ہے وہ ایمان افروز بھی ہے اور لائق مطالعہ بھی۔ تمام سیرت نگاروں کی طرح اس تصنیف لطیف میں بھی غزوات وسرایا کا باب موجود ہے۔ اس کتاب کے آخری ابواب میں یہود ونصاریٰ سے دوستی، ازدواجی زندگی، معجزات، ہجرت مدینہ اور رسالت وبشریت کے حوالے سے بہت اہم گفتگو کی گئی ہے۔ کتاب کا اختتام ''حیات طیبہ کا آخری دن'' کے موضوع پر ہوا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے آخری ایام کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔ یوں یہ کتاب اپنے موضوع اور لوازمے کے اعتبار سے سیرت کی چند اہم کتب میں شمار کیے جانے کے لائق ہے۔ مصنف کے تحقیقی ذوق نے کمزور روایات کو پرکھنے میں بڑی علمی مہارت کا ثبوت دیا ہے اس طرح سیرت کی یہ کتاب اپنے تحقیقی اسلوب کے اعتبار سے ایک خاص اہمیت حاصل کر لیتی ہے۔ ہمارے بعض سیرت نگاروں نے عقیدت کے پیرائے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات کے

ساتھ ایسی باتیں منسوب کردی ہیں جو کسی طور پر بھی مناسب نہیں ہیں۔ فاضل مصنف نے ایسی روایات سے اجتناب کر کے اپنی کتاب کو ایک علمی ثقاہت عطا کی ہے۔ کتاب کا اسلوب شگفتہ، سلیس اور رواں ہے۔ کتابت اور کمپوزنگ کی اغلاط سے پاک ہونے کے باعث اس کے علمی درجے میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب اردو زبان کے ذخیرہ سیرت میں ان شاء اللہ ایک مثبت اضافہ ثابت ہوگی۔

سیرت نگاری کے پاکیزہ سفر میں یہ تازہ کتاب ایک نقشِ محکم کا درجہ رکھتی ہے۔ اکیسویں صدی کے اس مادیت پرستانہ اور ملحدانہ ماحول میں ایسی کتابوں کا مطالعہ کس درجہ اطمینان بخش ہے کہ اب سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع کو محض روایتاً ہی نہیں درایتاً بھی سمجھا جا رہا ہے۔ اس طرزِ فکر و عمل سے سیرت نگاری اپنے علمی حدود سے آگے نکل کر عملی اور اخلاقی تربیت کا مستند ذریعہ بن جاتی ہے۔ ایسی کتب سیرت کا مطالعہ تعلیمی اداروں، دینی درس گاہوں اور قانونی اداروں سے متعلق اصحابِ فکر و نظر کے لیے بہت مفید ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو شرفِ قبول عطا فرمائے اور ہمیں اسے اپنی عقیدتوں کا مرکز بنانے اور اپنی زندگیوں کو سیرت کے قالب میں ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

العبد المذنب

پروفیسر عبدالجبار شاکر

ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل، دعوہ اکیڈمی

انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

یکم جون ۲۰۰۶ء

مقدمہ

الحمد لله الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله فجعله شاهدًا و مبشرًا و نذيرًا و داعيًا الی الله باذنه و سراجا منيرًا و جعل فيه اسوة حسنة لمن كان يرجوا الله واليوم الاخر و ذكر الله كثيرا. والصلوة والسلام علی اشرف الانبیاء وسید المرسلین وعلی آله وصحبه اجمعین. امابعد:

''کیا آپ نے قرآن مجید کا مطالعہ نہیں کیا جس کا ہر لفظ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمہ اور سیرت طیبہ کا مظہر ہے؟''

یہ وہ الفاظ ہیں جو رفیقہ رسولؐ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے اس شخص کے جواب میں کہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ سے متعلق سوال کیا تھا...... بلاشبہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ رب ذوالجلال کی نازل کردہ کتاب قرآن مجید اور حکمت مطہرہ کی آئینہ دار ہے۔ جس کی اتباع اور پیروی محبت الٰہی کی ضامن اور ایمان وایقان کی شرط لازم ہے۔ آپؐ کی سیرت طیبہ، رشد وہدایت اور انوار وفیوض کا وہ سرچشمہ ہے جس نے طلوع اسلام اور بعثت مبارکہ سے ہی تشنہ کاموں کی سیرابی اور آرزومند قلوب کی فیض رسانی کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ جو پوری تابانیوں کے ساتھ قیامت تک جاری وساری رہے گا۔

راقم ہمیشہ سے آرزومند رہا ہے کہ آپؐ کی سیرت طیبہ کے انوار وتجلیات نصیب ہو جائیں جن سے ویران زندگی میں بہار آ جائے، تاریک گوشے روشن ہو جائیں، قلب وذہن منور ہو جائیں، اور فکر ونظر کو طہارت میسر آئے۔ مصنف کو اپنی علمی کم مائیگی اور موضوع کی بلند مقامی کا احساس لحہ بہ لحہ دامن گیر رہا لیکن انوار وتجلیات کی طلب نے سیرت نگاری اور بالخصوص قرآن کے آئینے میں سیرت نگاری جیسے مشکل ترین موضوع پر کام کرنے کا حوصلہ پیدا کر دیا۔ ع

گر قبول افتد زہے عزو شرف

۱۹۹۷ء میں پنجاب یونیورسٹی سے راقم کو ''مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ بطور محدث'' کے عنوان پر تحقیقی مقالہ لکھنے پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا کی گئی تو فراغت کے دنوں میں برادر عزیز خالد محمود نے جو انگریزی ادبیات کے پروفیسر، اسلامیات کے سکالر، اور ایک دردمند انسان ہیں، سیرت نبویؐ کے اس عظیم عنوان پر کام کرنے کی ترغیب دی۔ جس کا بعد میں وہ وقتاً فوقتاً اعادہ کرتے رہے۔ مگر اپنی علمی کم مائیگی اور عنوان کی رفعت کی وجہ سے ہمت نہ کرسکا اور یہ بات بھی پیش نظر رہی کہ اس عنوان جلیل پر ہر دور میں ہر زندہ زبان میں کام ہوا ہے۔ بالآخر ۱۹۹۸ء کے وسط میں توفیق الٰہی سے سعادت مندی کا یہ مرحلہ شروع ہوا اور اس کے آخری ماہ میں الحمدللہ منزل مراد پالی۔ لیکن بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر مسودہ زیور طباعت سے آراستہ نہ ہوسکا۔

اس سعادت مندی کے موقع پر پروفیسر خالد محمود حفظ اللہ کا شکرگزار ہوں جنہوں نے اس عظیم کام کی ترغیب دی اور پھر بھرپور حوصلہ افزائی کی۔ بزرگ دانشور اور عظیم سکالر پروفیسر عبدالجبار شاکر حفظ اللہ کا بھی ممنون احسان ہوں کہ جنہوں نے انتہائی مصروفیت کے باوجود تمام مسودے پر نظر ثانی کی اور اپنے مختصر مگر جامع پیش لفظ سے نوازا۔ میں ادارہ ''نشریات'' لاہور کے منتظم محمد رفیع الدین حجازی کا بھی شکرگزار ہوں کہ جن کے ذوق وشوق کے باعث یہ کوشش منصۂ شہود پہ آ رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کوشش کو میرے لیے زاد آخرت اور عامۃ المسلمین کے لئے نفع رسانی کا باعث بنائے۔ آمین۔ اہلِ علم سے میری درخواست ہے کہ وہ اگر اس کتاب کے مندرجات کے کسی حصے میں کوئی ضعیف روایت یا علمی تسامحات محسوس فرمائیں تو راقم کو اس سے آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ طباعتوں میں اس کی درستی ہوسکے۔ جزاکم اللہ فاحسن الجزاء۔

ڈاکٹر عبدالغفور راشد

ایم اے۔ پی ایچ ڈی

۲۳ مارچ ۲۰۰۶ء

بعثتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل ادیان ومذاہب

مشرکین عرب نے مسجودِ خلائق کو چھوڑ کر بندگان خدا کی مورتیاں بنا کر ان کی پرستش اختیار کر رکھی تھی۔

....

سرزمین عرب کے باسیوں میں مشرکوں، نصرانیوں اور یہودیوں کے علاوہ ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو مالك ارض و سماء اور خالق موت و حیات کی ذات کو بھی نہیں مانتا تھا۔

بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل ادیان و مذاہب

اس سے قبل کہ قرآن کی روشنی میں سیرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کیا جائے اس بات کا علم ضروری ہے کہ اس وقت عرب کے شعوب وقبائل کن گمراہ کن ادیان و مذاہب میں مبتلا تھے اور وہ کس قدر نظریاتی اور فکری گراوٹ کا شکار تھے۔ تاریخ عالم میں بہت سے مذاہب کا ذکر ملتا ہے لیکن اہل حجاز میں بت پرستی، یہودیت، نصرانیت، مجوسیت اور الحاد پرستی اپنے عروج پر تھی۔

بت پرستی

عربوں کا خیال ہے کہ پتھروں کی پہلی پرستش بنی اسمٰعیل میں ہوئی۔ جب مکہ والوں پہ تنگ دستی شروع ہوئی اور وہ فراخی کی تلاش میں دیگر ممالک کی طرف نکلے تو سفر اختیار کرنے والا شخص مکہ سے جاتے وقت حرم کے پتھروں میں سے کوئی ایک پتھر حرم کی عظمت کے لحاظ سے ساتھ لے جاتا اور یہ مسافر جہاں کہیں قیام کرتا تو اس پتھر کا طواف شروع کر دیتا جس طرح کہ وہ کعبے کا طواف کرتا تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ جس پتھر کو اچھا دیکھتے اور وہ انہیں پسند آجاتا اس کی عبادت کرنے لگ جاتے۔ اسی طرح مرورِ زمانہ کے ساتھ توحید جاتی رہی اور بت پرستی نے اپنی جگہ بنالی۔ (ابن ھشام۔ سیرۃ النبیؐ ج: ۱، ص ۱۰۸)

جو لوگ دین ابراہیمی اور مذہب حنیفی پر کاربند تھے بتدریج توحید خالص سے محروم ہو کر شرک و بدعات میں مبتلا ہو گئے۔ اگرچہ ان میں تعظیم بیت اللہ، طواف، حج و عمرہ کی

بجا آوری، عرفات ومزدلفہ کا قیام، جانوروں کی قربانی اور تلبیہ بھی رائج تھا لیکن انہوں نے تلبیہ ہی بدل ڈالا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تلبیہ تھا۔

"لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ"

"میں حاضر ہوں تیرے سامنے اے اللہ! میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں"

لیکن مشرکین قریش میں رائج تلبیہ اس طرح تھا:

"لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكٌ هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ" (ابن ہشام ج ۱، ص ۱۰۹)

"میں تیرے سامنے حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں بجز ایک شریک کے کہ وہ تیرا ہی ہے۔ تو اس کا اور اس کی ہر چیز کا مالک ہے۔"

وہ لوگ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اس کی یکتائی و وحدانیت کا اقرار بھی کرتے تھے اور بتوں کو شریک بھی بناتے تھے۔ ان کا تذکرہ قرآن مجید میں اس طرح ہے:

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ○ (یوسف ۱۲:۱۰۶)

"اور ان میں سے اکثر کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان بھی لاتے ہیں تو اس حال میں کہ اس کے ساتھ شریک بھی ٹھہراتے ہیں"۔

قومِ نوح میں کچھ صالح افراد تھے جن سے ان کے اصحاب عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے مصاحبین نے مرحومین کے فراق کو شدت سے محسوس کیا تو ابلیس نے ان کے قلوب واذہان میں یہ وسوسہ ڈالا کہ تم مرحومین کی تصویریں بنا کر رکھ لو، جب ان کی یاد آئے تو انہیں دیکھ لیا کرنا۔ چنانچہ تصویریں بن گئیں۔ اس نسل کا عمل تو یہیں تک رہا

مگر دوسری نسل آئی تو تعظیم کا سلسلہ جاری ہوگیا اور جب تیسری نسل آئی تو ابلیس نے ان کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی کہ تمہارے آباء واجداد تو ان کی پرستش کیا کرتے تھے لہٰذا تم بھی کرو۔ اس طرح باقاعدہ بت پرستی کا آغاز ہوگیا۔

ان بتوں کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہے:

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ○ (نوح ۷۱:۲۳)	اور انہوں نے کہا کہ ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نہ نسر کو چھوڑنا۔

ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کے علاوہ بھی بت تھے جو مختلف قبائل نے اپنے لیے مخصوص کر رکھے تھے۔

مختلف قبائل کے لیے مخصوص بت

بت کا نام	قبیلہ کا نام
لات	ثقیف
عُزّٰی	قریش وکنانہ
منات	اوس، خزرج، غسان
ودّ	کلب
سواع	ھذیل
یغوث	مذحج
یعوق	ھمدان
نسر	ذوالکلاع
ذوالخلصہ	دوس، خثعم، بجیلہ
ذوالکفین	دوس
الشرٰی	حارث بن یشکر
الاقیصر	قضاعۃ، طسم، جذام، عاملہ، غطفان

بھم	مزینۃ
سعید	عنیزہ
خلس	طی

ان کے علاوہ ایک بہت بڑا بت ہبل تھا جسے کعبہ کی چھت پر نصب کیا گیا تھا۔ تین سو ساٹھ بت کعبہ کے اندر تھے اور اس کے علاوہ ہر گھر اور ہر فرد کے لیے علیحدہ علیحدہ بت تھا جس کی وہ پرستش کرتے تھے۔ جب انہیں بت پرستی اور غیر اللہ کی پرستش سے روکا جاتا تو کہتے:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ط (الزمر ۳۹ : ۳)

ہم ان کی عبادت محض اس لیے کرتے ہیں تا کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کردیں۔

قرآن میں دوسری جگہ اس بات کا ذکر اس طرح ہے:

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ط (یونس ۱۰ : ۱۸)

یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انہیں نفع دیتے ہیں اور نہ نقصان اور یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔

حجاز و عرب میں عمرو بن لحی کو بت پرستی کا بانی کہا جاتا ہے۔ یہ تقریباً 500 ق م کی بات ہے کہ وہ ایک دفعہ شام کے کسی شہر میں گیا تو وہاں لوگوں کو بتوں کی پرستش کرتے ہوئے دیکھا تو ان سے کچھ بت لے لیے اور مکہ میں آ کر کعبہ کے آس پاس نصب کر دیے۔ چونکہ وہ خود حرمِ پاک کا متولی تھا اس لیے اس کی دیکھا دیکھی عربوں میں بت پرستی شروع ہوگئی۔

(سیرۃ النبی شبلی نعمانی: ص ۱۳۲، ج ۱)

بتوں کی نذریں

عربوں میں بت پرستی کے علاوہ کھیتیاں اور مویشی بھی بتوں کی نذر کر کے مخصوص کر دیے جاتے جس کی شہادت قرآن مجید میں اس طرح ہے:۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ	اور اللہ تعالیٰ نے کھیتیاں اور مویشی پیدا کئے ہیں ان لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے
فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ (الانعام٦ : ١٣٦)	اور پھر جو چیز ان کے معبودوں کی ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتی اور جو چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتی ہے کیا برا فیصلہ وہ کرتے ہیں۔
وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۗ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ (الانعام:٦ : ١٣٨)	اور وہ اپنے خیال پر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ کچھ مویشی اور کھیت ہیں جن کا استعمال ہر شخص کو جائز نہیں انہیں کوئی نہیں کھا سکتا بجز ان کے جنہیں ہم چاہیں اور مویشی جن پر سواری اور بار برداری حرام کردی گئی اور کچھ مویشی ایسے ہیں جن پر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے محض اللہ پر افترا باندھنے کے طور پر۔ ابھی اللہ ان کو ان کے کیے کی سزا دیے دیتا ہے۔
وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۗ	اور وہ کہتے ہیں کہ جو چیز ان کے مویشیوں کے پیٹوں میں ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ مردہ ہو تو سب برابر ہیں

سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ٥ (الانعام ٦ : ١٣٩)

عنقریب اللہ ان کوان کے بہتان کی سزا دے گا۔ بلاشبہ وہ حکمت والا ہے اور بڑا علم والا ہے۔

مشرکین عرب نے کچھ مویشی اپنے بتوں کے نام منسوب کر رکھے تھے جن کی قرآن مجید میں اس طرح تردید کی گئی ہے:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ ، بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ط وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ٥

(المائدة ٥ : ١٠٣)

اللہ تعالیٰ نے بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حام کو لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں اور اکثر کافر عقل نہیں رکھتے۔

بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام یہ ان جانوروں کی قسمیں ہیں جنہیں اہل عرب اپنے بتوں کی نذر کر دیا کرتے تھے۔ ان کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت سعید بن مسیبؒ سے اس کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے:۔

بحیرہ وہ جانور جس کا دودھ دوھنا چھوڑ دیا جاتا اور کہا جاتا کہ یہ بتوں کے لیے ہے۔ چنانچہ کوئی شخص اس کے تھنوں کو ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔

سائبہ وہ جانور جسے بتوں کے لیے آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ اسے نہ سواری کے لیے استعمال کرتے تھے اور نہ بار برداری کے لیے۔

وصیلہ وہ اونٹنی جس سے پہلی مرتبہ مادہ پیدا ہوئی اور پھر دوبارہ بھی مادہ ہی پیدا ہوئی یعنی درمیان میں نر سے تفریق نہیں ہوئی۔ ایسی اونٹنی کو بھی بتوں کے لیے آزاد چھوڑ دیتے۔

حام وہ نر اونٹ جس کی نسل سے کئی بچے پیدا ہو چکے ہوتے اور نسل کافی بڑھ چکی ہوتی تو اس سے بھی بار برداری کا کام نہ لیتے اور نہ اس پر سواری کرتے اور اسے بتوں کے لیے آزاد چھوڑ دیتے۔ (احسن الکلام :تفسیر المائدۃ، ص ۳۳۱)

حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے بتوں کے نام پر جانوروں کو آزاد چھوڑنے والا شخص عمرو بن عامر خزاعی تھا۔ رسول کریم ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا کہ میں نے اسے جہنم میں اپنی انتڑیاں کھینچتے ہوئے دیکھا۔ مشرکین نے اپنے نفع ونقصان بتوں کے نام منسوب کر رکھے تھے اور اپنی طرف سے حلال وحرام کی تفریق کی ہوئی تھی ان کے جھوٹ اور افتراء کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہے:

قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ أَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ٥ (یونس ۱۰ : ۵۹)	آپ کہیے کہ یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو رزق بھیجا تھا پھر تم نے اس کا کچھ حرام اور کچھ حلال قرار دے دیا۔ آپ پوچھیے کہ تمہیں اللہ نے حکم دیا تھا یا اللہ پر افتراء ہی کرتے ہو۔
وَ مِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ٥ (الانعام ۶ : ۱۴۲)	اور مویشیوں میں اونچے قد کے اور چھوٹے قد کے پیدا کیے جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے کھاؤ اور شیطان کے (پیچھے) قدم بقدم مت چلو۔ بلاشبہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔
ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ	پیدا کیے آٹھ نر و مادہ یعنی بھیڑ میں دو قسم اور بکری میں دو قسم آپ کہیے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو

اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ط نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ (الانعام ۶ : ۱۴۳)

یا اس کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہوں تم مجھے کسی دلیل سے بتلاؤ اگر سچے ہو۔

وَ مِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلْ ءٰالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (الانعام ۶ : ۱۴۴)

اور اونٹ میں دو قسم اور گائے میں دو قسم آپ کہیے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو یا اسے جسے دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہوئے ہوں کیا تم حاضر تھے جس وقت اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا تو اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر بلا دلیل جھوٹی تہمت لگائے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو راستہ نہیں دکھلاتا۔

مشرکین عرب نے حقیقی مسجودِ خلائق کو چھوڑ کر بندگان خدا کی مورتیاں بنا کر ان کی پرستش اختیار کر رکھی تھی اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ کھیتیوں اور مویشیوں کو اپنی مرضی سے حلال وحرام کر رکھا تھا۔ بتوں کے نام کی نذریں، نیازیں اور چڑھاوے ان کے عقائد کا حصہ تھا اور اسے وہ قرب الٰہی کا ذریعہ بھی سمجھتے تھے۔

نصرانیت و یہودیت

قبائل ربیعہ اور غسان نصرانی تھے۔ مکہ میں بھی نصرانیت کے پیروکار موجود تھے۔ نصرانیوں میں ورقہ بن نوفل انجیل کے بہت بڑے عالم تھے جو مکہ میں ہی رہائش پذیر تھے۔ قبائل حمیر، بنو کنانہ، بنو حرث بن کعب اور کندہ یہودی تھے۔ مدینہ منورہ میں یہودیت نے

غلبہ پا لیا تھا اور تورات کی تعلیم کے لیے متعدد درسگاہیں قائم تھیں جن کو بیت المدارس کہتے تھے۔حدیث کی کتابوں میں اسی نام سے تذکرہ ملتا ہے۔قلعہ خیبر کی تمام بستی یہودی تھی۔

(شبلی نعمانی:سیرۃ النبیؐ: ص ۱۳۳، ج ۱)

یہودی اور عیسائی اہل کتاب ہونے کے باوجود توحید خالص سے محروم تھے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ بندگانِ خدا کو بھی اپنا معبود بنا رکھا تھا جس کی صراحت قرآن مجید میں اس طرح ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبة ۹ : ۳۱)

ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنا لیا۔

جبکہ قرآن مجید نے ان کے اس عقیدہ کی وضاحت بھی کی ہے کہ نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا نبی ماننے کی بجائے اُس کا بیٹا بنا رکھا تھا:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرٰى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ۔(التوبة ۹: ۳۰)

یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

انبیاء کو اللہ کے بیٹے اور عالموں و درویشوں کو معبود ماننے کے باوجود ان کا دعویٰ تھا کہ جنت میں صرف یہودی اور عیسائی ہی جائیں گے:

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ط (البقرة ۲ : ۱۱۱)

یہ کہتے ہیں کہ جنت میں صرف یہود و نصاریٰ ہی جائیں گے۔

الحاد پرستی

سرزمینِ عرب کے باسیوں میں مشرکوں،نصرانیوں اور یہودیوں کے علاوہ ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو مالکِ ارض وسماء اور خالق موت وحیات کی ذات ہی کو نہیں مانتا تھا۔اس

گروہ کے نظریہ کی صراحت قرآن مجید میں اس طرح کی گئی ہے:

وَقَالُوْا مَاهِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ج وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ج اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ○ (الجاثیۃ ۴۵ : ۲۴)

اور انہوں نے کہا کہ ہماری زندگی تو صرف دنیا کی زندگی ہی ہے ہم مرتے اور جیتے بھی ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی مار ڈالتا ہے دراصل انہیں اس کا کچھ علم ہی نہیں یہ تو صرف (قیاس اور) اٹکل سے کام لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو موت وحیات کا خالق سمجھنے کی بجائے نظام زندگی کو خود کار اور قدرتی نظام سمجھنے والوں کا یہ بھی خیال تھا کہ مرنے کے بعد کسی کو دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔ ان کے اس باطل دعوے کا جواب بھی قرآن مجید میں دیا گیا ہے:

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ○ (یسین ۳۶: ۷۹)

کہو! کہ انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے۔ اور وہ سب طرح کی پیدائش کا بخوبی جاننے والا ہے۔

الحادی نظریات کے حاملین میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو سزا و جزا کے قائل تھے لیکن وہ نبوت کے منکر تھے۔ ان کا تذکرہ قرآن مجید میں اس طرح ہے:

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ط لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ○ (الفرقان ۲۵: ۷)

اور انہوں نے کہا کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔ اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا جاتا کہ وہ بھی اس کے ساتھ ہو کر ڈرانے والا بن جاتا۔

مجوسیت

عربوں میں مجوسی بھی تھے۔ بالخصوص قبیلہ تمیم مجوسی تھا۔ اس قبیلہ کے مشہور رئیس ازرارۃ تمیمی نے اپنی بیٹی سے شادی کر لی تھی۔ (شبلی نعمانی: سیرۃ النبیؐ: ج ۱، ص ۱۳۴)

حنیفیت

دین ابراہیمی کے پیروکار اور مذہب حنفی کے پرچارک جن کا اُمّ الاصول توحید خالص تھا لیکن امتدادِ ایام کے ساتھ انہوں نے بھی اپنی عبادات میں اضافہ کر لیا تھا حتیٰ کہ بیت اللہ میں حاضری کے وقت بھی وہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کو نہیں پکارتے تھے بلکہ ان کی پکار اس طرح تھی:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكٌ هُوَلَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ.	''ہم حاضر ہیں اے اللہ! ہم حاضر ہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں بجز ایک شریک کے کہ وہ تیرا ہی ہے تو اس کا مالک ہے وہ تیرا نہیں''۔

(ابن ھشام: سیرۃ النبیؐ: ج ۱، ص ۱۰۸)

مذہب حنفی کے پیروکاروں سے جب پوچھا جاتا کہ تم غیر اللہ کی پرستش کیوں کرتے ہو؟ تو وہ جواب دیتے کہ ہم ان کی پرستش نہیں کرتے بلکہ قرب الٰہی کے حصول کے لیے وہ ہمارا وسیلہ اور واسطہ ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ط (الزمر ۳۹ : ۳)	ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں۔

مشرکین عرب کا دعویٰ تو تھا کہ وہ دین ابراہیمی، مذہب حنفی کے پیروکار و علم بردار ہیں لیکن درحقیقت وہ اس کے اوامر و نواہی سے کوسوں دور تھے۔ انھوں نے اس دین میں

اس قدر محدثات ومخترعات اور بدعات وخرافات شامل کر لی تھیں کہ اس کی اصل تصویر ہی ناپید ہو گئی تھی۔ عبادات سے پہلو تہی، مالیات میں بد دیانتی، اخلاقیات میں بدفطرتی اور فرائض و واجبات میں اعراض وانکارحتی کہ توحید خالص میں ملاوٹ وآمیزش کے باوجود ان کا دعویٰ تھا کہ وہ دین ابراہیمی کے راہرو ہیں۔

باطل ادیان و مذاہب کی چیرہ دستیاں جب بامِ عروج تک پہنچیں تو دعائے خلیل علیہ السلام شرفِ قبولیت سے بازیاب ہوئی، بشارتِ عیسیٰ علیہ السلام ظہور پذیر ہوئی اور سیدہ آمنہ کے خواب کو عملی تعبیر ملی کہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم ختم نبوت خلعت فاخرہ سے سرفراز ہوئے۔

☆......☆......☆

کُتبِ سماویہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی پیش گوئیاں

تمام تر تحریفات کے باوجود توراۃ اور انجیل میں
آپ ﷺ کی آمد کی پیش گوئیاں موجود ہیں۔

کتبِ سماویہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی پیش گوئیاں

اہل عرب دین فطرت کی بجائے مختلف ادیان و مذاہب کے پیروکار بن چکے تھے اور ایک اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے کی بجائے انہوں نے مختلف معبودان باطلہ کی پرستش اختیار کر رکھی تھی۔ وہ باہم متحد و متفق نہیں بلکہ بدست و گریباں اور تعلیمات الٰہیہ کو فراموش کر کے گمراہی کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں غرق ہو چکے تھے۔ ان حالات میں رب تعالیٰ نے اہل عرب ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی راہنمائی کے لیے اپنے آخری پیغمبر سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا جن کے ظہور کی پیش گوئیاں اور بشارتیں تمام کتبِ سماویہ اور آسمانی صحائف میں موجود تھیں:

دُعائے ابراہیم علیہ السلام

سیدنا رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں ''میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ کا خواب ہوں''۔

(الفتح الربانی: ج۲۰، ص۱۸۱، ۱۸۹)

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر بیت اللہ کو تعمیر کیا تو دورانِ تعمیر دعا فرمائی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ	اے ہمارے رب! ان میں انہی میں سے
يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ	ایک رسول بھیج جو اِن پر تیری آیات پڑھے

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ط اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ O (البقرة ۲ : ۱۲۹)

اور انہیں کتاب وحکمت سکھائے اور انہیں پاک کر دے یقیناً تو غلبے والا اور حکمت والا ہے۔

بشارت عیسیٰ علیہ السلام

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل ہی خوشخبری سنادی تھی کہ میرے بعد ایک نبی آئے گا جس کا نام احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔ قرآن مجید میں اس بشارت کا تذکرہ اس طرح ہوتا ہے:

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًا ۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ط فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ O (الصف ۶۱ : ۶)

اور جس وقت عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں مجھ سے پہلے کی کتاب کی میں تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے رسول کی خوشخبری سنانے والا ہوں جس کا نام احمدؐ ہے پھر جب وہ (رسول) ان کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آ گئے تو یہ کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے۔

تورات وانجیل کی پیش گوئی

سیدنا رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی پیش گوئی تورات اور انجیل میں بھی ہے۔ جس کی شہادت قرآن مجید اس طرح دیتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا

محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں رحمدل ہیں۔ تو انہیں دیکھے

يَبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَا هُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط ذَالِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ۔ (الفتح ۴۸ : ۲۹)	گا کہ رکوع اور سجدے کررہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں۔ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے۔ان کی یہی مثال توراۃ میں ہے اور ان کی یہی مثال انجیل میں ہے۔

سورہ اعراف میں اس طرح بیان ہوتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهُ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ. (الاعراف ۷ : ۱۵۷)	جولوگ ایسے رسول نبی اُمّی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

قرآن مجید کی ایک اور شہادت اس طرح بیان ہوئی ہے:

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ط قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَابِ ○ (الرعد ۱۳ : ۴۳)	یہ کافر کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں۔آپ جواب دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہی دینے والا کافی ہے اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔

محولہ بالا آیت کریمہ میں مذکور لفظ ''کتاب'' سے مراد مفسرین نے تورات وانجیل لیا ہے اور ''مَنْ عِندهٗ عِلْمُ الكِتاب'' سے مراد اہل کتاب میں سے وہ لوگ جو مسلمان ہو گئے ہیں جیسے عبداللہؓ بن سلام، سلمانؓ فارسی اور تمیم داری رضی اللہ عنہم یعنی تورات وانجیل کا علم رکھنے والے یہ اصحاب جانتے ہیں کہ آپؐ اللہ کے سچے رسول ہیں۔

تورات وانجیل کی چند عبارتیں

تمام تر تحریفات کے باوجود توراۃ اور انجیل میں آپ ﷺ کی آمد کی پیش گوئیاں موجود ہیں۔ جن کی مثال اس طرح ہے:

''خداوند تیرا خدا تیرے ہی لیے تیرے درمیان سے تیرے بھائیوں میں میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم ان کی طرف کان دھریو''۔(استثناء۔باب ۱۸، درس ۱۵، بحوالہ رحمۃ للعالمین ج ۱،ص ۹۱)

دوسری جگہ اس طرح ہے:

''اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کیا اچھا کیا میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا''۔
(ایضاً)

انجیل میں بشارت اس طرح ہے:

''یسوع نے ان سے کہا کیا تم نے کتاب مقدس میں نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے ، دے دی جائے گی اور جو اس پتھر پہ گرے گا، اسے پیس ڈالے گا''
(متی ۲۱:۴۲،۴۴)

دوسری جگہ اس طرح ہے:

''میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار (یا وکیل یا شفیع) بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے''۔ (یوحنا۱۴:۲۱)

ایک اور پیش گوئی اس طرح ہے:

''جب وہ مددگار (یا وکیل یا شفیع) آئے گا جس کو میں باپ کی طرف سے تمہارے پاس بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا''۔(یوحنا۱۵:۲۶)

محولہ بالا عبارات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی واضح پیش خبریاں ہیں۔ان کے علاوہ دیگر کتب سماویہ اور آسمانی صحائف میں بھی تذکرہ موجود ہے جس کی صراحت قرآن مجید میں اس طرح کی گئی ہے:

وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ○ (الشعراء ۲۶ : ۱۹۶)	اگلے انبیاء کی کتابوں میں بھی قرآن کا تذکرہ موجود ہے۔

ان تمام دلائل و براہین کے باوجود اہل کتاب کا رویہ معاندانہ اور مخالفانہ رہا جس کے بارے میں قرآن مجید نے خبر دی ہے:

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ○ (البقرة ۲ : ۸۹)	اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب، ان کی کتاب کو سچا کرنے والی آئی حالانکہ پہلے یہ خود (اس کے ذریعہ) کافروں پر فتح چاہتے تھے تو باوجود آ جانے اور باوجود پہچان لینے کے پھر کفر کرنے لگے اللہ کی لعنت ہو کافروں پر۔

مشرکین سے شکست کھانے کے بعد یہود دعا کرتے کہ ہماری نصرت اور غلبہ کے لیے آخری نبی مبعوث فرما۔ لیکن بعثت کے بعد جاننے اور علم رکھنے کے باوجود ماننے سے انکار کر دیا۔ پھر یہ بھی نہیں کہ انہیں آخری پیغمبر کے متعلق علم نہ ہو، وہ تو بعثتِ نبوی کے متعلق اس طرح آگاہ اور باخبر تھے جس طرح کوئی اپنے بیٹے کے متعلق آگاہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ○ (البقرة ۲ : ۱۴۶)	جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ تو اسے ایسا پہچانتے ہیں جس طرح کوئی اپنے بچوں کو پہچانے۔ ان کی ایک جماعت حق کو پہچان کر پھر چھپاتی ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْآ اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ○ (الانعام ۶ : ۲۰)	جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ رسول کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا ہے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

کتب سماویہ کی شہادتوں اور آسمانی صحائف کی وضاحتوں کی روشنی میں وہ سیدنا رسول کریم ﷺ کو پہچاننے کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے اور ایمان نہ لانے کی وجہ سے وہ سخت خسارے میں ہیں کیونکہ وہ علم رکھتے ہوئے بھی انکار کر رہے ہیں۔ اور جو علم رکھتے ہوئے بھی انکار کرتا ہے اس کا نقصان اور خسارہ زیادہ ہوتا ہے، بقول شاعر:۔

فَإِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِيْ فَتِلْكَ مُصِيْبَةٌ وَإِنْ كُنْتَ تَدْرِيْ فَالْمُصِيْبَةُ أَعْظَمُ

(اگر تجھے علم نہیں ہے تو یہ بھی اگرچہ مصیبت ہی ہے
تاہم اگر تجھے علم ہے تو زیادہ بڑی مصیبت ہے)

منکرین کے اس رویے پہ قرآن مجید کی ایک اور شہادت ہے:

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○

(ھود ۱۱: ۱۷)

کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہو اور اس کے ساتھ اللہ کی طرف کا گواہ ہو اور اس سے پہلے موسیٰؑ کی کتاب (گواہ ہو) جو پیشوا اور رحمت ہے یہی لوگ ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں اور تمام فرقوں میں سے جو بھی اس کا منکر ہوا اُس کے آخری وعدے کی جگہ جہنم ہے۔ پس تو اس میں کسی شبہ میں نہ رہ۔ یقیناً یہ تیرے رب کی جانب سے سراسر حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

مذکورہ بالا قرآن مجید کی آیات کریمہ اور کتبِ سماویہ کی عباراتِ بیّنہ کے علاوہ اور بھی بکثرت حوالہ جات موجود ہیں جو اپنے دامن میں اس صداقت کو سمیٹے ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر خاتم النبیین شفیع المذنبین جناب محمد کریم ﷺ کی بعثت سے قبل ہی آپؐ کے ظہور کی پیش گوئیاں فرما دی تھیں۔

اسماءِ رسولِ کریم ﷺ

وَشَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ
فَذُوالْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٗ

(عرش والے نے اپنے حبیب ﷺ کا نام اپنے نام سے بنایا۔ پس عرش والا محمود اور یہ (نبی) محمد ﷺ ہے) بلکہ مزید ترتیب اس طرح بنتی ہے کہ عرش والا محمود، اس کا حبیب "محمدؐ" اور امت کا لقب حمادون ہے جبکہ قیامت کے دن حضورؐ کے ہاتھ میں جو پرچم ہوگا اس کا نام لواء الحمد ہے، مزید یہ کہ جس مقام پر آپؐ جلوہ افروز ہوں گے اس کا نام بھی محمود ہے۔

اسمائے رسولِ کریم ﷺ

رسولِ کریم ﷺ کے اسمائے گرامی قرآن وحدیث اور تاریخ وسیرت کی کتابوں میں کثرت سے ذکر ہوئے ہیں مگر جو صرف قرآن مجید میں بیان کیے گئے ہیں وہ انتیس ہیں۔ ان کی تفصیل اس طرح ہے:

محمد ﷺ

اس کا معنی ہے تعریف کیا ہوا۔ (القاموس المحیط) یہ حضور ﷺ کا ذاتی نام ہے جس کی تعریف حضرت حسان بن ثابتؓ نے اس طرح کی ہے: ؎

وَشَقَّ لَهُ مِنْ إِسْمِهٖ لِيُجِلَّهُ
فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ

(عرش والے نے اپنے حبیب ﷺ کا نام اپنے نام سے بنایا۔ پس عرش والا محمود اور یہ (نبی) محمد ﷺ ہے) بلکہ مزید ترتیب اس طرح بنتی ہے کہ عرش والا محمود، اس کا حبیبؐ، محمد ﷺ اور امت کا لقب حمادون ہے جبکہ قیامت کے دن حضور ﷺ کے ہاتھ میں جو پرچم ہوگا اس کا نام لواء الحمد ہے، مزید یہ کہ جس مقام پر آپ ﷺ جلوہ افروز ہوں گے اس کا نام بھی مقامِ محمود ہے۔

حدیث میں یوں بھی آتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''زمین پر میرا نام محمد ﷺ اور آسمان پر احمد ﷺ ہے''۔ توراۃ میں محمد ﷺ اور انجیل میں احمد ﷺ ہے۔ سیّدہ آمنہ کو نام

کی اس طرح بشارت ملی جس طرح حضرت ہاجرہؑ اور حضرت مریمؑ کو ملی۔ قرآن مجید میں اس نام کا تذکرہ اس انداز سے ہوتا ہے:

۱۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط (آل عمران ۳ : ۱۴۴)

حضرت محمدؐ صرف رسول ہی ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں۔

۲۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ. (الاحزاب ۳۳ : ۴۰)

لوگو! محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔

۳۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ. (محمد ۴۷:۲)

اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور اس پر بھی ایمان لائے جو محمدؐ پر اتارا گیا۔ اور دراصل ان کے رب کی طرف سے سچا دین بھی وہی ہے۔

۴۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ. (الفتح ۴۸ : ۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحمدل ہیں۔

احمد ﷺ

یہ حضور ﷺ کا دوسرا نام ہے جس کا لغوی معنٰی ہے ایسا شخص جو دوسروں کی نسبت زیادہ سے زیادہ اللہ کی حمد بیان کرتا ہو۔ صحیح بخاری کتاب المناقب میں حضرت جبیر بن مطعمؓ

سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پانچ نام ہیں، میں محمدؐ اور احمدؐ ہوں، میں ماحی ہوں، اللہ کفر کو میرے ذریعے مٹا دے گا، میں حاشر ہوں یعنی قیامت میں سب سے پہلے اٹھایا جاؤں گا اور لوگ میرے بعد اکٹھے کیے جائیں گے اور میں عاقب ہوں یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا''۔ حدیث میں یوں بھی آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں''۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا تذکرہ قرآن مجید میں ان الفاظ میں ہوتا ہے:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَٰبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ إِنِّى رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُولٍ يَأْتِى مِنۢ بَعْدِى ٱسْمُهُۥٓ أَحْمَدُ ۖ (الصف ۶۱ : ۶)

جب مریم کے بیٹے عیسیٰؑ نے کہا اے بنی اسرائیل! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، مجھ سے پہلے کی کتاب توراۃ کی میں تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی خوشخبری سنانے والا ہوں جن کا نام ''احمدؐ'' ہے۔

عبداللہ ﷺ

قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی عبداللہ بھی آیا ہے۔ عبد کا لغوی معنی بندہ ہے جبکہ اللہ رب تعالیٰ کا ذاتی نام ہے چنانچہ عبداللہ کا مطلب ہے اللہ کا بندہ۔ ارشاد باری ہے:

وَأَنَّهُۥ لَمَّا قَامَ عَبْدُ ٱللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا۟ يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝ (الجن ۷۲ : ۱۹)

اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لیے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ بھیڑ بن کر اس پر پل پڑیں۔

جن وانس مل کر حضور رسول کریم ﷺ کی مخالفت پر تل گئے ہیں اور آپ ﷺ کے نورِ رسالت کو بجھا دینا چاہتے ہیں جبکہ عبداللہ رسول کریم ﷺ صرف اللہ کی عبادت کرتے

ہیں اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

شاھد صلی اللہ علیہ وسلم

شاھد کا معنی ہے گواہی دینے والا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو شاھد کے نام سے پکارا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ قیامت کے دن تمام مخلوق پر گواہی دیں گے جیسا کہ قرآن کریم میں بیان ہوا ہے:

إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ (الفتح ۴۸ : ۸)

یقیناً ہم نے آپؐ کو گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ (الاحزاب ۳۳ : ۴۵)

اے نبیؐ! یقیناً ہم نے ہی آپ کو گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

إِنَّآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ أَرْسَلْنَآ إِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۝ (المزمل ۷۳ : ۱۵)

بے شک ہم نے تمہاری طرف بھی گواہی دینے والا رسول بھیج دیا ہے جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔

مُبشّر صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن حکیم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبشر کے نام سے بھی پکارا گیا ہے جس کا معنی ہے بشارت دینے والا۔ یعنی آپ متبعین کتاب وسنت کو ان کے حسنِ انجام کی خوشخبری دینے والے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

۱۔ وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ (الفرقان ۲۵ : ۵۶)

ہم نے تو آپؐ کو خوشخبری دینے والا اور آگاہ کرنے والا نبی بنا کر بھیجا ہے۔

۲۔اِنَّـآ اَرْسَـلْنٰـكَ شَاهِدًاوَّ مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًاO (الفتح ۴۸ : ۸)

یقیناً ہم نے آپ ﷺ کو گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

۳۔يَـآيُّهَاالنَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰـكَ شَاهِدًاوَّ مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًاO (الاحزاب ۳۳ : ۴۵)

اے نبی ﷺ! یقیناً ہم نے ہی آپ کو گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

مُزَّمِّل ﷺ

امام الانبیاء کا نام مزمل بھی آیا ہے جس سے مراد ہے ''چادر اوڑھنے والا''۔ یہ رب تعالیٰ کی اپنے حبیب ﷺ کے لیے بے مثال محبت ہے کہ آپ ﷺ جس حالت میں تھے اللہ نے اسی حالت میں مخاطب فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

يَـآ يُّهَـا الْـمُـزَّمِّـلُ ! اے چادر میں لپٹنے والے! (المزمل ۷۳ : ۱)

مُدَّثِّر ﷺ

مدثر کا معنٰی ہے ''کپڑا اوڑھنے والا''۔ اس نام سے بھی آپ ﷺ کو قرآن حکیم میں مخاطب کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی ''اِقْـرَاْ بِـاسْـمِ رَبِّكَ الَّـذِيْ خَـلَقَ'' اس کے بعد عرصہ گزر گیا اور وحی نازل نہ ہوئی۔ آپ ﷺ سخت مضطرب اور پریشان رہنے لگے کہ ایک روز اچانک وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں وحی لے کر آیا تھا، آپ ﷺ کو نظر آیا۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے جس سے آپ ﷺ پر خوف طاری ہو گیا اور گھر جا کر گھر والوں سے کہا کہ مجھے کوئی کپڑا اوڑھا دو! مجھے کپڑا اوڑھا دو! چنانچہ آپ ﷺ کو کپڑا اوڑھا دیا گیا اور اسی حالت میں وحی نازل ہوئی۔

(صحیح بخاری تفسیر سورۃ المدثر)

حق تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ اے کپڑا اوڑھنے والے! (المدثر ۷۴ : ۱)

بشیر ﷺ

بشیر کا معنٰی ہے "خوشخبری دینے والا"۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ۝ (البقرۃ ۲ : ۱۱۹)

ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور جہنمیوں کے بارے میں آپ سے پُرسش نہیں ہوگی۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (الاعراف ۷ : ۱۸۸)

آپ فرما دیجیے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لیے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا مگر اتنا ہی کہ جتنا اللہ نے چاہا ہو اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سا منافع حاصل کر لیتا اور کوئی نقصان مجھ کو نہ پہنچتا۔ میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔

سورۃ ہود میں اس طرح ذکر ہوتا ہے:

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ ۝ (ھود ۱۱ : ۲)

یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو میں تم کو اللہ کی طرف سے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔

سورہ فاطر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح مخاطب کیا ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۚ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ○ (فاطر ۳۵ : ۲۴)

ہم نے آپ ؐ کو حق دے کر خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی ڈر سنانے والا نہ گزرا ہو۔

قرآن مجید کی سورۃ سبا میں اس انداز سے مخاطب کیا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (سبا ۳۴ : ۲۸)

ہم نے آپ ؐ کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، ہاں مگر (یہ صحیح ہے) کہ لوگوں کی اکثریت بے علم ہے۔

نذیر صلی اللہ علیہ وسلم

نذیر کا معنی ہے "ڈرانے والا، انجام سے آگاہ کرنے والا"۔ یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم صفت ہے۔ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشیر اور مبشر کہا گیا وہاں نذیر بھی پکارا گیا لیکن بشارت کے بجائے انجام سے آگاہی کا تذکرہ نسبتاً زیادہ ہوا۔ کیونکہ اللہ کی مشیت یہ ہے کہ اس کی مخلوق جہنم جیسے ٹھکانے اور شدید گرفت سے بچ جائے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش اور تمنا بھی یہی ہے کہ اُن کی امت دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ اور برے انجام سے محفوظ ہو جائے۔ اسی لیے متعدد بار یہ ذکر ہوا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو آگاہ کرنے والے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ

آپ کہہ دیجیے کہ میں کوئی انوکھا پیغمبر تو نہیں۔

وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ ط اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ وَ مَآ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ o (الاحقاف ۴۶ : ۹)

نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے اور میں تو صرف علی الاعلان آگاہ کردینے والا ہوں۔

سورۃ الذاریات میں اس طرح ذکر ہوتا ہے:

فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰهِ ط اِنِّیْ لَکُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ o وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ط اِنِّیْ لَکُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ o

(الذّٰریٰت ۵۱ : ۵۰،۵۱)

پس تم اللہ کی طرف دوڑ بھاگ (یعنی رجوع) کرو۔ یقیناً میں تمہیں اس کی طرف سے صاف صاف تنبیہ کرنے والا ہوں۔ اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہراؤ۔ بیشک میں تمہیں اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔

سورۃ فرقان میں مخاطب کرنے کا انداز یہ ہے:

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ کُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا o

(الفرقان ۲۵ : ۵۱)

اگر ہم چاہتے تو ہر ایک بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے۔

ایک مقام پر اس انداز سے مخاطب کیا ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا o (الفتح ۴۸ : ۸)

یقیناً ہم نے آپ ﷺ کو گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

علاوہ ازیں قرآن مجید کی سورۃ البقرۃ:۱۱۹، العنکبوت:۵۰، الاعراف:۱۸۴، ۱۸۸

ھود:۲، سبا:۲۸، فاطر:۲۳، ۲۴، ۳۷، ۴۲ اور الملک:۸، ۹، ۲۶ میں رسول کریم ﷺ کے اسم نذیر کا ذکر ہوا ہے۔

رءوف ﷺ

رءوف کے معنی ہیں "مشفق اور مہربان"۔ رسول کریم ﷺ اپنی امت کے ساتھ شفیق اور مہربان ہیں۔ امت کے کسی فرد کا جہنم میں جانا آپ ﷺ کو قطعاً پسند اور گوارا نہیں۔ حدیث میں آتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا "میں تمہارے کولھوں سے پکڑ پکڑ کر تمہیں کھینچتا ہوں لیکن تم مجھ سے زبردستی دامن چھڑا کر جہنم کی آگ میں داخل ہوتے ہو"۔ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق)

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ٥ (التوبة ۹ : ۱۲۸)	تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں جن کو تمہاری تکلیف کی بات نہایت گراں گزرتی ہے جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند ہیں ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔

رحیم ﷺ

رحیم کا معنٰی ہے "شفیق اور مہربان"۔ آپ ﷺ رؤف بھی ہیں اور رحیم بھی بلکہ آپ ﷺ کامل العطوف اور دائم الرحمۃ ہیں۔ امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں سورۃ توبہ کی آیت ۱۲۸ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے دو نام (رءوف اور رحیم) اپنے ناموں پر رکھے ہیں۔

رسول کریم ﷺ کی شفقت وعنایت عوام الناس کے لیے بھی تھی لیکن رافت ورحمت جو مومنوں سے متعلق اور مخصوص تھی اس کا تو کوئی حساب ہی نہیں۔ اس ضمن میں علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے ''رحمۃ للعلمین ﷺ'' میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ کی شفقت ورافت کا یہ عالم تھا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اپنی امت کا خیال رکھتے۔ نماز کی حالت میں پیچھے سے کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے تو نماز مختصر فرما دیتے۔ خود سوار ہو کر کسی شخص کو پیدل ساتھ نہ چلنے دیتے، اُسے اپنے ساتھ سوار کرا لیتے یا واپس لوٹا دیتے۔ اگر کوئی مقروض مسلمان انتقال کر جاتا تو اس کا قرض بیت المال سے ادا کرنے کا حکم فرماتے۔ اپنی پاک مجلس میں کسی شخص کو غیبت کرنے کی اجازت نہ دیتے۔ چھوٹوں پہ شفقت اور بڑوں کی تکریم کا درس دیتے۔ آپؐ نے ایسے لوگوں کی جماعت تیار کی جو آپس میں محبت و پیار سے پیش آنے والے تھے جس کی قرآن مجید ان الفاظ میں گواہی دیتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ. (الفتح ۴۸ : ۲۹)	محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو اُن کے ساتھ ہیں وہ کافروں پہ بڑے سخت اور آپس میں بڑے رحمدل ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (البقرۃ ۲ : ۱۴۳)	بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ بڑا شفیق اور مہربان ہے۔

اور اپنے حبیب ﷺ کے بارے میں فرمایا:

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (التوبۃ ۹ : ۱۲۸)	رسول کریمؐ مومنوں کے ساتھ بڑے شفیق اور مہربان ہیں۔

امین ﷺ

آپ ﷺ کا نام امین بھی ہے۔امین کا معنیٰ ہے''امانت دار''۔قرآن مجید میں اس نام کا تذکرہ اس طرح ہوتا ہے:

اَنْ اَدُّوْٓا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۭ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ (الدخان ۴۴ : ۱۸)

(موسیٰؑ فرماتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو میرے حوالے کر دو۔ یقین مانو کہ میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔

حضور اکرم ﷺ صادق وامین رسول تھے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب تاج نبوت سے سرفراز کیا گیا اس وقت تک آپؐ لوگوں میں اپنی حیاتِ مبارکہ کے چالیس برس بسر کر چکے تھے۔لوگوں کے ساتھ حسن معاملہ، راست بازی اور امانت داری کی وجہ سے صادق وامین کے لقب سے معروف تھے حتیٰ کہ بعثت کے بعد تیرہ برس قریش کے ساتھ مکہ میں گزارے۔ارشاد وابلاغ کا کام مسلسل جاری رہا۔قریش مکہ کی معاندانہ مخالفت کی بنا پر آپ ﷺ کا وہاں رہنا مشکل ہو گیا۔چنانچہ آپ ﷺ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی لیکن کمالِ امانت ودیانت یہ تھا کہ ہجرت کے وقت بھی لوگوں کی امانتیں آپ ﷺ کے گھر میں تھیں۔آپ ﷺ نے ہجرت کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر چھوڑا جو بعد میں تمام لوگوں کو ان کی امانتیں لوٹا کر مدینہ منورہ چلے آئے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو امانت آپ ﷺ کو سونپی گئی اُسے ادا کرنے کا حق بھی ادا کر دیا اور شریعت مطہرہ کا ایک ایک لفظ اللہ کی مخلوق تک پہنچایا۔حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے آخری خطبہ میں ارشاد فرمایا:

لوگو! قیامت کے دن تم سے میرے بارے میں سوال کیا جائے گا مجھے ذرا بتا دو کہ تم کیا جواب دو گے؟

سب نے کہا: ہم اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اللہ کے احکام ہم تک پہنچا دیے، آپ ﷺ نے رسالت ونبوت کا حق ادا کر دیا اور آپ ﷺ نے ہمیں کھرے کھوٹے کے بارے میں اچھی طرح بتا دیا۔

رسول کریم ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی اٹھائی۔ آسمان کی طرف انگلی کو اٹھاتے تھے اور پھر لوگوں کی طرف جھکاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے:

اے اللہ! گواہ رہنا۔

اے اللہ! گواہ رہنا۔

اے اللہ! گواہ رہنا۔ تین مرتبہ فرمایا۔

آنحضور ﷺ رسالت ونبوت، معیشت ومعاشرت اور عبادت وریاضت سمیت تمام معاملات میں امین تھے۔

داعی الی اللہ ﷺ

داعی کا معنٰی ہے" دعوت دینے والا" اور الی اللہ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی طرف۔ رسول کریم ﷺ اللہ کی مخلوق کو اُس کی طرف بلانے والے ہیں۔

قرآن مجید میں ذکر ہوتا ہے:

وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ ط — اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا

(الاحزاب ۳۳ : ۴۶)

آپ ﷺ داعی الی اللہ تھے۔ لوگوں کو دین اسلام کی دعوت، حکمت وموعظۂ حسنہ سے دی۔ اسی پُرحکمت دعوت کا نتیجہ تھا کہ صدیوں سے باہم دست وگریباں قبائل آپس میں شیر وشکر ہو گئے۔ عزتوں کی تکریم سے نا آشنا لوگ ملت کے نگہبان بن گئے۔ جو غربت وافلاس کے خوف سے اپنی اولاد کو قبر کے حوالے کر دیتے تھے، وہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر حقیقی

زندگی سے پیار کرنے لگے۔ جنھوں نے اپنی پیشانیوں کو غیر اللہ کی پرستش سے آلودہ کر رکھا تھا وہ توحید و سنت کے خزینے سمیٹ کر دنیا و آخرت میں بے خوف و مامون ہو گئے۔

الغرض رسول کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے داعی الی اللہ کا منصب سنبھالا جسے بحسن و خوبی انجام دیا۔

سراج منیر ﷺ

قرآن مجید میں رسول کریم ﷺ کو سراج منیر کے نام سے مخاطب کیا گیا ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ "اور اللہ کی طرف اُس کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ۔"

(الاحزاب ۳۳ : ۴۶)

اس آیت کریمہ میں نبی اکرم ﷺ کو روشن چراغ کہا گیا ہے سورج نہیں، کیونکہ اس کی روشنی تو ہوتی ہے لیکن اس کی تمازت بھی زیادہ ہوتی ہے جس کے نہ تو قریب جایا جا سکتا ہے اور نہ اس سے روشنی اخذ کی جا سکتی ہے جبکہ چراغ سے چراغ جلائے جاتے ہیں اور اس کی روشنی سکون و راحت کا سامان پیدا کرتی ہے۔ آپ ﷺ روشن چراغ اور قمر منیر ہیں اور آپ ﷺ کی مجلس میں فیض یاب ہونے والے صحابہ کرامؓ روشن ستارے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مبارک زندگیاں روشن ستاروں کی مانند اُمت محمدیہ کے لیے چراغ راہ اور نشان منزل ہیں۔ جیسا کہ امام رازی نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی سے نور ہدایت اخذ کیا جاتا ہے جبکہ صحابہؓ ستارے ہیں۔ ستارہ خود روشن ہوتا ہے روشنی دیتا نہیں، اس کو نشان منزل بنایا جا سکتا ہے جو منزل کی نشان دہی کرتا ہے یعنی صحابہ کرامؓ فرامینِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اُن کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین سبھی اپنے اپنے مقام پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ ہدایت سے لوگوں کو منور

کرتے ہیں۔

(تفسیر کبیر، ج:٦، ص:١٧٤)

خاتم النبیین ﷺ

خاتم مُہر کو کہتے ہیں اور مُہر تکمیلی عمل ہوتا ہے یعنی آپ ﷺ پر رسالت ونبوت کی تکمیل ہوگئی۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں وارد ہوا ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ	(لوگو!) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں
وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط	سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول
وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ○	اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں اور
(الاحزاب ٣٣ : ٤٠)	اللہ تعالیٰ ہر چیز کا بخوبی جاننے والا ہے۔

احادیث میں اس مضمون کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور پوری امت اس امر پر متفق اور متحد ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ اگر کوئی دعویٰ کرے گا تو وہ جھوٹا اور کذاب ہوگا حتیٰ کہ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔ وہ بھی امتی بن کر آئیں گے نبی بن کر نہیں آئیں گے کیونکہ صحیح اور متواتر روایت سے ثابت ہے کہ خاتم النبیینؐ کے بعد کسی کا نبی بن کر آنا عقیدہ ختم نبوت کے منافی ہے۔

رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﷺ

رسول کریم ﷺ تمام جہانوں کے لیے مجسم رحمت بن کر آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ہے اور اس کی نازل کردہ کتاب قرآن مجید ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ہے جبکہ پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد کریم ﷺ رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (الانبیاء ۲۱ : ۱۰۷) اور ہم نے آپؐ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے۔

کائنات میں جو شخص نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آتا ہے گویا کہ وہ رحمت کو قبول کر لیتا ہے اور دنیا و آخرت کی تمام سعادتیں اس کا مقدر بن جاتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کائنات کے لیے ذریعہ رحمت ہے۔ بالخصوص امت محمدیہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے تباہی و بربادی سے بچا لیا گیا ہے جیسے پچھلی امتیں اور قومیں اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے نیست و نابود ہو گئیں اور انہیں حرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ امت محمدیہ کے ساتھ یہ سلوک نہیں ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کفار اور مشرکین کے لیے بددعا کی بجائے رحمت و ہدایت کی دعا فرمائی: اے اللہ! اس قوم کو ہدایت عطا فرما، یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ سے واقف نہیں ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میں لعنت کرنے یا سب وشتم کرنے والا نہیں بلکہ رحمت کا باعث بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (مختصر صحیح مسلم:۱۸۲۲)

ایک روایت یوں بھی ہے کہ آپؐ نے اللہ سے شرط کی ہوئی تھی کہ اے اللہ! اگر بحیثیت انسان میں کسی کو سبّ ولعان کردوں تو اس کے لیے اجر و پاکیزگی کا باعث بنا دینا۔

(مختصر صحیح مسلم:۱۸۲۵)

شہید صلی اللہ علیہ وسلم

شہید سے مراد ہے گواہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام امت پر شہید اور گواہ بنایا گیا۔ آپؐ تمام امت پر اور آپؐ کی امت تمام امتوں پر قیامت کے دن گواہ ہوگی۔ جیسا کہ ذکر ہوتا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ہم نے تمہیں عادل (افضل) امت بنایا ہے

لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا — اور رسول ﷺ تم پر گواہ ہو جائیں۔

(البقرۃ ۲ : ۱۴۳)

سورۃ حج میں اس طرح بیان ہوا ہے:

لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ . — تاکہ رسولؐ تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو۔

(الحج ۲۲ : ۷۸)

احادیث میں اس کی وضاحت اس طرح ہوئی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں سے پوچھیں گے کہ کیا تم نے میرا پیغام لوگوں تک پہنچایا تھا؟ وہ جواب دیں گے ہاں۔ پھر سوال ہوگا کہ تمہارا گواہ کون ہے؟ وہ جواب دیں گے کہ محمد ﷺ اور ان کی امت۔ یہ گواہی اس بنیاد پر نہیں ہوگی کہ آنحضور ﷺ اور آپ کی امت نے پچھلی امتوں کا مشاہدہ کیا ہے اور حاضر و ناظر ہیں۔ بلکہ اس یقینی علم کی بنا پر جو اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو کتاب وسنت کی صورت میں عطا کیا ہے۔

آپ ﷺ کی شہادت کے بارے میں سورہ نساء میں اس طرح ذکر ہوتا ہے:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَابِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا○ — پس کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپؐ کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے؟

(النساء ۴ : ۴۱)

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَابِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ط — اور جس دن ہم ہر امت میں انہی میں سے ان کے مقابلے پر گواہ کھڑا کریں گے اور آپؐ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔

(النحل ۱۶ : ۸۹)

آیات بالا میں آپ ﷺ کی صفتِ شہید کا ذکر ہوا ہے کہ آپ ﷺ تمام امت پر اور آپ ﷺ کی امت تمام امتوں پر گواہ ہوگی۔

مُنذِر ﷺ

آپ ﷺ کا نام منذر بھی آیا ہے جس سے مراد ہے "آگاہ کرنے والا یا ڈرانے والا" جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ (النمل ۲۷ : ۹۲)

اور مجھے حکم ہے کہ میں قرآن پاک کی تلاوت کرتا رہوں، جو راہِ راست پر آجائے وہ اپنے نفع کے لیے راہ راست پر آئے گا، اور جو بہک جائے تو کہہ دیجیے کہ میں تو صرف ہوشیار کرنے والوں میں سے ہوں۔

آپ ﷺ منذر ہیں آپ کا کام انذار و تنذیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو ان کے اعمالِ بد کے انجام سے آگاہ کرنا اور ہوشیار کرنا۔ اب آگے ہدایت کس کے حصہ میں آتی ہے، کون اس سے محروم رہتا ہے، یہ خالق کائنات کی مرضی ہے۔

عَبْدُهٗ ﷺ

عَبْد سے مراد بندہ ہے جبکہ عبدہٗ سے مراد اُس (اللہ) کا بندہ رسول امینؐ سید ولد آدم اور ذرّیتِ آدم کے سرتاج ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے قریش مکہ کے معزز ترین ہاشمی خاندان میں سے عبداللہ بن عبدالمطلب کے ہاں آپؐ کی ولادت ہوئی۔ قرآن مجید میں دیگر اسماء گرامی کے ساتھ عبدہٗ (عبداللہ) کے نام سے بھی آپ ﷺ کو مخاطب کیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا. (بنی اسرائیل ۱۷ : ۱)

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات ہی رات (میں) مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی۔

دوسری جگہ اس طرح بیان ہوا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا ○ (الکھف ۱۸ : ۱)

تمام تعریفیں اسی اللہ کے لیے سزاوار ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ قرآن اتارا اور اس میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔

سورۃ الحدید میں اس طرح بیان ہوا ہے:

ھُوَالَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِہٖٓ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط وَاِنَّ اللّٰہَ بِکُمْ لَرَءُ وْفٌ رَّحِیْمٌ ○ (الحدید ۵۷ : ۹)

وہ (اللہ) ہی ہے جو اپنے بندوں پر واضح آیتیں اتارتا ہے تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف لے جائے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نرمی کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

رسول کریم ﷺ کا کمالِ شرف یہ ہے کہ آپؐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں لیکن رفعت و مرتبت میں جو آپ ﷺ کا مقام ہے، وہ کائنات میں کسی دوسرے نبی اور رسول کا نہیں ہے۔

بعض عقل و فکر سے محروم افراد نے یہ اعتراض کیا کہ رسول ایسا ہو جو نہ انسان ہو اور نہ ہی اُسے انسانی و بشری حاجات ہوں۔ انہوں نے آپؐ کے طرز معاشرت، چلنے پھرنے اور کھانے پینے کی صفات پر اعتراض کیا: جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَقَالُوْا مَا لِھٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ط

اور انہوں نے کہا، یہ کیسا رسول ہے؟ کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ (الفرقان ۲۵ : ۷)

اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا جاتا؟ کہ وہ بھی اس کے ساتھ ہو کر ڈرانے والا بن جاتا۔

طعنہ زنوں نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت پر اعتراض کیا کہ یہ عظمت و رسالت کی متحمل نہیں ہو سکتی تو اس کا جواب حق تعالیٰ نے خود دیا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ط (الفرقان ۲۵ : ۲۰)

ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے سب کے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نبی سے مراد ہے ''خبر دینے والا''۔قرآن مجید میں نبی کا لفظ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تقریباً پچیس مرتبہ استعمال ہوا ہے۔جیسا کہ ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ط وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ (آل عمران ۳ : ۱۶۱)

ناممکن ہے کہ نبی سے خیانت ہو جائے۔جس نے خیانت کی وہ خیانت شدہ چیز کو لیے ہوئے قیامت کے دن حاضر ہوگا۔

مزید جن مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی کے نام سے تذکرہ ہوا ہے اس طرح ہیں:

المائدۃ:	۸۱	الاعراف:	۱۵۷، ۱۵۸
الانفال:	۶، ۶۵، ۶۷، ۷۰	براءۃ:	۶۱، ۷۳، ۱۱۳
الاحزاب:	۱، ۲۸، ۳۲، ۳۸، ۴۵	فاطر:	۵۰، ۵۲
الحجرات:	۲	الممتحنہ:	۱۲
تحریم:	۱، ۳، ۸، ۹	الطلاق:	۱

رسول ﷺ

آپ ﷺ کا ذکر رسول کے نام سے قرآن مجید میں بیشتر مقامات پر ہوا ہے، جیسا کہ فرمایا گیا ہے:

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ ۝ (آل عمران ۳: ۳۲)

کہہ دیجیے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اگر یہ منہ پھیر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔

مزید جن مقامات پر بطور رسول ذکر ہوا ہے تفصیل اس طرح ہے:

ال عمران: ۸۱، ۸۲، ۱۰۱، ۱۳۲، ۱۵۳، ۱۷۲، ۱۷۹، ۱۹۳۔ النساء: ۱۴، ۵۲، ۶۱، ۶۴، ۶۹، ۷۹، ۸۰، ۱۰۰، ۱۱۵، ۱۲۶، ۱۷۰۔ المائدۃ: ۱۵، ۳۲، ۴۱، ۵۵، ۵۶، ۶۷، ۸۲، ۹۲، ۹۹، ۱۴۰۔ الاعراف: ۱۵۷، ۱۵۸۔ الانفال: ۱، ۱۲، ۲۴۔ التوبۃ: ۱، ۲، ۷، ۱۶، ۱۴، ۲۶، ۲۹، ۳۳، ۵۴، ۵۹، ۶۳، ۶۵، ۸۰، ۸۱، ۸۴، ۸۶، ۸۸، ۹۱، ۹۴، ۹۷، ۹۹، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۲۸۔ النحل: ۱۱۳۔ اسراء: ۹۳۔ حج: ۷۸۔ المومن: ۷۸۔ العنکبوت: ۱۸۔ الزخرف: ۲۹، الحجرات: ۱، ۳، ۸، ۱۴، ۱۵۔ الفتح: ۹، ۱۲، ۱۳، ۱۷، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۹۶۔ الاحزاب: ۶، ۲۱، ۲۹، ۳۱، ۳۶، ۴۰۔ محمد: ۳۲، ۳۳ المنفقون: ۱، ۷، ۸۔ التغابن: ۸، ۱۲۔ الطلاق: ۱۱، الفرقان: ۷، ۲۷، ۳۰، ۴۱۔ الجمعۃ: ۲ الصف: ۹، ۱۱، ۲۶۔ حشر: ۴، ۶، ۷، ۸ الممتحنۃ: ۱۔ الجن: ۲۲، ۲۸۔ الحاقۃ: ۴۲، النور: ۴۷، ۴۸، ۵۱، ۵۲، ۵۴، ۵۶، ۶۲، ۶۳۔

نور۔ یٰسین۔ طٰہٰ ﷺ

بعض سیرت نگاروں نے آپ ﷺ کا صفاتی نام نور بھی لکھا ہے۔ آپ کی صفت نور ہے لیکن اس لفظ کا استعمال واضح طور پر قرآن مجید میں آپؐ کے لیے نہیں ہوا۔ بعض نے آپ ﷺ کے اسمائے گرامی میں سے یٰسین اور طٰہٰ بھی لکھا ہے لیکن قرآن مجید میں جہاں حروف مقطعات کا استعمال ہوا ہے ان حروف کو واضح طور پر مستند سیرت نگاروں نے حضور ﷺ کا نام شمار نہیں کیا بلکہ وہ حروف مقطعات ہی ہیں اور ان حروف کے معانی اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

رسالت و بشریت

رسالت وبشریت

سیّد المرسلین حضرت رسولِ کریم ﷺ اس جہاں میں پیغمبر آخر الزمان بن کر آئے۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی رسول اور نبی نہیں آئے گا۔ اللہ عزوجل نے اپنے آخری پیغمبر کے لیے سرزمین مکہ کا انتخاب کیا اور اس سرزمین پر بسنے والی اقوام میں زائد قوم ہاشمی میں سے حضرت محمد کریم ﷺ کو آخری پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا۔ منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: اَیُّھَا النَّاسُ قُولُوْا لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ ۔ اللہ کی زمین پر بسنے والے انسانو! خالقِ ارض وسما کی عظمت و کبریائی کو تسلیم کرتے ہوئے اُس کی توحید کا اقرار کرلو۔ جب آپ ﷺ نے توحید و رسالت کا اعلان کیا تو سب سے پہلے آپ ﷺ کی قوم کے لوگ ہی مخالف ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم آپ ﷺ کی دعوت کو نہیں مانتے اور نہ ہی آپ ﷺ کی رسالت کو تسلیم کرتے ہیں۔ آپ تو رسول ہی نہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید نے ان کے انکار کا ذکر کیا ہے:

لَسْتَ مُرْسَلًا ط (الرعد ۱۳ : ۴۳) تم رسول نہیں ہو۔

مشرکین عرب کے انکار و الزام کا جواب ربّ ارض و سما نے خود دیا اور فرمایا:

یٰسٓ o وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ o اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ o یٰسین۔ قرآن حکیم کی قسم! بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں۔

(یٰسین ۳۶ : ۱، ۲، ۳)

لیکن عرب کی پتھریلی و سنگلاخ زمین پر رہنے والے سخت دل، سخت گیر، اور بتوں کے پجاری آسانی سے کب ماننے والے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ اس بات کو ہم کیسے مان لیں کہ ہماری قوم، ہماری برادری اور ہمارے ہی قبیلے کے ایک فرد کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بنا دیا جائے۔ اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک انسان منصب رسالت پر فائز ہو جائے۔ ان کے اس الزام کے جواب میں ربّ کریم نے ارشاد فرمایا، اس سے پہلے بھی تو ہمارے رسول پیغام ہدایت لے کر آئے اور ان کے ساتھ ان کی قوموں نے بھی یہی سلوک کیا۔ انہیں انسان و بشر کہہ کر اطاعت و اتباع سے انکار کر دیا جس کے سبب تباہی و بربادی ان کا مقدر بن گئی۔ ان کی حالت کا ذکر قرآن عزیز نے اس طرح کیا ہے:

یٰسین۔ قرآن حکیم کی قسم! بے شک آپ ﷺ رسولوں میں سے ہیں۔

أَبَشَرٌ يَهْدُونَنَا . (التغابن ٦٤ : ٦) کیا ہمیں بشر ہدایت دیں گے؟

ان کے خیال میں زمین پر زندگی بسر کرنے والا کوئی انسان رسالت کے تخت و تاج سے سرفراز نہیں ہوسکتا۔ اس سے پہلے حجاز مقدس کے قریب ہی مقام حجر پر بسنے والی قوم ثمود نے اپنے نبی حضرت صالح علیہ السلام کو بشریت کا طعنہ دے کر ماننے سے انکار کر دیا تھا، وہ کہتے ہیں:

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (الشعراء ٢٦ : ١٥٤) آپ تو ہم جیسے ایک بشر ہیں۔ اگر سچے رسول ہیں تو کوئی نشانی لے کر آئیں۔

قوم ثمود کے علاوہ قوم عاد اور قوم نوح و دیگر اقوام نے بھی اپنے انبیاء کا بشریت کی بنیاد پر ہی انکار کیا اور کہا:

قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا انہوں نے کہا کہ تم تو ہماری طرح کے انسان ہو۔ تم چاہتے ہو کہ ہمیں اُن معبودوں سے روک دو

عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا. جن کی ہمارے باپ دادا پرستش کیا کرتے تھے۔ (ابراھیم ۱۴ : ۱۰)

ان قوموں کے اس الزام کے جواب میں ان کے رسولوں نے کہا:

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط ان کے پیغمبروں نے انہیں کہا کہ ہم تو آپ کی طرح کے انسان ہی ہیں۔ لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کر دیتا ہے۔ (ابراھیم ۱۴ : ۱۱)

انبیاء ورسل بھی زمین پر بسنے والے دیگر انسانوں کی طرح جسم وجان، قالب وروح اور اعضاء وجسد رکھنے والے انسان ہیں لیکن یہ اللہ کا انتخاب ہے کہ وہ اپنے جس بندے کو چاہتا ہے اُسے اعزاز واکرام سے نواز کر نبی ورسول بنا دیتا ہے اور کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی قوم و ملت میں سب سے زیادہ ممتاز ومحترم ہوتا ہے۔ بلکہ منصب مطاع سے سرفراز ہوتا ہے۔

لیکن منکرین ومشرکین کب ماننے والے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایسے ایمان نہیں لائیں گے۔ بلکہ آپ ﷺ کا ہمارے سامنے ایک عالی شان سونے کا محل ہو۔ اور آپ ﷺ ہماری نظروں کے سامنے آسمان پر چڑھ جائیں۔ آپ ﷺ کے آسمان پر چڑھنے کو بھی اسی صورت میں تسلیم کریں گے جب آپ ﷺ ہماری آنکھوں کے سامنے آسمان پر چڑھیں اور واپس آئیں تو آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک کتاب ہو جسے ہم پڑھیں۔ مشرکین کے ایسے بے بنیاد الزام اور بیہودہ مطالبے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کے ذریعے اعلان کرواتے ہیں کہ اپنی قوم سے کہہ دیں کہ زمین پر بسنے والی قوم انسانوں کی ہے، فرشتوں کی نہیں ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے زمین پر بسنے والے انسانوں کے لیے انہی میں سے پیغمبر مبعوث کیے ہیں۔ اگر زمین پر انسانوں کی بجائے فرشتے بستے ہوتے تو ان میں پیغمبر بھی کوئی فرشتہ ہی نازل ہوتا۔

جیسا کہ قرآن کریم وضاحت کرتا ہے:

اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِى السَّمَآءِ ط وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهٗ ط قُلْ سُبْحَانَ رَبِّىْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ○	یا آپؐ کے اپنے لیے کوئی سونے کا گھر ہو جائے یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں۔ ہم تو آپؐ کے چڑھ جانے پر اس وقت تک یقین نہیں کریں گے جب تک کہ آپؐ ہم پر کوئی کتاب نہ اُتار لائیں جسے ہم خود پڑھ لیں۔
(بنی اسرائیل ۱۷ : ۹۳)	آپؐ جواب دے دیں کہ میرا پروردگار پاک ہے میں تو صرف ایک انسان ہی ہوں جو رسول بنایا گیا ہوں۔

لیکن انداز یہ بھی ہے:

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ○	لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ چکنے کے بعد ایمان سے روکنے والی صرف یہی چیز رہی کہ انہوں نے کہا، کیا اللہ نے ایک انسان کو ہی
(بنی اسرائیل ۱۷ : ۹۴)	رسول بنا کر بھیج دیا؟

اس اعتراض کا جواب اس طرح دیا گیا:

قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ○ (بنی اسرائیل ۱۷ : ۹۵)	کہو! اگر زمین میں فرشتے ہی اطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم اُن پر آسمان سے فرشتہ رسول ہی اتارتے۔

ان مضبوط دلائل کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان بھی فرمایا:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ	آپ کہہ دیجیے! میں تو تم جیسا ہی ایک بشر

يُوْحٰى اِلَيَّ. ہوں لیکن امتیاز یہ ہے کہ مجھ پر وحی نازل
(الکھف ۱۸ : ۱۱۰) ہوتی ہے۔

رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان عام فرمایا کہ میں بھی انسان ہوں۔ میری قوم وقبیلہ ہے، اعزہ واقارب ہیں، والدین واولاد ہے اور رشتے ناطے ہیں۔ مجھے میرے مالک نے حوائج انسانی بخشی ہیں، میرا گھربار ہے، کاروبار ہے، لین دین ہے، سونا جاگنا ہے، منصب رسالت پر فائز ہونے والا میں پہلا نہیں اور نہ ہی میں عجیب وانوکھا رسول ہوں۔

جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ آپ کہہ دیجیے کہ میں کوئی انوکھا پیغمبر تو نہیں۔
(الاحقاف ۴۶ : ۹)

پہلے بھی انسانوں کے پاس انسان ہی پیغمبر بن کر آئے، کوئی بھی فرشتہ یا کسی اور مخلوق سے رسول نہیں آیا۔ مجھ سے پیشتر حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر پیغمبرانِ کرام سبھی تو انسان تھے جو مختلف قوموں اور علاقوں کی طرف نبی ورسول بن کر آئے، جیسا کہ قرآن شہادت دیتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ط آپ سے پہلے ہم نے بستی والوں میں جتنے بھی رسول بھیجے ہیں سب مرد ہی تھے جن کی
(یوسف ۱۲ : ۱۰۹) طرف ہم وحی نازل فرماتے گئے۔

ایک مقام پر اس طرح ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ یقیناً ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی ہے جیسا کہ نوح

وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ج ٭ اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی۔

(النساء ۴ : ۱۶۳)

رب تعالیٰ کی طرف سے اپنے آخری پیغمبر ﷺ کی لسانِ صدق کے ذریعے یہ اعلان کروایا جاتا ہے کہ یہ کمال کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین کے باسیوں کے لیے کسی انسان کا انتخاب کر کے اُسے رسالت و نبوت کا تخت و تاج عطا کر دے اور ایسا ایک بار صرف مکہ کی سرزمین پر نہیں ہوا بلکہ زمین کے مختلف علاقوں، شہروں اور بستیوں میں انبیاء و رسل کا انتخاب کیا۔

مشرکین مکہ کی صورت حال بڑی ہی عجیب تھی وہ پتھریلی اور سنگلاخ زمین کے رہنے والے تھے۔ وہ سخت جان تو تھے ہی مگر سخت دل اور سخت گیر بھی تھے اور پھر سنگ تراشی اور بت پرستی نے انہیں خالق حقیقی سے اس قدر بیگانہ و نا آشنا کر دیا تھا کہ وہ رسالت کے منصب اور بشریت کی تکریم کو سمجھ ہی نہیں سکتے تھے۔ اور اسی کج فہمی اور کوتاہ فکری نے انہیں اعلیٰ ترین سعادتوں سے محروم کر دیا تھا۔ ان کی عداوتوں اور شقاوتوں نے صادق و امین اور رءوف و رحیم رسول کریم ﷺ کو ہجرت پر مجبور کر دیا۔ ان کے اعتراضات اس قدر تھے کہ وہ اپنی مجلسوں اور اجلاسوں میں بیٹھ کر صرف یہ سوچا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کی دعوت کو کس طرح روکنا ہے۔ ذات گرامی کو کس طرح اذیت دینی ہے اور اُن کے منصب و مقام کی کس طرح نفی کرنی ہے۔ رسالت و بشریت پر بہ تکرار اعتراض کے بعد انہیں رسول کریم ﷺ کے بازار جانے، سودا سلف خریدنے اور کاروبار کرنے پر بھی اعتراض تھا۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ رسول ایسا نہیں ہوتا جس کو کھانا کھانے اور بازار جانے کی حاجت ہو۔ ان کے اس اعتراض کو قرآن کریم نے اس طرح نقل کیا ہے:

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے؟
يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ط کہ کھانے کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا
(الفرقان ۲۵ : ۷) پھرتا ہے۔

ان کے اس اعتراض کا جواب قرآن مجید میں اس طرح دیا گیا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ ہم نے آپ سے قبل جتنے رسول بھیجے سب
اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِي کے سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں
الْاَسْوَاقِ ط بھی چلتے پھرتے تھے۔

(الفرقان ۲۵ : ۲۰)

دوسری جگہ باری تعالیٰ کا ارشاد اس طرح بھی ہے:

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ ہم نے ان کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ وہ
وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ○ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے
(الانبیاء ۲۱ : ۸) تھے۔

کوئی بھی رسول حوائجِ انسانی اور جبلی ضروریات سے مستغنی نہیں اور نہ ہی وہ دوام و ابدیت کا مالک ہے کیوں کہ دوام و ابدیت صرف ذاتِ کبریاء کو ہی لائق و زیبا ہے جو ذات و صفات میں وحدہٗ لا یزل ہے۔ ربّ کریم نے قرآن کریم میں عام انسانوں کے فنا اور انبیاء و رسل کے موت سے ہمکنار ہونے اور اپنی ذات پاک کے ابد الا باد تک قائم و دائم رہنے کا ذکر بھی کیا ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ○ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں
ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ○ صرف تیرے ربّ کی ذات جو عزت و
(الرحمن ۵۵ : ۲۶،۲۷) عظمت والی ہے باقی رہے گی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ ط (آل عمران ۳ : ۱۴۴)	حضرت محمدؐ صرف رسول ہی ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں۔ کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟

اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے:

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ o (الرعد ۱۳ : ۴۰)	ان سے کیے ہوئے وعدوں میں سے کوئی اگر ہم آپ کو دکھا دیں یا آپ کو ہم فوت کر لیں تو آپ پر تو صرف پہنچا دینا ہی ہے۔ حساب تو ہمارے ذمہ ہے۔
اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ o (الزمر ۳۹ : ۳۰)	یقیناً آپ کو بھی موت کا مزہ چکھنا ہے اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں۔
وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ o (یونس ۱۰ : ۴۶)	اور جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اس میں سے تھوڑا سا اگر ہم آپ کو دکھلا دیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں سو ہمارے پاس تو ان کو آنا ہی ہے پھر اللہ ان کے سب افعال پر گواہ ہے۔

موت وحیات کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ موت کے بعد جزا وسزا اور زندگی میں نفع ونقصان کا مالک بھی اللہ ہی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ذکر ہوتا ہے:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ط	آپ فرما دیجیے کہ میں اپنی ذات کے لیے تو کسی نفع ونقصان کا اختیار ہی نہیں رکھتا۔ مگر

(یونس ۱۰ :۴۹) جتنا اللہ کو منظور ہو۔

قرآن عزیز نے تمام رسولوں کی رسالت و بشریت کا جہاں تذکرہ کیا ہے وہاں پیغمبر آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت اور بشریت و انسانیت کا بھی ذکر کیا ہے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا مبارک کا ذکر کیا ہے۔ کہیں لسانِ صدق کا ذکر ہے، تو کہیں قلب امین کا اور کہیں چہرۂ پُرانوار کا ذکر ہے تو کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان مبارک کا، مختلف مقامات پر مختلف انداز سے آپ کے جسد پاک کے اعضائے مبارکہ کا ذکر ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اطہر کا ذکر اس طرح ہوتا ہے:

لَاتُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ○ آپؐ قرآن کو جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔ (القیامہ ۷۵ : ۱۶)

فَاِنَّمَايَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ○ ہم نے اس (قرآن) کو آپؐ کی زبان میں آسان کردیا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ (الدخان ۴۴ : ۵۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب امین کا ذکر اس طرح ہوتا ہے:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّالِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ. آپؐ فرمادیجیے کہ جو جبریل کا دشمن ہو جس نے آپؐ کے دل پر پیغام باری تعالیٰ اُتارا ہے۔ (البقرہ ۲ : ۹۷)

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰى○ دل نے جھوٹ نہیں کہا جسے (پیغمبرؐ نے) دیکھا۔ (النجم ۵۳ : ۱۱)

چشم مبارک کا ذکر یوں ہے:

وَلَاتَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ آزْوَاجًا مِّنْهُمْ (الحجر ۱۵ : ۸۸) آپؐ ہرگز اپنی نظریں اس چیز کی طرف نہ دوڑائیں جس سے ہم نے ان میں سے کئی قسم کے لوگوں کو بہرہ مند کررکھا ہے۔

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰیO (النجم ۵۳ :۱۷) نہ تو نگاہ بہکی اور نہ حد سے بڑھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کا ذکر یوں فرمایا گیا:

قَدْنَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ. (البقرہ ۲ :۱۴۴) ہم نے آپؐ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا دیکھا ہے۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط (البقرہ ۲ :۱۴۴) آپؐ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًاط (الروم ۳۰ : ۳۰) پس آپؐ یک سُو ہو کر اپنا رُخ اس سیدھے دین کی طرف ہی رکھیں۔

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَ جْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ط (آل عمران ۳ : ۲۰) پھر بھی اگر وہ آپؐ سے جھگڑیں تو آپؐ کہہ دیں کہ میں نے اپنا چہرہ اللہ کے مطیع کرلیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کان مبارک کا ذکر اس طرح ہے:

وِمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ط قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ. (التوبہ ۹ : ۶۱) ان میں سے وہ بھی ہیں جو پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کان کا کچا ہے۔ آپؐ کہہ دیجیے کہ وہ کان تمہارے بھلے کے لیے ہے۔

جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کا ذکر یوں کیا گیا:

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ۝ کیا ہم نے آپؐ کا سینہ نہیں کھول دیا؟

(الانشراح ۹۴: ۱)

امانتِ نبوت کا بوجھ اٹھانے والے کی کمر مبارک کا ذکر اس طرح کیا گیا:

وَوَضَعۡنَا عَنۡكَ وِزۡرَكَ ۝ الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَهۡرَكَ ۝ اور ہم نے آپؐ پر سے آپؐ کا بوجھ اُتار دیا جس نے آپؐ کی کمر توڑ رکھی تھی۔

(الانشراح ۹۴: ۲،۳)

انسانوں کو حقیقی زندگی بخشنے والے کی عمر مبارک اور زندگی و موت کا تذکرہ یوں فرمایا گیا:

فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡكُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ ط کیوں کہ اس سے پہلے تو عمر کا ایک بڑا حصہ میں تم میں رہ چکا ہوں۔

(یونس ۱۰: ۱۶)

قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُكِیۡ وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ آپؐ کہہ دیجیے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور موت سب اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

(الانعام ۶: ۱۶۲)

محولہ بالا دلائل و براہین سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خالق کون و مکان نے بنی نوع انسان کی ہدایت و راہ نمائی کے لیے جتنے بھی انبیاء و رسل علیہم السلام مبعوث کیے وہ سبھی انسان تھے۔ وہ کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، اُٹھتے بیٹھتے اور کاروبار کرتے تھے۔ ان کی رشتہ داریاں تھیں۔ ان کے والدین اور ان کی اولاد تھی۔ ان کی حوائج انسانی اور طبعی ضروریات تھیں۔ لیکن ان کا اعزاز و اکرام یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رسالت و نبوت کے لیے منتخب کیا۔ اُن پر وحی نازل ہوئی۔ اُنہیں کتب و صحف سے نوازا گیا۔ اُنہیں معجزات عطا ہوئے اور اس اعزاز نے انہیں تمام بنی نوع انسان سے ممتاز و محترم کر دیا۔ بالخصوص حضرت رسول کریم

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں اور نبیوں میں ممتاز و محترم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید کی صورت میں لازوال کتاب ہدایت ملی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت تمام کر دی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت آخری شریعت ٹھہری۔ اور معجزات و اعزازات سے بھی نوازا گیا جو کسی دوسرے نبی کے حصہ میں نہیں آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہو کر تمام آدمیت سے اعلیٰ و برتر ہیں بلکہ فخر آدم ہیں۔

☆......☆......☆

اہدافِ رسالت

اہداف رسالت

بعثت انبیاء کے کچھ بنیادی مقاصد واہداف ہوتے ہیں۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے اہداف کی بنیاد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ دعا بتائی گئی ہے جو انہوں نے تعمیر کعبہ کے وقت کی۔انہوں نے کہا:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ط اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ٥ (البقرة ۲ : ۱۲۹)

اے ہمارے رب! ان میں انہی میں سے رسول بھیج جو اِن کے سامنے تیری آیتیں پڑھے ،انہیں کتاب وحکمت سکھائے اور انہیں پاک کرے۔یقیناً تو غلبہ پانے والا اور حکمت والا ہے۔

اور سورہ بقرۃ میں بعثت رسول کے متعلق دوسری جگہ اس طرح ذکر ہوا ہے:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ٥ (البقرة ۲ : ۱۵۱)

جس طرح ہم نے تم میں تمہی میں سے رسول بھیجا جو ہماری آیتیں تمہارے سامنے تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ چیزیں سکھاتا ہے جن سے تم بے علم تھے۔

اور سورہ جمعہ میں اس طرح ارشاد ہوا ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا

وہ وہی ذات ہے جس نے ناخواندہ لوگوں

مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (اَلْجُمُعَة ٦٢ : ٢)

میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے یقیناً وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

مذکورہ بالا آیات کی روشنی میں يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا، وَيُزَكِّيْكُمْ، وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ، وَيُعَلِّمُكُمْ مَّالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ اور وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ پانچ عنوان لیے گئے ہیں جن سے متعلق مختصر گزارشات حیطۂ تحریر میں لائی گئی ہیں۔

دعوت وارشاد (يتلوا عليكم اٰيٰتنا)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو انہوں نے چاہا کہ میں مشکل ترین کام کروں تو مسلمانوں نے انہیں بتایا کہ مشکل ترین کام لوگوں کو اللہ کا قرآن سنانا ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ ذہن کے بڑے پکے تھے۔ وہ قریش کے مجمع میں جا پہنچے اور ان کے سامنے قرآن کی تلاوت شروع کر دی، کچھ دیر بعد واپس آئے تو جسم لہولہان ہو چکا تھا۔ چہرہ اس قدر زخمی تھا کہ پہچاننا مشکل تھا۔ (رحمة للعٰلمين ج:۲، ص۵۰)

لوگوں کو اللہ کا قرآن سنانا مشکل ترین کام تھا۔ یہ کام اللہ کے پاک پیغمبر ﷺ نے خوب کیا۔ اپنے اعزہ و اقارب، عرب قبائل اور سلاطین عرب سب کو قرآن سنایا اور اس میں کئی مراحل اور منازل آئیں۔

پہلی منزل۔ رشتہ داروں کو دعوت

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ (الشعراء ٢٦ : ٢١٤)

(اے نبیؐ!) اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں۔

اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان بنو ہاشم کو جمع کیا۔ ان کے ساتھ بنو مطلب کے کچھ لوگ بھی تھے۔ آنے والے کل پنتالیس آدمی تھے۔ اس سے پہلے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا مدعا بیان فرمائیں، ابولہب بول پڑا۔ دیکھو! یہ تمہارے چچا اور چچازاد بھائی ہیں۔ نادانی چھوڑ کر بات کرنا اور یہ بھی خیال رہے کہ تمہارا خاندان عرب کے تمام قبائل کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور میں سب سے زیادہ حق دار ہوں کہ تمہیں پکڑ لوں۔ تمہارے لیے تمہارا خاندان ہی کافی ہے۔ اگر تم اپنی بات پر قائم رہے تو مشکل نہیں ہوگی کہ تمام قبیلے تم پر ٹوٹ پڑیں اور باقی لوگ بھی ان کی مدد کریں۔ پھر مجھے نہیں معلوم کہ تم سے بڑھ کر کوئی شخص اپنے خاندان کی تباہی و بربادی کا باعث ہو۔ اس پر رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے اور مجلس برخاست ہوگئی۔

دوسری کوشش

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریبی رشتہ داروں کو دوبارہ دعوت دی اور فرمایا تمام حمد اللہ کے لیے ہے۔ میں اس کی تعریف کرتا ہوں اور اس سے مدد چاہتا ہوں، اس پر ایمان رکھتا ہوں، اسی پر بھروسا کرتا ہوں اور یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا:۔

راہنما اپنے گھر کے لوگوں سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اس خدا کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں تمہاری طرف خصوصاً اور لوگوں کی طرف عموماً رسول بھیجا گیا ہوں۔ بخدا! تم لوگ اس طرح موت سے دوچار ہو گے جیسے سو جاتے ہو اور اسی طرح اٹھائے جاؤ گے جس طرح سو کر جاگتے ہو، جو کچھ تم کرتے ہو اس کا حساب لیا جائے گا، اس کے بعد یا تو ہمیشہ کے لیے جنت ہے یا ہمیشہ کے لیے جہنم۔ اس پر ابوطالب نے کہا ہمیں تمہاری معاونت کس قدر پسند ہے، تمہاری نصیحت کس قدر قابل قبول ہے اور ہم تمہاری بات کس قدر سچی مانتے اور جانتے

ہیں اور یہ تمہارے والد کا خاندان جمع ہے اور میں بھی ان کا ایک فرد ہوں۔فرق اتنا ہے کہ میں تمہاری پسند کے لیے ان سب سے پیش پیش ہوں۔لہٰذا تمہیں جس بات کا حکم ہوا ہے اسے انجام دو۔ بخدا! میں تمہاری ہمیشہ حفاظت و اعانت کرتا رہوں گا البتہ میری طبیعت عبدالمطلب کا دین چھوڑنے پر راضی نہیں۔

ابولہب نے کہا: خدا کی قسم! یہ برائی ہے اس کے ہاتھ دوسروں سے پہلے تم خود ہی پکڑلو۔اس پر ابوطالب نے کہا: خدا کی قسم! جب تک جان میں جان ہے ہم ان کی حفاظت کرتے رہیں گے۔ (فقه السيرة بحواله الرحيق المختوم: ۱۳۸)

اس کے بعد ایک روز رسول ہاشمی ﷺ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر آواز دی: یـــــــا صبـــــاحـــــاہ! اہل عرب دشمن کے حملہ سے خبردار کرنے کے لیے یہ الفاظ پکارا کرتے تھے) آپ ﷺ نے آواز لگائی اے بنی فہر! اے بنی عدی! آپ ﷺ کی آواز سن کر سبھی آ گئے، ابولہب بھی آ گیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں یہ خبر دوں کہ ادھر سے ایک جماعت تم پر حملہ آور ہونے والی ہے تو کیا تم سچ مان لو گے؟ لوگوں نے کہا ہاں، ہم نے آپ ﷺ پر سچ کا ہی تجربہ کیا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک سخت عذاب سے خبردار کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔اس پر ابولہب نے کہا: تَبًّا لَكَ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا. تو غارت ہو، کیا اسی لیے تو نے ہمیں جمع کیا تھا؟ اس پر سورۃ اللھب نازل ہوئی ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۝﴾ ابولھب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ غارت ہو۔ (صحیح مسلم، ۱۱۴۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب آیت ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ہر خاص و عام کو پکارا۔آپؐ نے فرمایا، اے جماعتِ قریش! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔اے بنی کعب! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔اے محمد ﷺ کی بیٹی

فاطمہ! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ کیونکہ میں تمہیں اللہ کی گرفت سے نہیں بچا سکتا۔ البتہ میرے ساتھ تمہارے جو نسبی اور قرابت داری کے تعلقات ہیں میں انہیں تازہ رکھنے کی کوشش کروں گا۔

(صحیح بخاری: ۱/۳۸۵)

رسول ہاشمی ﷺ نے اپنے قبیلہ کے ہر خاص و عام کو دعوتِ دین دی اور انہیں خبردار کیا کہ وہ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچالیں اور قیامت کے دن رب تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش آمدہ ندامت سے بچ جائیں۔

دوسری منزل۔ مکہ والوں کو دعوت

قرابت داروں کو دعوتِ دین دے چکنے کے بعد حکم ہوتا ہے کہ دعوت کے دائرہ کار کو وسیع کر دیا جائے۔ مکہ اور گردونواح کے لوگوں کو دین کی دعوت دی جائے اور انہیں قرآنی آیات پڑھ کر سنائی جائیں، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا۔ (الشوریٰ ۴۲: ۷)	اسی طرح ہم نے آپؐ کی طرف عربی قرآن کی وحی کی ہے تاکہ آپؐ مکہ والوں کو اور آس پاس کے لوگوں کو خبردار کر دیں۔

اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد رسول کریم ﷺ نے دعوت وارشاد کو اپنے قریبی قبائل سے آگے بڑھاتے ہوئے مکہ اور اطراف مکہ تک بڑھا دیا اور صدائے حق کو طائف، حنین اور یثرب تک پہنچا دیا بلکہ مہاجرین کے ذریعے حبشہ کے عیسائی بادشاہ کو بھی کلمہ حق سے روشناس کرایا۔ اس سلسلہ میں آپ ﷺ کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن کسی موقع پر بھی آپ ﷺ کے پایۂ استقلال میں لغزش نہیں آئی۔

آپ ﷺ طائف والوں کے پاس بھی پیغام ہدایت لے کر گئے۔ مکہ سے طائف

تک ساٹھ میل کی مسافت پیدل طے کی۔اس سفر میں زید بن حارثہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔طائف میں دس دن قیام فرمایا اور وہاں کے تمام لوگوں کو دعوتِ اسلام دی۔ایک ایک سردار کے پاس گئے اور ہر ایک کو کلمہ حق سنایا لیکن جواب سب کا ایک ہی تھا کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ بلکہ انہوں نے اپنے آوارہ جوانوں کو پیچھے لگا دیا جو مذاق اڑاتے ،گالیاں دیتے ،تالیاں بجاتے اور شور وغل کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگ گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہجوم اتنا ہو گیا کہ راستے کے دونوں طرف قطاریں بن گئیں۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم راستہ سے گزرتے جا رہے تھے اور وہ گالیاں دے رہے تھے حتیٰ کہ پتھر برسانے لگے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر خون سے لہولہان ہو گیا۔اتنا خون بہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے بھی خون میں تر بتر ہو گئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق سفر زید بن حارثہؓ ڈھال بنے ہوئے تھے۔ان کے سر میں بھی چوٹیں آئیں۔یہ ظالمانہ سلوک مسلسل جاری رہا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ کے باغ میں پناہ لی جو طائف سے تین میل کے فاصلے پر تھا۔اب ستم گروں کا ریوڑ واپس پلٹ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم باغ میں انگور کی بیل کے سائے میں دیوار کے ساتھ بیٹھ گئے۔ ذرا دل کو سکون ہوا تو بارگاہ الٰہی میں دعا کی ،وہ دعا جس کے الفاظ بتاتے ہیں کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم پر غم والم اور حزن وملال کا کس قدر غلبہ تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو یوں پکارا:

''بارِ الٰہا! میں تجھ ہی سے اپنی کمزوری و بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔یا ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور تو میرا بھی رب ہے۔تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے جو میرے ساتھ تندی سے پیش آئے؟ یا کسی دشمن کے جسے تو نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں۔لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسیع ہے۔میں تیرے چہرے کے نور سے جس

سے تاریکیاں روشن ہوگئیں اور جس پر دنیا و آخرت کے تمام معاملات درست ہوئے -- پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے یا تیرا عتاب مجھ پر وارد ہو۔ تیری ہی رضا مطلوب ہے یہاں تک کہ تو خوش ہو جائے اور تیرے سوا کوئی زور آور طاقت نہیں''۔

اس حالت زار کو ربیعہ کے بیٹوں نے دیکھا تو ان سنگ دلوں کے اندر بھی جذبہ قرابت داری پیدا ہوا۔ انہوں نے عداس نامی عیسائی غلام کو انگور کا ایک گچھا دے کر بھیجا کہ جاؤ اس شخص کو دے آؤ۔ جب غلام نے آپ ﷺ کی خدمت میں انگور پیش کیے تو آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر ہاتھ میں لیے اور کھانا شروع کر دیا۔

عیسائی غلام نے کہا کہ یہ کلام تو اس علاقے کا نہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے پوچھا، تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟ اس نے کہا میں عیسائی ہوں اور نینویٰ کا باشندہ ہوں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا، اچھا! تو تم مرد صالح یونس بن متّٰی کی بستی کے رہنے والے ہو۔ اس نے کہا، آپ ﷺ یونس بن متّٰی کو جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، وہ میرے بھائی تھے، وہ نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔ یہ سن کر عداس رسول کریم ﷺ پر جھک پڑا اور آپ ﷺ کے ہاتھ پاؤں اور سر مبارک کو بوسہ دینے لگا۔

یہ منظر دیکھ کر ربیعہ کے دونوں بیٹوں نے آپس میں کہا: لو اس شخص نے اب ہمارے غلام کو بھی بگاڑ دیا۔ اس کے بعد عداس واپس گیا تو دونوں نے کہا کہ یہ کیا معاملہ تھا؟ اس نے کہا، میرے آقا! روئے زمین پر اس شخص سے بہتر کوئی اور نہیں ہے۔ اس نے مجھے ایک ایسی بات بتائی ہے جسے نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ انہوں نے کہا، دیکھو عداس! کہیں یہ شخص تمہیں تمہارے دین سے نہ پھیر دے کیونکہ تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔

(الرحیق المختوم: ص۲۱۹)

طائف کے سفر میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دکھ اٹھائے اور جس قدر رنج والم سے دوچار ہوئے اُس کی سنگینی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کے دن سے زیادہ محسوس کی لیکن حالات کی تمام تر سنگینیوں اور مشکلات کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو دین کی دعوت دیتے رہے اور قرآن پاک کی آیات سناتے رہے۔

تیسری منزل۔ دعوتِ عام

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قرابت داروں، سردارانِ مکہ اور مکہ کے گردونواح بستیوں میں بسنے والے قبائل کو دعوت حق دے چکے تو اللہ تعالیٰ نے دعوت کا دائرہ کار اور وسیع کردیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت صرف اعزہ واقارب اور اہل مکہ وگردونواح میں بسنے والوں کے لیے ہی نہیں بلکہ یہ پیغام حق دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچانا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کے لیے پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (سبا ۳۴ : ۲۸)	ہم نے آپ کو تمام لوگوں کیلئے خوشخبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے مگر (یہ صحیح ہے کہ) لوگوں کی اکثریت بے علم ہے۔

اِس آیت کریمہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کا دائرہ کار وسیع تر کر دیا۔ اب ایمان وایقان کی شعاعیں مکے سے باہر نکلنے لگیں۔ دور دراز سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے۔ جس شخص نے پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ حق گو سے قرآن سنا وہ زندگی بھر کے لیے اسیر وفا بن گیا۔

سوید بن صامت رضی اللہ عنہ یثرب کے رہنے والے تھے اور سمجھ بوجھ کے حامل پختہ شاعر

تھے۔ اپنی قوم میں ان کا احترام پایا جاتا تھا۔ حج کی غرض سے مکہ آئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو کہنے لگے جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہے وہ میرے پاس بھی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا ہے؟ اُس نے کہا میرے پاس حکمتِ لقمان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پیش کرو۔ انہوں نے پیش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یقیناً یہ اچھا کلام ہے لیکن میرے پاس جو کچھ ہے وہ اس سے بھی اچھا ہے اور وہ قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل کیا ہے۔ وہ ہدایت اور نور ہے۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تلاوت فرمائی اور اسلام کی دعوت دی جس کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے دعوت قبول کر لی اور کہا کہ یہ تو بہت ہی اچھا کلام ہے۔ اس کے بعد وہ مدینہ پلٹ کر گئے ہی تھے کہ جنگ بعاث چھڑ گئی اور اس میں قتل کر دیے گئے۔

(ابن ھشام: ۱/۴۲۵)

یمن کے باشندے اور قبیلہ ازدشنوءۃ کے ایک فرد ضماد ازدی جو جھاڑ پھونک کرنے اور آسیب اتارنے کے ماہر تھے مکہ آئے تو وہاں مشرکین مکہ سے سنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پاگل ہیں۔ سوچا کہ کیوں نہ میں اس شخص کا علاج کروں۔ چنانچہ اُس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو کہا کہ میں آسیب اتارنے کے لیے جھاڑ پھونک کرتا ہوں، کیا آپ کو ضرورت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ	بے شک تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔
نَحْمَدُہٗ	ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں اور اس سے مدد
وَنَسْتَعِیْنُہٗ	کے طلب گار ہیں جس شخص کو اللہ ہدایت عطا
مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ	کر دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں

وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَمَّا بَعْدُ"

اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

ضماد ازدی نے کہا، ذرا پھر سے سنائیں۔ آپ ﷺ نے یہ کلام تین بار سنایا تو سن کر ضماد نے کہا کہ میں کاہنوں، جادوگروں اور شاعروں کے کلام سن چکا ہوں لیکن میں نے ایسا کلام کہیں سے نہیں سنا۔ اس کلام میں تو سمندر کی سی گہرائی ہے۔ لائیں اپنا دستِ مبارک آگے بڑھائیں تاکہ میں بیعت کر لوں۔ اس کے بعد ضماد ازدی نے بیعت کر لی اور مسلمان ہو گئے۔ (مشکوٰۃ المصابیح: باب علامات النبوۃ ۲/۵۲۵)

جس فرد جس قبیلہ اور جس قوم نے آپ ﷺ سے قرآن کی آیات سنیں وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا اور دنیا و آخرت دونوں جہاں کی مراد پا گیا اور جس شخص کو حلاوتِ ایمان نصیب نہ ہوئی وہ دنیا میں بھی ناکام اور آخرت میں بھی نامراد ٹھہرا۔

ہدف میں کامیابی

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ صادق ﷺ کو جو منصب عطا کیا اور دعوت وارشاد اور "یَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا" کا فریضہ سونپا وہ آپ ﷺ نے مِن وَعَن اور حرف بہ حرف پورا کیا اور اس ہدف میں ہر لحاظ سے کامیاب ہوئے۔

رسول کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

لوگو! میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور وہ کھلی ہوئی چیز ہے، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔

لوگو! میری بات سن کر غور کرو، خوب سمجھ لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، لہٰذا کسی بھی آدمی کے لیے اپنے بھائی کی کوئی چیز حلال نہیں بجز اس کے کہ وہ بطیبِ خاطر کوئی چیز خود دے دے۔ پس تم لوگ اپنے آپ پر کسی بھی حالت میں ظلم نہ کرنا۔

لوگو! بتاؤ کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا؟

لوگوں نے کہا، اَللّٰھُمَّ نَعَمْ. یقیناً یقیناً

اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ ۔ اے اللہ! گواہ رہنا۔ (ابن ہشام: ۲/۲۴۴)

تزکیہ نفس (وَیُزَکِّیْکُمْ)

اہداف رسالت میں تزکیہ نفس ایک بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ تمام انبیاء ورسل نے اپنی امتوں کے افراد کے دلوں کا تزکیہ کیا۔ آخری پیغمبر جناب محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے اصحاب کے نفوس کا تزکیہ کیا کیونکہ اس کے بغیر نصب العین میں کامیابی کا حصول ممکن نہیں تھا۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق وہی شخص کامیاب ہوتا ہے جو اپنے دل کا تزکیہ کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰیo (الاعلیٰ ۸۷ : ۱۴) وہ شخص کامیاب ہوا جس نے تزکیہ حاصل کیا

اپنے دل کی صفائی کرنے والا کامیاب ہوتا ہے جبکہ نہ کرنے والا اور آلودگیوں سے کنارہ کشی اختیار نہ کرنے والا نامراد ہوتا ہے، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَاo اُس نے فلاح پائی جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور وہ نامراد ہوا جس نے اس کی

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَاo گندگیوں پر پردہ ڈالا۔ (الشمس ۹۱ :۹،۱۰)

کامیابی وکامرانی کے لئے نفوس کی تطہیر از حد ضروری ہے۔ رسول کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ کے نفوس کی تطہیر اور ان کا تزکیہ اپنے منصب کے مطابق کیا بلکہ اصحابِ رسول کے نفوس کے تزکیہ میں رسول کریم ﷺ کی اللہ تعالیٰ نے برابر راہنمائی کی۔ ارشاد ہوتا ہے:

عَبَسَ وَتَوَلّٰى ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى ۝ (عبس ۸۰: ۱، ۲، ۳)	وہ ترش رُو ہوا اور منہ موڑ لیا صرف اس لیے کہ اُس کے پاس ایک نابینا آ گیا۔ آپؐ کو کیا خبر، شاید کہ وہ تزکیہ حاصل کرنے آیا ہو۔

ان آیاتِ کریمہ میں ایک خاص واقعہ کی طرف بلیغ اشارہ ہے۔ سورہ عبس کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ کی مجلس میں مکہ معظمہ کے چند رؤسا بیٹھے ہوئے تھے اور حضور ﷺ ان کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش فرما رہے تھے کہ اسی اثناء میں آپ کے پاس ایک نابینا صحابی عبداللہؓ بن ام مکتوم آ گئے اور انہوں نے اسلام سے متعلق کچھ پوچھنا چاہا جو آپ ﷺ کو ناگوار گزرا اور آپ ﷺ نے اُن سے منہ پھیر لیا۔ لیکن رب تعالیٰ کو اپنے رسول پاک ﷺ کا یہ انداز پسند نہ آیا تو فی الفور روح الامین کے ذریعے مطلع کیا کہ جو ساتھی تزکیہ کی غرض سے آیا ہے وہ غریب و مفلس، بے کس و بے نوا اور نابینا و معذور ہی کیوں نہ ہو، اس کا تزکیہ کیا جائے۔

قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وعزّ وجلّ نے یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ تزکیہ کا سرچشمہ و مصدر اس کی کتاب قرآن مجید ہے کہ اس کی تلاوت سے تزکیہ نصیب ہوتا ہے۔ سورۃ بقرہ کی دو آیات اس کی ترتیب کی نشاندہی کرتی ہیں جن میں پہلے تلاوتِ قرآن اور پھر تزکیہ کا ذکر ہے، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ . (البقرۃ ۲: ۱۵۱)	وہ تمہیں ہماری آیات سناتے ہیں اور تمہارا تزکیہ کرتے ہیں۔

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ.   وہ اُن کے سامنے اُس کی آیات تلاوت کرتا

(الجمعة ۶۲ : ۲)   ہے اور اُن کا تزکیہ کرتا ہے۔

رسول کریم ﷺ قرآن پاک کی آیات کی تلاوت کر کے تزکیہ نفوس اور تطہیر قلوب کرتے ہیں۔قرآن ذکر بھی ہے،اسے رب کائنات نے عالمین کا ذکر بنا کر بھیجا ہے۔فرمایا:

وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ٥   درحقیقت یہ (قرآن) تو تمام جہان والوں

(القلم ۶۸ : ۵۲)   کے لیے سراسر ذکر (نصیحت) ہی ہے۔

ذکرالٰہی سے قلب و جان کو سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے۔قرآن میں فرمایا:۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ٥   خبردار رہو! اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون

(الرعد ۱۳ : ۲۸)   نصیب ہوتا ہے۔

اخلاص نیت کی بنا پر ہر مسلمان کے دل کو ذکرالٰہی سے راحت و تسکین ملتی ہے۔

اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حلقہ بگوش اسلام ہونے سے پہلے کس قدر اپنے رب سے بیگانہ اور اخلاقی گراوٹ کا شکار تھے لیکن جب دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت واتباع اختیار کی اور اپنی جبین نیاز صرف پروردگارِ عالم کے سامنے جھکائی تو نہ صرف یہ کہ اُن کے دلوں سے سیم وزر کی محبت جاتی رہی بلکہ اپنا مال، اپنی جان اور اولاد سرورِ دوعالم کے اشارۂ ابرو پہ قربان کرنے والے بن گئے۔

نسخۂ کیمیا

ہم یہ جان چکے ہیں کہ تلاوت قرآن سے دلوں کا زنگ اترتا ہے۔ذکرالٰہی دلوں کو سکون بخشتا ہے۔محبت رسول ﷺ سے قلبی اطمینان نصیب ہوتا ہے۔پھر بھی ذہنوں میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ سرورِ دوعالم ﷺ نے اپنے اصحاب واحباب کے نفوس کا تزکیہ اور ان کے دلوں کی صفائی کی تو اس کے لیے کون سا نصاب مقرر کیا؟ یا کتنی مقدار تھی کہ اتنے دن یا ہفتے

قرآن پڑھنے سے یا ذکر الٰہی کرنے سے مطلوبہ ہدف میں کامیابی ہوسکتی ہے یا کوئی خاص طریقہ بتایا ہو جسے اختیار کرنے سے کامیاب ہوا جاسکتا ہے، جس طرح ہندومت، بدھ مت اور عیسائیت سمیت دوسرے مذاہب نے اپنے اپنے طریقے وضع کیے ہیں، جنہیں اپنانے سے ان کا خیال ہے کہ انسان دنیا کے غموں سے نجات پاسکتا ہے، نفسانی خواہشات پر کنٹرول کرسکتا ہے، ساجد و مسجود اور عابد و معبود کے درمیان حائل تمام پردے اٹھ جاتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے کسی نے جنگل کا رخ اختیار کیا ہے، کسی نے صحرا نوردی کی ہے، کسی نے گوشہ نشینی میں عافیت سمجھی ہے، کسی نے مراقباتی تصور کو ترجیح دی ہے، کسی نے قبروں میں چلہ کاٹنے میں کامیابی جانی ہے۔ اس سلسلہ میں پیغمبر اسلام ﷺ نے کون سا طریقہ اور نصاب بتایا جس سے مذکورہ ہدف میں کامیابی ممکن ہوسکتی ہے؟

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ رسول امین ﷺ نے اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دی کہ کوئی شخص دنیا کو یکسر نظر انداز کر کے گوشہ نشین ہوجائے اور اسے دین سمجھ بیٹھے یا شریعت مطہرہ کو ظاہری علم قرار دے کر کسی پراسرار باطنی علم کی تلاش میں کمربستہ ہوجائے۔ اور آپ ﷺ نے اس بات کو بھی پسند نہیں فرمایا کہ کوئی شخص دین کی محبت میں اتنا غلو کرے کہ تمام عمر مسلسل روزے ہی رکھتا چلا جائے یا تمام عمر کے لیے جہاد کا قصد کر کے گھر سے نکل جائے یا اپنے نفس پر قابو پانے کے لیے شادی نہ کرنے کا عزم کرلے بلکہ حضور ﷺ نے روزہ رکھا بھی افطار بھی کیا۔ جہاد بھی کیا اور گھر میں امن کے دن بھی گزارے۔ آپ ﷺ نے شادیاں بھی کیں اولاد بھی ہوئی، معاشرہ میں رہ کر حدود اللہ کی پابندی کی اور اس کا حکم دیا لیکن جہاں تک قلبی سکون کا تعلق ہے اور ساجد و مسجود کے درمیان پردے اٹھ جانے کا تعلق ہے اس کے متعلق آپؐ نے فرمایا:

قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ. میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

لوگو! میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور نماز میں ہے۔تم بھی اگر آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا قرار چاہتے ہو تو نماز پڑھو۔اور نماز اس طرح پڑھنا جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔فرمایا:

صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ.	نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتا دیکھتے ہو۔

(مشكوٰة المصابيح : كتاب الصلوٰة)

پہلی بات تو یہ ہے کہ سکون وقرار نماز میں ہے لیکن پڑھنی اس طرح چاہیے جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ نماز اس تصور سے پڑھنی ہے کہ نماز میں اپنے پروردگار سے ہم کلام ہو رہا ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز مناجات ہے۔نماز ادا کرنے والا شخص اپنے معبود سے گفتگو کرتا ہے۔

جب نمازی کہتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ٥	سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ.	میرے بندے نے میری تعریف کی۔

پھر بندہ کہتا ہے:

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ٥ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ٥	جو نہایت رحم کرنے والا بڑا مہربان ہے۔ مالک ہے جزا کے دن کا۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ.	میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔

پھر بندہ کہتا ہے:

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ○ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

اس پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

هٰذَا قَسَمٌ بَيْنِىْ وَبَيْنَ عَبْدِىْ. یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان تقسیم ہے۔

یعنی اس نے مانگا بھی اور عبادت کا اقرار بھی کیا۔ گویا کہ نماز میں بندہ اپنے مالک احکم الحاکمین سے گفتگو کرتا ہے۔ تو جتنی بڑی ذات سے گفتگو کرتا ہے، تصور بھی اتنا ہی بلند ہونا چاہیے۔

تیسری بات یہ کہ بندے کو چاہیے کہ جب وہ نماز ادا کرے تو اس تصور سے کرے کہ یہ اس کی زندگی کی آخری نماز ہے۔ جب کوئی بندہ نماز کو زندگی کی آخری نماز سمجھ کر ادا کرے گا تو یقینی بات ہے کہ اس میں خشوع وخضوع بھی مثالی ہوگا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ فرمانِ نبوی ﷺ کے مطابق نماز میں یہ تصور ہونا چاہے کہ:

كَاَنَّكَ تَرَاهُ. گویا کہ تو اس (اللہ) کو دیکھ رہا ہے۔

اگر نماز میں یہ تصور پیدا نہیں ہوسکا تو پھر اتنا تو ضرور ہونا چاہیے کہ:

فَاِنَّهُ يَرَاكَ . پس وہ (اللہ) تجھے دیکھتا ہے۔

جب یہ تصور نماز میں پیدا ہوگا تو یقینی بات ہے کہ وہ نماز ادا ہوگی جس کا تقاضا احادیثِ نبویؐ میں کیا گیا ہے۔

جب کوئی شخص نفس کے تزکیہ، قلب کی صفائی، دل کے سکون اور آنکھوں کی ٹھنڈک کے حصول کے لیے نماز ادا کرے اور پھر طریقہ رسول اکرم ﷺ کا اور نماز میں یہ تصور کہ بندہ اپنے مالک سے ہم کلام ہے، یہ نماز بھی زندگی کی آخری نماز ہے، اس نماز میں وہ اپنے

پروردگار کو دیکھ رہا ہے تو پھر یقیناً نماز میں قرار ہوگا، سکون ہوگا، قلب وجگر، نظر وفکر کا تزکیہ ہوگا، ساجد ومسجود اور عابد ومعبود کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوگا اور یہ نماز وہ نماز ہوگی جس کے بارے میں قرآن مجید میں بیان ہوا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ط (العنکبوت ۲۹: ۴۵) بے شک نماز برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے۔

ایسی نماز ادا کرنے والا مسلمان انسانی معاشرہ میں رہ کر بھی منکرات وسیأت کے قریب نہیں جائے گا، آنکھوں میں ٹھنڈک ہوگی، دل میں قرار ہوگا، قلب کی صفائی ہوگی، نفس پر کنٹرول ہوگا، خواہشات پر بھی قابو پایا جاسکے گا۔ صحیح معنوں میں وہ انسان بن جائے گا جس کا تصور دے کر انسان کو اللہ نے پیدا کیا ہے، جسے دیکھ کر آسمانی ملائکہ بھی رشک کرتے ہیں، جس کے بارے میں اللہ اپنے فرشتوں سے کہتا ہے کہ یہ وہ انسان ہے جس کے بارے میں، میں نے کہا تھا:

اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَo (البقرة ۲: ۳۰) میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

جس کو مخاطب کر کے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ o ارْجِعِیْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً o فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ o وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ o (الفجر ۸۹: ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰)

اے اطمینان والی روح! تو اپنے رب کی طرف لوٹ چل اس طرح کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے خوش پس میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں چلی جا۔

مذکورہ بالا نماز جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے پڑھی، ایسی ہی نماز قلب وذہن، فکر ونظر اور دل ودماغ کو تزکیہ اور تطہیر عطا کرتی ہے اور اسی

سے ہی مومن کو معراج نصیب ہوتی ہے اور وہ دنیا و آخرت میں کامیاب ہوتا ہے۔

تعلیم کتاب وحکمت (ویعلمکم الکتاب والحکمۃ)

الکتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ گزشتہ صفحات میں یہ بات گزر چکی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے کس طرح تعلیم الکتاب اور تلاوتِ آیات کے ہدف کو کامیابی سے ہم کنار کیا۔ یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ رسول کریم ﷺ کا منصب ہے کہ اپنی امت کو حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہے کہ حکیم اس کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ اس کی نازل کردہ کتاب بھی حکیم ہے۔ جیسا کہ قرآن کے الفاظ ہیں:

يٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ یٰسین۔ قرآن حکیم کی قسم ہے۔

(یٰسین ۳۶ : ۱، ۲)

مذکورہ آیت کریمہ کی روشنی میں قرآن بھی حکیم ہے۔ اللہ حکیم ہے اس کی کتاب بھی حکیم ہے اور جس ذات گرامی پہ کتاب نازل ہوئی وہ بھی حکیم ہے جس نے اپنی امت کو حکمت کی تعلیم دی ہے۔ قرآن حکیم کے الفاظ ہیں:

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ. اور وہ تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

(البقرۃ ۲ : ۱۵۱)

اللہ حکیم کے حکیم پیغمبرؐ نے گھریلو زندگی سے لے کر جہاں بانی تک کی حکمتیں سکھائی ہیں۔ امراض روحانی سے لے کر اعضائے انسانی کی اصلاح کی حکمتیں بتائی ہیں۔ آپ ﷺ ابھی کُلاہِ رسالت سے سرفراز نہیں ہوئے تھے تب بھی معاشرہ آپ کے حکیمانہ خصائل کا معترف تھا۔ آپ ﷺ اپنی عمر عزیز کے پینتیسویں (۳۵) سال میں تھے کہ خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کا مرحلہ آیا۔ فیصلہ کیا گیا کہ تعمیر کعبہ میں صرف حلال رقم استعمال ہوگی۔ سود کی رقم یا بدکردار عورت کی کمائی یا ناحق دبایا ہوا مال اس میں استعمال نہیں ہوگا۔

تعمیرِ کعبہ کے لیے ہر قبیلے نے الگ الگ پتھر جمع کیے۔ باقوم نامی رومی معمار کی نگرانی میں تعمیر کا کام شروع ہوا۔ جب عمارت حجر اسود کے نصب کرنے کے مقام تک پہنچی تو تمام قبائل میں جھگڑا پیدا ہو گیا کہ حجر اسود کو نصب کرنے کا شرف کون حاصل کرے گا۔ یہ جھگڑا پانچ روز تک جاری رہا اور اس میں اتنی شدت آ گئی کہ معلوم ہوتا تھا کہ سرزمین حرم انسانی خون سے رنگین ہو جائے گی۔ ایسے میں ابوامیہ مخزومی نے یہ رائے دے کر فیصلہ کی صورت پیدا کر دی کہ جو شخص مسجد حرام کے دروازے میں سب سے پہلے داخل ہو گا اسے اپنا حکم مان لیں گے۔ یہ تجویز منظور ہو گئی۔ قدرت الٰہی سے رسول حکیم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے صحن میں سب سے پہلے داخل ہوئے۔ لوگوں نے دیکھا تو پکار اٹھے:

هٰذَا الْاَمِيْنُ رَضِيْنَاهُ هٰذَا مُحَمَّدٌ. ہم اس امین پر راضی ہیں۔ یہ محمدؐ ہے۔

تمام قبائل نے بالاتفاق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تسلیم کر لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نازک موقع پر کمال حکمت کا مظاہرہ کیا کہ کشت و خون کے لیے نکلی ہوئی تلواریں میانوں میں واپس چلی گئیں۔ آپؐ نے ایک چادر منگوائی اور حجر اسود اٹھا کر اس کے درمیان رکھ دیا پھر تمام قبائل کے سرداروں سے فرمایا کہ اس چادر کے کناروں کو پکڑ کر اوپر اٹھا لو۔ جب چادر حجر اسود کے مقام تک پہنچ گئی تو اپنے دست مبارک سے اٹھا کر اس کی مقررہ جگہ پر رکھ دیا۔ آپ کا یہ فیصلہ اتنا پُرحکمت تھا کہ تمام قبائل اس پر متفق ہو گئے۔

میثاق مدینہ کی شرائط سے بھی پتہ چلتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس حکیمانہ انداز سے مسلمانوں کی سلطنت کی بنیاد رکھی اور مہاجرین و انصار مدینہ کے اندرونی خطرات سے محفوظ و مامون ہو گئے۔

معاہدہ کی اہم شرائط اس طرح ہیں:۔

۱۔ بنوعوف کے یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک ہی امت ہوں گے۔ یہود اپنے دین پر

عمل کریں گے اور مسلمان اپنے دین پر۔ خود ان کا بھی حق ہوگا اور ان کے غلاموں اور متعلقین کا بھی اور بنو عوف کے علاوہ دوسرے یہود کے بھی یہی حقوق ہوں گے۔

۲۔ یہود اپنے اخراجات کے ذمہ دار ہوں گے اور مسلمان اپنے اخراجات کے۔

۳۔ جو طاقت اس معاہدے کے کسی فریق سے جنگ کرے گی سب اس کے خلاف آپس میں تعاون کریں گے۔

۴۔ اس معاہدے کے شرکاء کے باہمی تعلقات خیر خواہی، خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کی بنیاد پر ہوں گے، گناہ پر نہیں۔

۵۔ کوئی آدمی اپنے حلیف کی وجہ سے مجرم نہ ٹھہرے گا۔

۶۔ مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

۷۔ جب تک جنگ برپا رہے گی یہود بھی مسلمانوں کے ساتھ خرچ برداشت کریں گے۔

۸۔ اس معاہدے کے سارے شرکاء پر مدینہ میں ہنگامہ آرائی اور کشت وخون حرام ہوگا۔

۹۔ اس معاہدے کے طریقوں میں کوئی نئی بات یا جھگڑا پیدا ہو جائے جس میں فساد کا اندیشہ ہو تو اس کا فیصلہ اللہ عزوجل اور محمد رسول اللہ فرمائیں گے۔

۱۰۔ قریش اور اس کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

۱۱۔ جو کوئی یثرب پر دھاوا بول دے اس سے لڑنے کے لیے سب باہم تعاون کریں گے اور ہر فریق اپنے اپنے اطراف کا دفاع کرے گا۔

۱۲۔ یہ معاہدہ کسی ظالم یا مجرم کے لیے آڑ نہ بنے گا۔ (ابن ھشام: ۵۰۳/۱)

مذکورہ دو اہم واقعات کے علاوہ علم وحکمت سے لبریز ڈھیروں واقعات بالخصوص بیعت رضوان کی دفعات اور فتح مکہ کے بعد رسول کریم ﷺ کا اعلان: ''لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ'' (آج تم پر کوئی مؤاخذہ نہیں) کس قدر اعلیٰ حکمت کی دلیل ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکیمانہ زندگی کس قدر آئیڈیل اور مثالی ہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم پانے والے اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کی زندگیاں اقوام عالم کے لیے مشعل راہ اور جادۂ منزل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق حکمت مومن کا اثاثہ اور میراث ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ۔ حکمت مومن کی گم شدہ میراث ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امراض روحانی اور اعضائے انسانی کی اصلاح کے لیے حکمت سکھائی جو کتب احادیث میں محفوظ ہے اور طبِ نبویؐ کے نام سے موسوم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ حکیمانہ نسخہ جات آج بھی افادیت میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ الغرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کتاب وحکمت کی تعلیم دی ہے وہ آج بھی اقوام عالم کے لیے محور ومرکز ہے۔

جدید وقدیم علوم (وَيُعَلِّمُكُمْ مَّالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ)

دین اسلام کا خاصہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو وہ تمام جدید وقدیم علوم سکھا دیے جن کی انہیں ضرورت پیش آسکتی تھی اور ان علوم کی بھی تعلیم دے دی جو پہلی امتوں میں تشنہ بیان رہ گئے تھے اور ان کی تکمیل ہونا باقی تھی۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کے اشراف سے کہا:

> ''میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں پر اب تم
> ان کو برداشت نہیں کر سکتے۔ جب وہ یعنی روح حق آئے تو وہ تمہیں
> ساری سچائی کی راہ بتا دے گی''۔

(بائبل بحوالہ رحمۃ للعلمین: ص ۵۲)

بائبل کے الفاظ بتاتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو تمام علوم کی تعلیم نہ دے سکے۔ یہودیت کے بارے میں بھی شہادت قرآن میں موجود ہے:

وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًاo   تمہیں علم کا بہت کم حصہ ملا ہے۔

(اسرآء ۱۷:۸۵)

قرآن کے الفاظ کے مطابق یہودیوں کو تمام علوم کی تعلیم حاصل نہ ہو سکی گویا کہ اہل کتاب کے دونوں گروہ عیسائی اور یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اعلان اور قرآن کی شہادت کے مطابق مکمل تعلیم نہ پا سکے۔

خاتم الرسل ﷺ کی بعثت کے بعد ضروری تھا کہ جدید و قدیم تمام علوم اور ظاہری و باطنی تمام علمی خزانے بنی نوع انسان پر آشکارا کر دیے جاتے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اقوام عالم کو ان تمام علوم کی تعلیم دی جن کی تشنگی باقی تھی کیونکہ آپ ﷺ کو دین کامل ملا۔ ربّ تعالیٰ کی نعمت تمام ہوئی اور اسلام کو مکمل ضابطہ حیات بنا دیا گیا۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًاط (المائدۃ ۵ : ۳)   آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام پسند کر لیا۔

اللہ تعالیٰ نے اقوام عالم کی راہ نمائی سے پہلے اپنے رسول خاتم ﷺ کو وہ تمام علوم سکھا دیے جن کی تعلیم پہلے انبیاء اور اقوام و ملل کے راہ نماؤں کے حصہ میں نہ آئی۔

قرآن کے الفاظ ہیں:

عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمْ. (النساء ۴:۱۱۳)   آپ کو وہ علم سکھایا جس کا علم پہلے نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے تمام انتظامات خود کیے اور اس انداز سے تعلیم دی کہ رسول پاک ﷺ کو بھول یا نسیان لاحق نہ ہو۔ قرآن کے الفاظ ہیں:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰیٓ o (الاعلیٰ ۸۷ : ۶)   ہم آپؐ کو سکھائیں گے پھر آپؐ بھلا نہ پائیں گے۔

ربّ کریم نے اپنے رسول کریم ﷺ کو تمام علوم سے مزین کر دیا اور رسول کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان علوم سے بہرہ ور کر دیا جس کے نتیجہ میں اصحابِ رسول ؐ کی راہ نمائی میں سپین و غرناطہ، بغداد و سسلی، الجزائر و تیونس، چین و ترکستان اور تاتار میں درسگاہیں قائم ہوئیں جن سے ہر خاص و عام نے جدید و قدیم علوم سے آگاہی حاصل کی اور پھر چراغ سے چراغ جلتے چلے گئے۔ آج عالم کائنات علم کی روشنی سے بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔ یہ تمام روشنی اس منبعِ نور سے پھیلی جس کو آندھیوں اور تیز ہواؤں سے اللہ تعالیٰ نے خود محفوظ کیا ہے اور قیامت تک محفوظ رکھے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

لوگوں کے بوجھ اور طوق اتارنا

رسول اکرم ﷺ مصلح، منذر اور مبشر ہی نہیں بلکہ لوگوں کے بوجھ اٹھانے والے، اپنے اور پرائے کا غم کھانے والے، مصیبت کے وقت مصیبت زدہ لوگوں کے کام آنے والے اور دُکھیوں کے دلوں کا مداوا کرنے والے تھے۔ بعثت سے قبل بھی آپ ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ کسی کو مشکل میں گھرا ہوا دیکھتے تو اس کے حل کی کوشش فرماتے۔ بیواؤں، یتیموں، اور مسکینوں سے تعاون کرتے۔ چنانچہ جب آپ ﷺ نبوت سے سرفراز ہوئے اور جبریل علیہ السلام پہلی وحی لے کر آئے تو آپ ﷺ سخت گھبراہٹ میں گھر چلے آئے اور تمام ماجرا اپنی رفیقۂ حیات سیدہ خدیجۃ الکبریٰ ؓ سے کہہ سنایا تو اس موقع پر سیدہ خدیجہ ؓ نے جو الفاظ کہے وہ آپ ﷺ کی عاداتِ حسنہ کی عکاسی کرتے ہیں۔ سیدہ ؓ فرماتی ہیں:

''آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ ﷺ صلۂ رحمی کرتے ہیں، درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں، مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کے مصائب پر اعانت کرتے ہیں''۔ (الرحیق المختوم: ص ۹۹)

چنانچہ آپ ﷺ نے منصب رسالت پر فائز ہو کر اپنے صحابہ کرام کو جہاں کتاب و سنت کی تعلیم دی، ان کے نفوس کا تزکیہ کیا، انہیں کائنات کے تمام علوم سکھائے، امراض

روحانی اور اعضائے انسانی کی اصلاح کی حکمتیں سکھائیں وہاں انہیں ساتھیوں کے بوجھ ہلکے کرنے اور دکھ بانٹنے کی تعلیم بھی دی۔ اسی خصوصیت کا قرآن نے یوں ذکر فرمایا:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ — اور وہ لوگوں کے بوجھ اتارتے ہیں اور انہیں طوقوں سے آزاد کراتے ہیں۔ (الاعراف ۷ : ۱۵۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی مومن کی دنیوی مشکلات میں سے کوئی مشکل حل کی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مشکلات میں سے مشکل کم کرے گا اور جس شخص نے کسی تنگدست کے لیے کوئی آسانی پیدا کی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا و آخرت کی آسانی پیدا کرے گا اور جس شخص نے کسی مسلمان بھائی کی ستر پوشی کی، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی ستر پوشی کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس بندے کی مدد کرے گا جو اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔ (صحیح مسلم بحوالہ ریاض الصالحین : ص ۱۱۲)

ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا: ''میں آسان دین حنفی کے ساتھ بھیجا گیا ہوں''۔

(مسند احمد ۵/۲۶۶)

یعنی پہلی امتوں میں وہ آسانیاں نہیں تھیں جو آخری امت کو نصیب ہوئیں۔ مثلاً پہلی امتوں میں قتل کے بدلے قتل کرنا ضروری تھا معافی یا دیت نہیں تھی۔ جس کپڑے کو نجاست لگ جاتی اس کا کاٹنا ضروری تھا وغیرہ۔ لیکن اس امت کے لیے اللہ نے آسانی پیدا کر دی کہ قتل کے بدلے قتل کی بجائے معافی یا دیت بھی ہو سکتی ہے اور اگر کپڑے کو کہیں نجاست لگ جائے تو اسے کاٹنے کی بجائے دھو کر صاف کیا جا سکتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے بوجھ ہر ممکن طریق سے کم کیے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وزر و اصر کی شدت کو جانتے تھے اور محسوس کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بوجھ جو آپ پر گراں تھا وہ اللہ تعالیٰ نے اتارا۔ قرآن کے الفاظ ہیں:

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ○ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ○ (الم نشرح ۹۴ : ۲،۳)
اور آپؐ پر سے آپؐ کا بوجھ ہم نے اتار دیا جس نے آپؐ کی کمر توڑ دی تھی۔

وزر یا بوجھ کی تفسیر میں امام رازیؒ نے جو اشارات کیے ہیں ان میں سے چند اس طرح ہیں:۔

اولاً یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کے گناہوں کا بوجھ محسوس کیا حتیٰ کہ اللہ نے فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (الانفال ۸ : ۳۳)
اور اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہیں دے گا جن میں آپؐ موجود ہوں۔

ثانیاً یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پہلی ملاقات کے وقت جو بوجھ محسوس کیا تھا وہ بوجھ اللہ نے اتار دیا۔

ثالثاً یہ کہ ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ اور ابو طالب کی موت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شدت سے محسوس کیا وہ بوجھ اللہ نے اتار دیا۔

رابعاً یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کو دعوتِ حق دی تو جواب میں قوم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذائیں دیں، یہ بوجھ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا جس کو باری تعالیٰ نے اتار دیا اور فرمایا:

''وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ○ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ○'' (الشرح ۹۴: ۲،۳)

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب وذہن کا بوجھ اللہ تعالیٰ نے اتارا اور پھر آپ کو ہدف عطا کیا گیا کہ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ (الاعراف ۷: ۱۵۷) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے بوجھ اتاریں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ان بھاری بوجھوں سے آزاد کیا جنہوں نے انہیں زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا اور انہیں ہر قسم کی غلط کاریوں اور بے راہ رویوں کے طوق سے آزاد کرایا۔

- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بدکاری اور زنا کاری سے منع کیا۔
- شراب نوشی اور قمار بازی کے نقصانات سے آگاہ فرمایا۔

- آلاتِ موسیقی کو توڑنے کا حکم دیا۔
- عورتوں کو بے حجاب باہر نکلنے سے منع کیا۔
- سوتیلی ماؤں اور بیوہ عورتوں کے حقوق متعین کیے۔
- اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر کے فخر کرنے والوں کو سخت عذاب کی وعید سنائی۔
- محرم اور غیر محرم عورتوں کا فرق بتایا۔
- انسانوں کو غلام بنانے کی قبیح رسم ختم کی۔
- احترامِ آدمیت کا درس دیا اور قتلِ انسان کو قتل انسانیت قرار دیا۔
- سود خوروں کو فرمایا کہ وہ اپنے پیٹوں کو جہنم کی آگ سے نہ بھریں۔
- منافع خوروں کی حوصلہ شکنی فرمائی۔
- ملاوٹ کرنے والوں سے عدم تعلق کا اعلان کیا۔
- رشوت خوروں کو دوزخ کا ایندھن قرار دیا۔
- غاصبوں کو انجام بد سے ڈرایا۔
- معاشرہ میں بیواؤں، یتیموں، مسکینوں اور معذوروں کی دادرسی کو مستحسن فعل قرار دیا۔

آپ ﷺ نے اقوام عالم کو افعالِ قبیحہ کی زنجیروں سے آزاد کرایا اور پستی و ذلت میں گری ہوئی قوموں کا سر بلند کیا اور خالق حقیقی سے بیگانے ہو کر سورج، چاند، ستاروں، سمندروں، شجر و حجر، قبروں اور بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہونے والوں کے دلوں میں عقیدہ توحید کی غیرت پیدا کی۔ آپ ﷺ نے لوگوں کے دلوں سے غیر اللہ کے خوف کا بوجھ بھی اتارا اور ان کی گردنوں سے رسومات شنیعہ کے طوق بھی اتار پھینکے کیونکہ یہ آپ ﷺ کا ہدف تھا۔

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ. وہ ان کے بوجھ اتارتے ہیں اور طوق بھی۔

(الاعراف ۷ : ۱۵۷)

امتیازاتِ رسولؐ

امتیازاتِ رسول ﷺ

امام الانبیاء سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات میں اعلیٰ وارفع انسانِ کامل بلکہ تمام نسل انسانی کے رہبر وراہ نما بن کر آئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو شرف وفضیلت آپ ﷺ کو ملی وہ کسی دوسرے انسان کو کیا کسی پیغمبرؑ کے حصہ میں بھی نہیں آئی۔ ذیل میں آپ ﷺ کے چند خصائل وفضائل قرآن کی زبان میں احاطۂ تحریر میں لائے جاتے ہیں۔

رحمت عالم ﷺ

حضور سرورِ کونین ﷺ کو کائنات بلکہ تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ جس طرح کہ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝ (الانبیاء ۲۱ : ۱۰۷)

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

آپ ﷺ کی رسالت تمام اہل جہان کے لیے رحمت بنادی گئی۔ جو شخص آپ ﷺ کا مطیع وتابع فرمان بن جاتا ہے وہ دنیا وآخرت کی تمام سعادتوں سے بہرہ ور ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ اپنوں کے لیے تو رحمت تھے ہی بیگانوں کے لیے بلکہ سبّ وشتم کرنے والوں کے لیے بھی رحمت تھے کیونکہ آپ ﷺ نے ان کے لیے بھی رحمت کی دعا فرمائی۔ حدیث میں آتا ہے:

اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا میں لعنت کرنے والا بن کر نہیں

وَاِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً. بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

(صحیح مسلم :۲۰۰۶)

ایک روایت میں اس طرح بھی آتا ہے کہ میں رحمت مجسم بن کر آیا ہوں جو اللہ کی طرف سے اہل جہان کے لیے ایک ہدیہ ہے۔ آپ ﷺ نے تو ایذا رسانی کرنے والوں کے لیے بھی رحمت وہدایت کی دعا کی۔ آپ تیرہ سال تک مکہ مکرمہ میں مسلسل دعوتِ حق دیتے رہے اور وہ متواتر ایذائیں دیتے رہے۔ تیرہ برس گزار کر آپ ﷺ مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے تو بھی مکہ والوں نے پیچھا نہ چھوڑا۔ آپ ﷺ کے ساتھ لڑائیاں کرتے رہے۔ جنگ میں آپ ﷺ کے دندان مبارک شہید کر دیے گئے۔ لیکن جب فتح مکہ کے موقع پر فاتح بن کر آئے تو آپ سب سے انتقام لینے پر قادر تھے مگر انتقام لینے کی بجائے اعلان کر دیا "اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمَرْحَمَةِ" آج انتقام لینے کا دن نہیں بلکہ آج رحمتیں تقسیم کرنے کا دن ہے۔

خلق عظیم

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ آپ ﷺ کا اخلاق کیسا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا:

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ یعنی تمام قرآن آپ کا اخلاق تھا۔

(صحیح مسلم: ج ا، حدیث عمرؓ)

رسول کریم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں ہر مقام پر خلق عظیم کا مظاہرہ فرمایا۔ مکی زندگی ہو یا مدنی زندگی، غار ثور میں ہوں یا شعب ابی طالب میں، دارِ ارقم میں ہوں یا طائف کے سفر پر، مقامِ بدر ہو یا غزوہٗ اُحد، آپ ﷺ نے کبھی بھی اخلاق حسنہ کا دامن نہ چھوڑا۔ یہ آپ ﷺ کے اخلاق کی عظمت تھی کہ مخالف بھی آپ کے دیوانے بنتے چلے گئے اور اگر خلقِ عظیم کی بجائے سختی اور درشتی کا مظاہرہ فرماتے تو یوں لوگ آپ کے قریب نہ آتے۔

جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران ۳: ۱۵۹)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپؐ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپؐ ترش زبان اور سخت دل ہوتے تو سب آپؐ کے پاس سے چھٹ جاتے۔ پس آپؐ ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے استغفار کریں اور ان سے کام کا مشورہ کیا کریں۔

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو شدید نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ اس میں چند اصحابؓ رسولؐ اپنی ذمہ داری نبھانے کی بجائے غنائم کے پیچھے چڑھ دوڑے۔ جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدل گئی۔ اس بات کا رسول کریم ﷺ کو بڑا ملال ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا کہ ان مؤمنین کو میں نے معاف کر دیا ہے، آپ ﷺ بھی درگزر کریں اور ان کے لیے بخشش طلب کریں اور آئندہ ان کے لیے سخت گیری اور تلخ روی اختیار کر کے انہیں اپنی مشاورت سے باہر نہیں کر دینا بلکہ اپنے ساتھ رکھنا ہے اور خلقِ عظیم کا مظاہرہ کرنا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اخلاقِ حسنہ کا مالک بنایا ہے۔ قرآن کے الفاظ ہیں:

وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (القلم ۶۸ : ۴) اے پیغمبر! آپؐ اخلاق کے عظیم پیمانہ پر ہیں۔

رسول پاک ﷺ کے اخلاق کی عظمت ہے کہ جن لوگوں نے آپ ﷺ کے دندان مبارک شہید کیے، آپ ﷺ ان کے لیے بھی ہدایت کی دعا کرتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (تفسیر کبیر: ۳۱/۳۱۶)

اے اللہ! میری قوم کو ہدایت عطا کر، پس یہ نہیں جانتے۔

عظمتِ اخلاق کا کمال یہ ہے کہ جن لوگوں نے آپ کو زخمی کیا آپ ﷺ نے ان کے لیے ہدایت کی دعا فرمائی۔

خیر کثیر

جب دشمنوں نے اللہ کے پاک پیغمبر کو بے حد ستایا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے بیٹے کی وفات پر بھی ان بدبختوں نے طعنے دیے اور بدزبانی کے ایسے نشتر چلائے کہ آپ ﷺ کا دل چھلنی کر دیا، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے سورہ کوثر نازل کی جس میں دشمن کے متعلق فرمایا کہ وہی نسل بریدہ ہے اور اس کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہے گا اور آپ ﷺ کے لیے کوثر یعنی خیر کثیر ہے ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ (الکوثر ۱۰۸: ۱،۲،۳)	یقیناً ہم نے آپؐ کو کوثر عطا کیا پس آپ اپنے رب کی نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔ بے شک آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان اور مقطوع النسل ہے۔

ان آیات کریمہ میں واضح کر دیا کہ آپ کو رنجیدہ کرنے والا اور طعنہ زنی کرنے والا دشمن ہی مقطوع النسل ہے۔ آپ کو تو ہم نے کوثر عطا کیا ہے۔ کوثر سے مراد حوض کوثر بھی ہے لیکن مفسرین نے اس کا معنیٰ خیر کثیر کیا ہے اور اس میں بہت سارے انعامات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول خاتم ﷺ کو بطور خاص نوازا ہے۔ مثلاً:

کوثر کی تفسیر میں امام رازی نے حضرت انسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جنت میں ایک نہر دیکھی کہ جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ اس کے کناروں پہ موتی ہیں اور اس کا پانی کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے اور اللہ نے اس نہر کا مجھ سے وعدہ کیا ہے اور یہ خیر کثیر ہے۔ (تفسیر کبیر: ج ۳۲، ص ۳۱۳)

احادیث اور مشہور روایات میں کوثر سے مراد حوضِ کوثر ہے جس سے کوئی شخص ایک مرتبہ پانی پی لے گا تو پھر کبھی اس کو پیاس نہیں لگے گی۔

خیر کثیر سے مراد آپ ﷺ کی نبوت ہے کہ ربوبیت کے بعد اس کا دوسرا مقام ہے کہ اطاعت رسول اطاعت الٰہی ہے:

مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ — جو شخص رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے اُسی نے اللہ کی اطاعت کی۔ (النساء ۴ : ۸۰)

کوثر سے مراد قرآن پاک ہے کہ زمین کے سارے درختوں کی قلمیں بنادی جائیں تو پھر بھی قرآن پاک کی تعریف اور فضائل کو لکھا نہیں جا سکتا۔ یہ بھی خیر کثیر ہے۔ کوثر سے مراد دین اسلام ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے، یہ بھی خیر کثیر ہے۔ کوثر سے مراد آپ ﷺ کے ذکر کا بلند ہونا ہے:

وَرَفَعْنَالَكَ ذِكْرَكَ ۝ — اور ہم نے آپؐ کے ذکر کو بلند کر دیا ہے۔

(الم نشرح : ۴)

یہ بھی خیر کثیر ہے۔

کوثر سے مراد خلق عظیم ہے کہ ایذا دینے والوں کے لیے بھی دعا فرمائی، یہ بھی خیر کثیر ہے۔

کوثر سے مراد مقام محمود ہے جو قیامت کے دن آپ ﷺ کو عطا کیا جائے گا، یہ بھی خیر کثیر ہے۔

کوثر سے مراد ختم نبوت ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا، یہ بھی خیر کثیر ہے۔

کوثر سے مراد علماء امت ہیں جو آپ ﷺ کی مسند علم کے وارث ہیں جو قیامت

تک لوگوں کو دعوتِ حق دیتے رہیں گے، یہ بھی خیر کثیر ہے۔

کوثر کے ضمن میں علماء نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اختصار کی خاطر چند اشارات کر دیے گئے ہیں۔

نطق رسول صلی اللہ علیہ وسلم (آپ کا کلام وحی الٰہی سے ہے)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعتِ مطہرہ کا جو بھی اصول پیش کیا ہے وہ اپنی خواہش یا مرضی سے نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی کلام کیا وحی الٰہی سے کیا ہے۔ قرآن کے الفاظ ہیں:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم ۵۳ : ۳،۴)

آپ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتے بلکہ (جو بات کرتے ہیں) وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا جو واقعہ بیان کیا اُس سارے واقعہ میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کی بلکہ جو کچھ دیکھا یا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر وحی نازل کی اسے بیان کر دیا۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۝ (النجم ۵۳ : ۱۰)

پس اللہ نے اپنے بندے کو وحی پہنچائی جو بھی پہنچائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں ایک ایسا موقع بھی آیا کہ کئی دن تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل نہیں ہوئی اور ان ایام میں لوگوں نے طرح طرح کی باتیں بنائیں۔ لیکن جب اللہ نے وحی نازل کی تو پھر کلام کیا اور لوگوں کے سوالوں کا جواب دیا۔ جس کی وضاحت قرآن میں موجود ہے:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ

اور ہرگز کسی کام پر یوں نہ کہنا

اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا o اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا o (الکھف ۱۸: ۲۳،۲۴)	کہ میں اسے کل کروں گا مگر ساتھ ہی ان شاءاللہ کہنا اور جب بھی بھول جائیں اپنے رب کو یاد کر لینا اور کہتے رہنا کہ مجھے پوری امید ہے کہ میرا رب مجھے اس سے زیادہ ہدایت کے قریب کی بات کی راہ نمائی کرے۔

یہودیوں نے آپ ﷺ سے تین سوال کیے۔ روح کی حقیقت، اصحاب کہف اور ذوالقرنین کون تھے؟ آپؐ نے فرمایا کہ میں کل بتاؤں گا لیکن پندرہ دن وحی نازل نہیں ہوئی۔ ان ایام میں یہودیوں نے بڑی باتیں کیں لیکن آپؐ نے اس وقت کلام کیا جب اللہ کی طرف سے وحی آ گئی اور ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ کوئی بھی ارشاد کرنے سے پہلے ان شاءاللہ کہہ لیا کریں۔

اُسوہ حسنہ

آپ ﷺ کی حیات طیبہ اقوام عالم کے لیے بہترین نمونہ بنا دی گئی۔ آپ ﷺ کی مبارک زندگی کائنات کے تمام لوگوں کے لیے اور دنیا کے ہر طائفہ کے لیے مثالی زندگی ہے جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (الاحزاب ۳۳: ۲۱)	یقیناً تمہارے لیے رسولؐ اللہ کی زندگی میں عمدہ نمونہ ہے۔

اس آیت کریمہ کی روشنی میں آپ ﷺ کی زندگی تمام شعبہ ہائے زندگی کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ اگر کوئی صاحب ثروت ہے تو مکہ کے تاجر اور مدینہ کے تاجدار کو دیکھے، اگر کوئی غریب ہے تو شعب ابی طالب کے محصور اور مدینہ میں ابوایوب انصاری کے مہمان کو دیکھے، اگر کوئی بادشاہ ہے تو یثرب کے سلطان کو دیکھے، اگر کوئی فاتح ہے تو فتح مکہ میں کامیابی

پانے والے سپہ سالار کو دیکھے، اگر کوئی شکست خوردہ ہے تو غزوۂ اُحد کا مطالعہ کرے، اگر کوئی استاد ہے تو صفہ کی درس گاہ میں درسِ حدیث دینے والے معلم مکرم کو دیکھے، اگر شاگرد ہے تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے کو دیکھے، اگر کوئی تنہا و بے کس ہے تو سفر طائف میں پتھر کھا کر بارگاہ الٰہی میں دامن پھیلانے والے کو دیکھے، اگر کوئی یتیم ہے تو آمنہ کے لعل کو دیکھے۔ اگر کوئی شیر خوار بچہ ہے تو حلیمہؓ سعدیہ کی گود کے سوار کو دیکھے، اگر کوئی نوجوان ہے تو عرب کے چرواہے کو دیکھے، اگر کوئی بیٹا ہے تو عبداللہ کے چاند کو دیکھے، اگر کوئی باپ ہے تو سیدہ رقیہ اور سیدہ فاطمہؓ کے والدِ گرامی کو دیکھے، اگر کوئی رشتہ دار ہے تو قبیلہ بنو ہاشم کا غم کھانے والے کو دیکھے، اگر کوئی شوہر ہے تو سیدہ عائشہؓ کے شوہر نامدار کو دیکھے، اگر کوئی ثالث ہے تو حجر اسود نصب کرنے والے کو دیکھے اور اگر کوئی جج اور منصف ہے تو مخزومیہ خاندان کی عورت کو سزا دیتے وقت یہ فرمانے والے (اگر میری بیٹی سیدہ فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ قطع کردیتا) کو دیکھے۔ الغرض آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ تمام ترشعبہ ہائے زندگی کے لیے بہترین نمونہ ہے۔

شرحِ صدر

رب تعالیٰ نے جب محمد ﷺ کو نبوت و رسالت سے سرفراز کیا تو سینہ منور اور فراخ کردیا جس طرح کہ ارشاد ہوتا ہے:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ (الم نشرح ۹۴ : ۱) کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا؟

شرح صدر میں وہ دو واقعات بھی آجاتے ہیں جن مواقع پر آپ ﷺ کا شق صدر ہوا۔ ایک دفعہ بچپن میں جب آپ ﷺ کی عمر عزیز ابھی صرف چار برس تھی اور دوسری مرتبہ معراج سے پہلے آپ ﷺ کا سینہ مبارک شق کیا گیا جس میں سے دل نکال کر اسے آب زمزم سے دھویا گیا اور اس میں معرفت و حکمت بھر دی گئی۔

ویسے یہ فطرت کا تقاضا بھی ہے کہ جب کسی شخص کو ہدایت دینا مقصود ہوتی ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا ہے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ج (الانعام ٦ : ١٢٥)	پس اللہ تعالیٰ جس شخص کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔

کمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولِ خاتم ﷺ کو خود شرح صدر عطا کیا جب کہ موسیٰ علیہ السلام نبوت سے سرفراز ہوئے تو انہیں بارگاہ الٰہی سے حکم ہوا کہ فرعون سرکش کے پاس جائیں اور اسے میرے احکام سنائیں تو حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ اس سے قبل کہ تیرا پیغام لے کر تیرے دشمنوں کے پاس جاؤں میرا سینہ کھول دے، جیسا کہ قرآن کے الفاظ ہیں:

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ○ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ○ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ○ (طٰہٰ ٢٠ : ٢٥،٢٦،٢٧)	(موسیٰؑ نے) کہا، اے میرے ربّ! میرا سینہ کھول دے اور میرا کام مجھ پر آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ بھی کھول دے۔

یہی شرح صدر کی نعمت رسول کریم ﷺ کو بن مانگے عطا ہوئی۔ ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

وَضعِ وِزر

رسولِ اکرم ﷺ نے پہلی وحی کے وقت ایک خوف سا محسوس کیا جس کا بوجھ مدت دراز تک آپؐ کے دل پر موجود رہا۔ دوسرا یہ بھی امرِ واقعہ ہے کہ جب آپ کی رفیقۂ حیات ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ اس دارِ فانی سے رحلت کر جاتی ہیں تو اس کا قلق بھی آپ ﷺ بہت زیادہ محسوس کرتے ہیں۔ تیسری یہ بات بھی ہے کہ آپ ﷺ اللہ کی مخلوق کو اللہ کی بارگاہ میں جھکانے کے لیے شبانہ روز محنت کرتے تھے لیکن لوگ مطیع و تابع فرمان بننے کی بجائے

مسلسل باغی اور سرکش ہو رہے تھے۔اس درد کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل گرفتگی کا باعث بنا۔لیکن رب تعالیٰ کی اعانتِ خاص ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پھیلنے لگی۔ تاریکی کے بادل چھٹنے لگے اور کفر وضلالت کے قفل ٹوٹنے لگے۔لوگوں کے دل توحید وسنت کی روشنی سے منور ہونے لگے۔اس صورت حال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کا درد اور کمر کا بوجھ ہلکا ہوا، جس کے متعلق قرآن کے الفاظ ہیں:

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِیٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝
اور ہم نے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ کی کمر کو توڑ ڈالا تھا۔

(الم نشرح ۹۴ : ۲،۳)

منصبِ رسالت ایک بارگراں ہے اور فرائض رسالت ادا کرنا کوئی آسان کام نہیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو منصب سنبھالتے ہی اللہ تعالیٰ سے اپنی معاونت اور وزر ثقیل کو بانٹنے کے لیے ایک معاون ووزیر طلب کیا تھا۔قرآن کے الفاظ ہیں:

وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ۝ هٰرُوْنَ اَخِی ۝ (طٰهٰ ۲۰ : ۲۹،۳۰)
میرے خاندان میں سے ایک کو وزیر بنا دے (یعنی) میرے بھائی ہارون کو۔

موسیٰ علیہ السلام کو فرائض نبوت کی ادائیگی اور قوم کو تبشیر وانذار کے لیے اپنے رب سے معاون ووزیر مانگنا پڑا جبکہ خاتم الانبیاء کا کمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کہ ''وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ''یعنی آپ ؐ کے معاون وغمگسار ہم خود ہیں، پہلے شرح صدر کیا پھر وضع وزر کیا اور رفعِ ذکر بھی ہم خود کریں گے۔

رفعِ ذِکر

تمام انبیاء ورسل میں ختم المرسلین سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک منفرد مقام حاصل ہے۔جو رفعت ومرتبت آپ ؐ کے حصہ میں آئی وہ کسی اور کے حصہ میں نہیں آئی۔ارشاد باری

تعالیٰ ہے۔''وَرَفَعْنَالَكَ ذِكْرَكَ''(الم نشرح ۹۴ : ۴) اور ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا۔ رفعت و مرتبت کے بارے میں مداح رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ایک شعر قندیل کا کام دے گا۔ ؎

وَضَمَّ الْاِلٰہُ اسْمَ النَّبِیِّ مَعَ اسْمِہٖ

اِذَا قَالَ فِی الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ اَشْھَدُ

معبود (اللہ) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم کو اپنے اسم کے ساتھ ضم کر

لیا ہے جب مؤذن پانچ نمازوں میں ''اَشْھَدُ'' کہتا ہے۔

یعنی مؤذن ایک دن میں پانچ مرتبہ اذان اور تکبیر کہتا ہے تو اس میں کہتا ہے''اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ'' تو اس کے ساتھ یہ کلمہ بھی کہتا ہے''اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' اور یہ عمل پوری دنیا میں جہاں کہیں بھی مسلمان آباد ہیں دہرایا جا رہا ہے۔ قیامت کے قائم ہونے تک یہ سلسلہ قائم و دائم رہے گا اور مسلمان نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پرچم سربلند کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ اپنے ذکر کے ساتھ خاص کر دیا۔ اپنی اطاعت کے ساتھ اپنے رسولؐ کی اطاعت لازم قرار دے دی اور اپنی محبت کے لیے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو بنیاد بنا دیا۔

نبی اُمّیؐ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و خصائل میں ایک خاص وصف یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی ہیں۔ علماء نے اُمّی کی کئی وجوہات بیان کی ہیں:۔

ایک تو یہ کہ اس کی نسبت اُمٌّ (ماں) کی طرف ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم شکمِ مادر سے ہی قلبی، فکری اور جسدی آلودگیوں سے پاک اور معصوم پیدا ہوئے۔ جس طرح حسان بن ثابتؓ نے اپنے کلام میں خوبصورت خیالات کا اظہار کیا۔

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ
کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَاءُ

(آپ ﷺ تمام عیوب سے مبرّا پیدا کیے گئے گویا کہ
آپ ﷺ اپنی چاہت کے مطابق پیدا ہوئے ہیں)

ایسے ہی خوبصورت خیالات کا اظہار ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ نے اپنے سرتاج امام الانبیاء ﷺ کے سامنے کیا۔

وَ مُبَرَّءٌ مِّنْ کُلِّ غُبَّرِ حَیْضَۃٍ
وَفَسَادِ مُرْضِعَۃٍ وَدَاءٍ مُخَیَّلٍ
وَاِذَا نَظَرْتَ اِلٰی اَسِرَّۃِ وَجْھِہٖ
بَرَقَتْ بُرُوْقُ الْعَارِضِ الْمُتَھَلِّلِ

''وہ ولادت ورضاعت کی آلودگیوں سے مبرّا ہیں۔ اُن کے
روشن چہرے پر نظر کرو تو معلوم ہوگا کہ نورانی اور روشن بجلی
چمک رہی ہے''۔ (رحمۃ للعلمین:۳۵: ج۳)

دوسری نسبت اُمّ القرٰی کی طرف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ معظّمہ کا نام اُمّ القرٰی رکھا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

وَھٰذَا کِتَابٌ اَنْزَلْنٰہُ مُبٰرَکٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَھَا ط (الانعام ٦ : ٩٢)

اور یہ بھی ایسی ہی کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے جو بڑی برکت والی ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور تا کہ آپؐ مکہ والوں کو اور آس پاس کے لوگوں کو ڈرائیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کا ذکر اُمّ القرٰی کے نام سے کیا ہے۔ حضرت

ابراہیم علیہ السلام نے بھی اسی ام القریٰ کو آباد کرنے کی دعا اللہ کے حضور کی تھی اور اس میں رہنے والوں کی اصلاح کے لیے ایک رسول مانگا تھا۔ آپ نے دعا کی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ. (البقرة ۲ : ۱۲۹)

اے ہمارے پروردگار! ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیج دے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ام القریٰ کے امیوں میں اپنا رسول ﷺ بھیج دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے دادا سیدنا ابراہیمؑ کی دعا، حضرت عیسیٰؑ کی بشارت اور اپنی والدہ ماجدہ کا خواب ہوں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا اعلان اس طرح ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ۔ (الجمعة ۶۲ : ۲)

وہ ہی ذات ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔

دوسرے مقام پر اس طرح فرمایا:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ (الاعراف ۷ :۱۵۸)

پس تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی اُمّی پر جو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا اتباع کرو تا کہ تم راہ پر آجاؤ۔

مذکورہ دو آیات میں اللہ نے اپنے رسول خاتم ﷺ کو نبی اُمی ﷺ کے نام سے خطاب کیا ہے کیونکہ آپ ﷺ معارف و احکام جاننے کے لیے کسی معلم کے تلمیذ نہیں بنے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ اقوام عالم کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور انہیں ان علوم کی تعلیم دیتے ہیں جن کی انہیں پہلے خبر نہیں اور یہ وہ اعزاز و کمال ہے جو کسی اور نبی کے حصہ میں نہیں آیا۔

خاتم الانبیاء ﷺ

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے انبیاء کا سلسلہ شروع کیا جو خاتم الانبیاء سیدنا محمد مصطفےٰ ﷺ پر ختم ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میری مثال اور دوسرے انبیاء کی مثال ایک محل کی سی ہے جسے خوب بنایا گیا تھا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی تھی۔ دیکھنے والے آتے تھے، محل کی عمدگی اور اس خالی جگہ کے متعلق سوال کرتے تھے۔ اب میں ہوں جس نے خالی جگہ کو پر کر دیا ہے۔ میرے ذریعے عمارت مکمل ہوئی اور مجھ پر ہی رسالت تمام ہوئی''

(مشکوۃ المصابیح :باب فضائل سید المرسلین: ۵۱۱)

آپ ﷺ سب سے آخر میں آئے لیکن خاتم المرسلینؐ بن کر آئے۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ اور اگر کوئی دعویٰ کرے گا تو وہ جھوٹا اور کذاب ہوگا۔ آپ ﷺ کی ختم المرسلینی کے متعلق اور بھی بہت سی روایات ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے:

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط — لیکن وہ اللہ کے رسول اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔ (الاحزاب ۳۳ : ۴۰)

آپ ﷺ کا یہ شرف بھی بڑا منفرد اور باکمال ہے کہ آپ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔

میثاق انبیاء

خاتم الانبیاء ﷺ کی ختم نبوت اور ختم المرسلینی اپنی جگہ ایک ممتاز مقام رکھتی ہے لیکن اس پر مزید شرف وکمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے عہد لیا کہ میری طرف سے تمہیں نبوت ملی سو ملی لیکن اگر تمہارے پاس میرا رسولِ مصدِّق ﷺ آ گیا تو تمہیں اُس رسول مصدِّق ﷺ کی رسالت کو ماننا اور اس سے تعاون کرنا ہوگا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاِذْاَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّيْنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتَابٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ط قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ط قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَO (اٰل عمران ۳: ۸۱)	جب اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب وحکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسولؐ آئے جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمہیں اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ہوگا۔ فرمایا کیا تم اس کے اقراری ہو اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو؟ سب نے کہا کہ ہمیں اقرار ہے۔ فرمایا، تو اب گواہ رہو اور خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

جب تمام انبیاء نے وعدہ کرلیا کہ ہم رسول اکرم ﷺ کی رسالت کو تسلیم کریں گے، اس پر ایمان لائیں گے اور اس سے تعاون کریں گے تو امتوں پر بھی یہ فرض ہے کہ وہ خاتم الانبیاء کی نبوت اور آخری کتاب قرآن مجید کی موجودگی میں کسی اور نبی کی نبوت اور اس پر نازل کردہ کتاب سے وابستگی کا اظہار نہیں کر سکتے۔ اور یہ بات بھی واضح ہے کہ سراج منیر کی آمد کے بعد کوئی اور چراغ نہیں جل سکتا۔ حدیث کی کتابوں میں یہ واقعہ موجود ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تورات شریف کے اوراق پڑھ رہے تھے جب ان پر سرورکونین ﷺ کی نگاہ پڑی تو غضب ناک ہوکر فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر موسیٰؑ بھی زندہ ہوکر آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی اتباع اختیار کرلو تو گمراہ ہوجاؤ گے۔ (تفسیر ابن کثیر: ج ۱، ص ۳۴۴)

قرآن مجید میں مذکورہ میثاق انبیاء اور خاتم الانبیاءؑ کے ارشاد کے بعد دنیا کے کسی عیسائی اور یہودی کے پاس یہ جواز باقی نہیں رہتا کہ وہ آپ ﷺ کی شریعت مطہرہ کو چھوڑ کر اپنے مشن کا پرچار کرے۔

منصفِ اعظم

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم ﷺ کو منصف اعظم کا شرف بھی بخشا ہے کہ اگر آپ کسی معاملہ یا مقدمہ کا فیصلہ فرما دیں تو اس کو دل و جان سے تسلیم کرنا جزو ایمان ہے اور پھر اس مقدمہ کی کسی اور عدالت میں اپیل کی کوئی گنجائش نہیں۔ جس طرح کہ قرآن مجید کے الفاظ ہیں:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝ (النساء ۴ : ۶۵)

پس قسم ہے آپ کے رب کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلافات میں آپ کو حاکم (منصف) نہ مان لیں پھر جو فیصلہ آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔

اس آیت کریمہ کی شان نزول میں ایک واقعہ تو زبان زدِ عام ہے کہ ایک یہودی اور مسلمان میں جھگڑا ہوا جس کا فیصلہ حضور ﷺ نے یہودی کے حق میں کر دیا تو مسلمان کو پسند نہ آیا۔ اس نے حضرت عمرؓ سے فیصلہ کروانے کی درخواست کی جس پر حضرت عمرؓ نے اس کا سر قلم کر دیا اور فرمایا کہ جو نبی اکرم ﷺ کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرے اس کے لئے میرا فیصلہ یہ ہے کہ اس کا سر قلم کر دیا جائے۔ لیکن علامہ ابن کثیر نے اس واقعہ کی صحت کمزور قرار دی ہے جب کہ اس کی شان نزول کے بارے میں ایک دوسرا واقعہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا کسی آدمی سے کھیت کو پانی دینے پر جھگڑا ہو گیا۔ جب یہ معاملہ آپ تک پہنچا تو آپ ﷺ نے صورت حال کا صحیح جائزہ لے کر زبیرؓ کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اس پر دوسرے شخص نے کہا کہ آپ ﷺ نے زبیرؓ کے حق میں اس لیے فیصلہ دیا ہے کہ وہ آپ کا پھوپھی زاد بھائی ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ خاتم الانبیاء ﷺ کے فیصلہ کو کسی جانبداری کے تناظر میں دیکھنے کی قطعاً اجازت نہیں بلکہ اسے دل و جان سے تسلیم نہ کرنے والا شخص حلاوتِ ایمان سے محروم ہے۔

احسانِ عظیم

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان پر اتنے احسان کیے ہیں کہ انہیں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ایک ایسا احسانِ عظیم بھی ہے جس کا ذکر خصوصی طور پر قرآن مجید میں کیا ہے۔ قرآن کے الفاظ ہیں:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (اٰل عمران ۳ : ۱۶۴)

بے شک مومنوں پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے کہ ان میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتے ہیں یقیناً یہ سب پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ آپ کی بعثت مومنوں پر احسان عظیم ہے کیوں کہ قوم و ملت کی راہ نمائی کے لیے کوئی فرشتہ یا جن رسول نہیں بنایا بلکہ انسانوں میں سے ایک انسان کامل کو رسول بنا دیا اور انبیاء و رسل پہلے بھی انسان ہی آئے، جس طرح کہ قرآن میں ذکر ہوا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ ۔ (یوسف ۱۲ : ۱۰۹)

ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے وہ انسان تھے جن پر ہم وحی کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مبعوث ہونے والے انبیاء تمام کے تمام حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے تھے، وہ کھاتے پیتے، چلتے پھرتے اور اٹھتے بیٹھتے تھے، ان سب میں حوائج طبعی موجود تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ ۭ (الفرقان ۲۵ : ۲۰)

ہم نے آپؐ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے سب کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔

آپ ﷺ نے قریش مکہ سے اپنی دعوت کا آغاز کیا۔ انہی کے شہر میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی اور انہی لوگوں میں پرورش پائی۔ ان لوگوں نے آپ ﷺ کا بچپن، لڑکپن اور پھر جوانی دیکھی۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے لیل ونہار اور صبح وشام دیکھے۔ شرافت وصداقت اور امانت ودیانت دیکھی۔ انہیں معلوم تھا کہ آپ ﷺ نے کسی معلم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا، آپ ﷺ پڑھنا جانتے ہیں نہ لکھنا، اس کے باوجود قوم کے سامنے قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، ان کا تزکیہ کرتے ہیں اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتے ہیں۔ لہٰذا یہ تمام علوم ومعارف نبوت ورسالت کی وجہ سے ہیں۔ آپ ﷺ گزشتہ انبیاء کے واقعات بیان کرتے ہیں، یہ بھی سچے رسول کا کام ہے۔ اعلان نبوت کے بعد آپ ﷺ کو مال کی پیش کش کی گئی، کسی بڑے خاندان میں من پسند شادی کا لالچ دیا گیا، کسی بھی چیز کی طرف آپ ﷺ نے نظر التفات نہیں فرمائی بلکہ جس فقیری میں زندگی کا آغاز کیا۔ منصب رسالت پر فائز ہوکر اور قیصر وکسریٰ کے خزانے اپنے قدموں میں دیکھ کر بھی اسی فقیری اور غریبی کو پسند کیا۔ ایسا مقدس اور مطہر رسول ﷺ یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے احسان عظیم ہے۔

رسولِ کائنات

اشرف الانبیاء سیدنا محمد مصطفےٰ ﷺ کا کمالِ شرف ہے کہ آپؐ سے پہلے کوئی نبی کسی شہر کی طرف اور کوئی کسی علاقہ کی طرف اور کوئی ایک مدت کے لیے دوسرا دوسری مدت کے لیے بھیجا گیا لیکن آپ ﷺ قیامت تک کے لیے اور تمام نسلِ انسانی کے لیے پیغمبر وراہ نما بن کر آئے۔ جیسا کہ قرآن نے بیان فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ (سبا ۳۴ : ۲۸)	ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے مگر لوگوں کی اکثریت بے علم ہے۔

دوسری جگہ اس طرح ذکر ہوا ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا . (الاعراف ۷ : ۱۵۸)

آپ کہہ دیں! اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

سورہ فرقان میں اس انداز سے بیان ہوا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝ (الفرقان ۲۵ : ۱)

بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان (قرآن) نازل کیا تاکہ وہ تمام جہانوں کو ڈرائے۔

مذکورہ بالا آیات میں بیان ہوا ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت علاقائی یا ایک خاص مدت کے لیے نہیں بلکہ قیامت تک کے لیے اور کائنات کے تمام جن وانس کے لیے ہے۔ ایک حدیث مبارک میں آپ ﷺ نے اپنی زبان اقدس سے اس بات کی یوں وضاحت فرمائی:

مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا ہوئی ہیں جو مجھ سے پیشتر کسی نبی کو نہیں ملیں۔

۱. مہینے کی مسافت پر دشمن کے دل میں میرا رعب بٹھانے سے میری مدد کی گئی۔
۲. تمام روئے زمین میرے لیے مسجد اور پاک ہے جہاں بھی نماز کا وقت آ جائے میری امت وہاں نماز ادا کرے۔
۳. مال غنیمت میرے لیے حلال کر دیا گیا جو مجھ سے قبل کسی کے لیے حلال نہیں تھا۔
۴. مجھے شفاعت کا حق عطا کیا گیا ہے۔
۵. پہلے نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا جبکہ مجھے کائنات کے تمام انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (صحیح بخاری: کتاب التیمم)

محبت رسول ﷺ

عیسائیوں کا یہ دعویٰ تھا کہ وہی شخص کامیاب ہے جو حضرت عیسیٰؑ کا پیروکار ہے کیوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اللہ کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ اور انہوں نے اس میں اتنا غلو کیا کہ نبی کو اللہ کا بیٹا بنا دیا۔ ان کے مقابلے میں یہودیوں نے دعویٰ کیا کہ کامیابی صرف اس

میں ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کی پیروی اختیار کی جائے۔ اور انہوں نے بھی اپنے نبی کو خدا کا بیٹا بنا دیا۔ دیگر قوموں نے اللہ سے تعلق کے دعوے اپنے انداز سے کیے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سب لوگوں کے دعاوی کو باطل قرار دیا اور فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○ (آل عمران ۳: ۳۱)	آپؐ کہہ دیں! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ خود تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام قوموں کے خود ساختہ دعووں کو باطل قرار دیا اور اپنی محبت اور اپنی ذات سے تعلق کا معیار اور کسوٹی صرف اور صرف محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اتباع پیغمبر کو قرار دیا اور مزید فرمایا کہ ایسا کرنے والا شخص بخشش کا بھی مستحق ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کی تمام لغزشیں اور خطائیں معاف کر دے گا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے اور بھی بہت سارے خصائل وفضائل اور شرف وکمالات بیان کیے ہیں، مثلاً ﴿يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا﴾ ﴿يُزَكِّيْكُمْ﴾ ﴿يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ ﴿وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾۔ ﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ﴾ ﴿عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ علاوہ ازیں بہت سارے اوصاف ہیں جو قرآن نے بیان کیے ہیں۔ احادیثِ نبویہ میں بھی کثرت سے ایسے اعزازات کا ذکر ہوا ہے جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ومرتبہ اور شرف وکمال تمام انبیاء میں ممتاز نظر آتا ہے۔

☆......☆......☆

واقعۂ معراج

واقعۂ معراج

معراج نبویؐ تاریخ اسلامی کا معروف ترین واقعہ ہے اور قرآن مجید میں دو مقام پر بیان ہوا ہے۔ ایک جگہ سورۃ بنی اسرائیل کی ابتداء میں جہاں اسراء کا ذکر ہے اور یہ بیت اللہ سے مسجد اقصیٰ تک ہے۔ اسے اِسراء اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ رات کا سفر تھا۔ اور دوسرے حصے کو معراج کہا جاتا ہے جس کا ذکر سورہ نجم میں ہے۔ معراج سیڑھی کو کہتے ہیں اور یہ ان الفاظ سے ماخوذ ہے جو رسول کریم ﷺ نے خود اِرشاد فرمائے۔ عُـرِجَ بِـیْ اِلَـی السَّمَـاءِ (مجھے آسمان پر لے جایا یا چڑھایا گیا)۔

معراج اور اسراء کا مقصد قرآن نے بیان کیا ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو نشانیاں دکھلانا تھیں۔ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا (بنی اسرائیل ۱۷ : ۱) تاکہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی (النجم ۵۳ : ۱۸) یقیناً اس نے اپنے رب کی بعض بڑی بڑی نشانیاں دیکھ لیں۔

اس اہم ترین سفر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اعظم ﷺ کو بیت اللہ سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر آسمانوں تک بہت سی نشانیاں دکھلا دیں۔ اس واقعہ کی تاریخ کے بارے میں اختلاف ہے لیکن راجح مسلک یہ ہے کہ ہجرت سے ایک سال قبل وقوع پذیر ہوا۔

اسراء

ایک اختلاف یہ بھی ہے کہ معراج بالروح ہوا یا بالجسد۔ تو اس میں بھی جمہور علماء کا

مسلک یہی ہے کہ معراج عالم بیداری میں جسدِ عنصری کے ساتھ ہوا۔اور اس موقع پر حضور ﷺ نے عجائبات اور آیات کبریٰ دیکھیں۔اسراء کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ o (بنی اسرائیل ۱۷ : ۱)	پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندے کو رات ہی رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا --جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا-- تا کہ ہم اُسے اپنی قدرت کی بعض نشانیاں دکھائیں۔یقیناً اللہ تعالیٰ ہی خوب سننے دیکھنے والا ہے۔

بیت اللہ سعودی عرب کے شہر مکہ میں اور بیت المقدس (مسجد حرام) فلسطین کے شہر القدس (ایلیا) میں ہے۔ان دونوں مقامات کے مابین چالیس دن کی مسافت ہے جسے ایک رات میں بلکہ رات کے کچھ حصے میں طے کیا، یہ بات بذات خود ایک بہت بڑی نشانی ہے۔

معراج کا سفر

اسراء کے بعد کی تفصیل سورۃ نجم میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی o مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی o وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی o اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی o (النجم ۵۳ : ۱، ۲، ۳، ۴)	قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے کہ تمہارے ساتھی نے نہ راہ گم کی ہے نہ وہ ٹیڑھی راہ پر ہے اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتا ہے وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔

واقعہ معراج جب وقوع پذیر ہو چکا تو دوسرے دن آپ ﷺ نے یہ واقعہ لوگوں کو سنایا۔کفارِ مکہ نے حسب معمول اسے ماننے سے انکار کر دیا اور استہزا بھی کیا اور یہ تہمت لگائی

کہ (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے من گھڑت واقعہ سنایا ہے۔ اس بنا پر رب تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہمارا پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمہارا صاحب ہے یعنی تم جانتے ہو کہ وہ صادق وامین ہیں، وہ کبھی غلط بات نہیں کرتے اور نہ ہی اپنی طرف سے کرتے ہیں بلکہ جب بھی بات کرتے ہیں، وحی الٰہی سے کرتے ہیں، احکام شریعت میں ان کا بولنا اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

اس واقعہ کو قرآن عزیز نے مختصر طور پر بیان کیا ہے جب کہ احادیث میں اس کی تفصیلات موجود ہیں جو قرآن کے اجمال کی تفصیل ہیں۔ اس سے متعلقہ احادیث پچیس صحابہ کرامؓ نے روایت کی ہیں جن میں سے زیادہ تفصیل کے ساتھ روایات حضرت انس بن مالکؓ، حضرت مالک بن صعصعہؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کی ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت حذیفہ بن یمانؓ، حضرت عائشہؓ اور دوسرے مقتدر صحابہ کرامؓ نے بیان کی ہیں۔ یہ ساری روایات اس واقعہ کے ضمن میں قرآن کے اجمال کی تفصیل ہیں۔ اس واقعہ کو سننے کے بعد لوگوں کو حیلہ سازی اور اتہام بازی پر باری تعالیٰ نے متنبہ کر دیا کہ تمہارے صاحب نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ بذریعہ وحی الٰہی اور من امر ربی بیان کیا ہے اور تمہاری یہ بات بھی غلط ہے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے راہ گم کر لی ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے بلکہ وہ راہِ حق اور جادۂ مستقیم پر ہیں۔ سورۃ تکویر میں اس طرح بیان ہوتا ہے:

اِنَّــــهٗ لَـــقَــوْلُ رَسُــوْلٍ كَــرِيْـمٍ o	یقیناً یہ ایک بزرگ رسول کا کہا ہوا ہے جو
ذِیْ قُـوَّةٍ عِـنْـدَذِی الْـعَـرْشِ مَكِیْنٍ o	قوت والا ہے عرش والے (اللہ) کے
مُّـــــطَــــــاعٍ	نزدیک بلند مرتبہ ہے جس کی (آسمانوں
ثَـــــمَّ اَمِیْـــــنٍ o	میں) اطاعت کی جاتی ہے پھر وہ امین بھی
وَمَـــا صَـــاحِبُـكُــمْ بِـمَـجْـنُـوْنٍ o	ہے۔ اور تمہارا صاحب دیوانہ نہیں ہے۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۝ (التکویر ۸۱ : ۱۹الی ۲۳)

اس نے اس (فرشتے) کو آسمان کے کھلے کنارے پر دیکھا ہے۔

قرآن پڑھنے والا اور پیغمبر اعظم ﷺ کی حدیث سننے والا کوئی شخص ایسے خیالات کا اظہار کر ہی نہیں سکتا جو کفار مکہ نے کیا۔ یقیناً انہوں نے نہ قرآن پڑھا اور نہ ہی رسول امین ﷺ کا فرمان سنا۔ بھلا دیوانے ایسی باتیں کرتے ہیں جو کتاب وسنت میں موجود ہیں۔ یہ حکمت و دانائی کی باتیں ہیں۔ یہاں یہ بھی بیان کیا کہ رسولؐ امین ﷺ نے جبریل امین کو آسمان کے کھلے کنارے پر دیکھا یعنی ان کی اصلی حالت میں دیکھا جس کے چھ سو پر تھے جس سے آسمان کے کنارے بھر گئے۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب آپ ﷺ نے ابتدائے نبوت میں جبرئیل کو اس کی اصل حالت میں دیکھا۔ دوسری بار معراج کے موقع پر دیکھا۔ جس کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۝ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝

(النجم ۵۳ : ۵الی ۱۴)

اُسے زبردست قوت والے نے تعلیم دی ہے جو بڑا صاحبِ حکمت ہے۔ وہ سامنے آ کھڑا ہوا جب کہ وہ بالائی افق پر تھا۔ پھر قریب آیا اور اوپر معلق ہو گیا، یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا۔ تب اس نے اللہ کے بندےؐ کو وحی پہنچائی جو وحی بھی اسے پہنچانی تھی۔ نظر نے جو کچھ دیکھا دل نے اس میں جھوٹ نہ ملایا۔ اب کیا اس چیز پر تم جھگڑتے ہو جسے وہ آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ ایک بار پھر اُسؐ نے اُسے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا۔

معراج کے موقع پر جن عجائبات وآیات کبریٰ کا مشاہدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، کھلی آنکھوں سے اور عالمِ بیداری میں کیا اور نہ نظر بہکی اور نہ ہی متجاوز ہوئی جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی ۝ مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ۝

(النجم ۵۳: ۱۶، ۱۷، ۱۸)

اُس وقت سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔ نگاہ نہ چندھیائی نہ حد سے متجاوز ہوئی۔ اور اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

عجائبات ومشاہدات اور تجلیات وکمالات دیکھتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال تحمل کا مظاہرہ فرمایا کہ نہ نظر بہکی اور نہ ہی تجاوز کا مظاہرہ ہوا۔ اور پھر جو کچھ دیکھا بعد میں بلاکم وکاست تمام لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کر دیا۔ جس سے اہل ایمان کے ایمان کی حلاوت دوآتشہ ہوئی جب کہ اہل کفر کے انکار کی شقاوت دودھاری ہوگئی اور ان کے اکابر وعمائد رسولِ صادق وامینؐ کی تکذیب واستہزاء میں باؤلے ہوگئے۔ اور ان کے سردار نے جب یہی بات سیدنا ابوبکرؓ سے کی تو انہوں نے فرمایا کہ میرے پیغمبرؐ کی فرمائی ہوئی ہر بات حرف بحرف صداقت پر مبنی ہے۔ چنانچہ اس موقع پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بارگاہِ رسالت سے صدیق کا خطاب ملتا ہے۔ یہ اتنا بڑا اعزاز ہے کہ کائنات میں اس سے بڑا کوئی اعزاز نہیں ہوسکتا۔

رواۃ حدیث نے اس واقعہ کو جس طرح بیان کیا ہے ان کے صحیح اقوال کے مطابق زادالمعاد میں علامہ ابن قیمؒ نے تحریر کیا ہے۔

انبیاء سے ملاقاتیں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کے جسد مبارک سمیت براق پر سوار کر کے جبریل امین کی رفاقت میں مسجد حرام (بیت اللہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک سیر کرائی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نزول فرمایا۔ براق کو مسجد کے دروازے کے حلقے سے باندھ دیا اور پھر

تمام انبیاء کی امامت کرائی۔ انبیاء کرام کو نماز پڑھانے کے بعد اسی رات آپ ﷺ کو بیت المقدس سے آسمان دنیا تک لے جایا گیا۔ جبریلؑ نے دروازہ کھلوایا اور پھر آپ ﷺ کے لیے دروازہ کھولا گیا۔

وہاں آپ ﷺ نے تمام انسانوں کے باپ حضرت آدمؑ کو دیکھا۔ انہیں سلام کہا، انہوں نے مرحبا کہا، سلام کا جواب دیا اور نبوت کا اقرار کیا، ان کے دائیں جانب آپ ﷺ کو سعادت مند روحیں اور بائیں جانب بدبخت روحیں دکھائی گئیں۔

پھر آپ ﷺ دوسرے آسمان پر پہنچے۔ آپ ﷺ کے لیے دروازہ کھلوایا گیا وہاں آپ ﷺ کی ملاقات حضرت یحیٰی علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ ﷺ نے سلام کہا، دونوں نے جواب دیا، مبارکباد دی اور آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر آپ ﷺ کو تیسرے آسمان پر لے جایا گیا اور آپ ﷺ کے لیے دروازہ کھلوایا گیا، وہاں آپ ﷺ کی ملاقات حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ ﷺ نے سلام کہا، انہوں نے جواب دیا، مبارک باد دی اور نبوت کا اقرار کیا۔

پھر آپ ﷺ چوتھے آسمان پر پہنچے، دروازہ کھلوایا گیا، وہاں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، آپ ﷺ نے سلام کہا، انہوں نے جواب دیا، مبارکباد دی اور نبوت کا اقرار کیا۔

پانچویں آسمان پر آپ ﷺ کی ملاقات حضرت ہارون علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ ﷺ نے سلام کہا، انہوں نے جواب دیا، مبارک باد دی اور نبوت کا اقرار کیا۔

چھٹے آسمان پر آپ ﷺ کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ انہیں بھی سلام کہا، انہوں نے جواب دیا، مبارک باد دی اور نبوت کا اقرار کیا لیکن جب آپ ﷺ وہاں سے آگے جانے لگے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رو دیے۔ ان سے رونے کی وجہ پوچھی گئی تو

انہوں نے کہا کہ میں اس لیے رو رہا ہوں کہ ایک نوجوان جسے میرے بعد بھیجا گیا، اس کی امت کے لوگ کثیر تعداد میں جنت میں داخل ہوں گے۔

پھر آپ ﷺ کو ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ ﷺ کی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ ﷺ نے انہیں سلام کیا، انہوں نے جواب دیا، مبارک باد دی اور انہوں نے بھی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر ساتویں آسمان سے آپ ﷺ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا اور پھر بیت معمور کو ظاہر کیا گیا۔

نماز کی فرضیت

اس کے بعد آپ ﷺ کو اللہ جل جلالہ کے دربار اکبر میں پہنچایا گیا اور پھر اللہ کے اتنے قریب ہوئے کہ دو کمانوں یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اس موقع پر اللہ نے اپنے بندے پر وحی نازل کی، اور پچاس نمازیں فرض قرار دے دیں۔ جب آپ ﷺ واپس ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کس چیز کا حکم دیا ہے؟ فرمایا، پچاس نمازوں کا۔ انہوں نے کہا، واپس جائیں اور تخفیف کی درخواست کریں۔ آپ کی امت میں اتنی طاقت نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے جبریل امین کی طرف دیکھا گویا کہ ان سے مشاورت کر رہے ہیں، انہوں نے اشارہ کیا کہ آپؐ اگر چاہیں تو ٹھیک ہے۔ پھر جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کو اس جبار کی بارگاہ میں لے گئے جب کہ وہ اپنی جگہ پر تھا۔ دس نمازیں کم ہوگئیں۔ پھر آپ ﷺ کو نیچے لایا گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو ان کو بتایا تو انہوں نے کہا، آپ ﷺ واپس جائیں اور تخفیف کا سوال کریں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان آپ ﷺ کی آمد و رفت جاری رہی حتٰی کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔ پھر بھی حضرت موسیٰؑ نے مشورہ دیا کہ واپس جائیں اور تخفیف کا سوال

کریں۔ مگر اس بار آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب مجھے شرم آتی ہے اور اب میں اسے برضا اور غبت تسلیم کرتا ہوں۔ پھر جب آپ ﷺ کچھ آگے چلے گئے تو ندا آئی کہ میں نے اپنے بندوں پہ فرض عائد کر دیا اور تخفیف کر دی۔ اور کمال شفقت یہ ہوئی کہ مومن نمازیں پانچ پڑھیں گے اور اجر پچاس کا ملے گا۔ (زاد المعاد ابن قیم: ۲/۴۷)

عجائبات و مشاہدات

- اس سفر کے آغاز سے قبل شق صدر کا واقعہ پیش آیا۔
- آپ ﷺ کو دو پیالے دودھ اور شراب کے پیش کیے گئے۔ آپ ﷺ نے دودھ کو پسند کیا تو کہا گیا کہ آپؐ نے فطرت کی راہ اپنالی۔
- آپ ﷺ کو چار نہریں دکھائی گئیں، دو ظاہری اور دو باطنی۔
- جہنم کے داروغہ سے ملاقات ہوئی جس کا نام مالک ہے، نہ وہ ہنستا تھا اور نہ ہی اس کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے۔
- آپ ﷺ کو جنت اور جہنم کا مشاہدہ کروایا گیا۔
- آپ ﷺ نے یتیموں کا مال کھانے والوں کا انجام دیکھا۔
- سود خوروں کا انجام دیکھا کہ ان کے پیٹ اتنے بڑے ہیں کہ ادھر ادھر نہیں ہو سکتے
- زنا کاروں کا انجام دیکھا کہ وہ تازہ گوشت چھوڑ کر جلا بدبودار اور سڑا ہوا گوشت کھا رہے تھے۔
- خاوندوں کی غیرت میں خیانت کرنے والی زانیہ عورتوں کو دیکھا کہ ان کے سینوں میں کانٹے چبھو کر انہیں زمین و آسمان کے درمیان لٹکا دیا گیا ہے۔

آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو دو دفعہ اصلی حالت میں دیکھا تھا۔ ایک دفعہ زمین پر دیکھا تھا اور دوسری دفعہ اب سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا۔

مسجد حرام سے لے کر بیت المقدس کے راستے میں اہل مکہ کا قافلہ دیکھا۔ اور ان کا ایک اونٹ بھی دیکھا جو بھاگ گیا تھا۔ اس قافلہ کے ڈھکے ہوئے برتن سے پانی پیا، اس وقت قافلہ سو رہا تھا، پانی پینے کے بعد برتن ڈھک دیا اور یہی بات دلیل بن گئی جو اگلی صبح بیان فرمائی۔ (ابن ہشام : ۱/۳۰۲)

حدیث کی کتابوں میں یہ بات صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ جب اگلے روز حضور سرورِ گرامی ﷺ نے اپنے سفر کی روئداد بیان فرمائی تو کفار نے بڑی شدت کے ساتھ جھٹلایا اور بیت المقدس کے متعلق طرح طرح کے سوالات کیے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے بیت المقدس کا تمام نقشہ آپ ﷺ کے سامنے کر دیا۔ آپ ﷺ نے اس طرح نشانیاں بیان فرمائیں کہ دشمنوں سے تردید نہ ہو سکی۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی

مفسرین و شارحین نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ سورۃ النجم میں جو بیان ہوا ہے:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝ (النجم ۵۳ : ۸،۹)

پھر قریب آیا اور اوپر معلق ہو گیا یہاں تک کہ دو کمانوں کے درمیان یا اس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا۔

اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں کیوں کہ سیاق و سباق یہی ظاہر کرتا ہے کہ اسی کے قریب ہونے اور اس کے دیکھنے کی بات ہو رہی ہے۔ لیکن حدیث میں جو واقعہ بیان ہوا ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ اور رسول پاک ﷺ کا قرب ہے اور یہی حقیقت کے قریب ترین ہے۔ اس ضمن میں اس بحث کو بیان کرتے ہوئے کہ حضور ﷺ نے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے کہ نہیں علامہ ابن قیمؒ نے امام ابن تیمیہؒ کی تحقیقی کاوش کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ دیکھنے سے مراد

جبریل علیہ السلام کو دیکھنا ہے اور عبداللہ بن عباسؓ کے دو اقوال صرف دیکھنا اور دل سے دیکھنا۔ ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

(زادالمعاد: ۲/۴۷)

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین یا بعد کے معترضین نے تکذیب وعداوت کی جو راہ اختیار کی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے کتاب وسنت کا وسعتِ قلب سے مطالعہ ہی نہیں کیا۔ آج بھی اصحاب ادراک وفہم کے لیے چشمۂ صافی سے استفادہ کے پورے مواقع موجود ہیں۔ اگر وہ جدوجہد کے خوگر ہو جائیں تو ان پر معجزات نبویؐ اور بالخصوص اسراء ومعراج میں پوشیدہ حکمتیں اور رازہائے سربستہ آشکارا ہو سکتے ہیں۔

☆......☆......☆

ہجرتِ مدینہ

ہجرت مدینہ

حضور نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو آیات قرآنی سنانے، ان کے دلوں کا تزکیہ کرنے اور انہیں کتاب وحکمت سکھانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ لوگ معصیت وبغاوت کو ترک کر کے سمع وطاعت کو اختیار کر لیں۔ لیکن ان کی بغاوت وعداوت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ وہ کذب وافترا اور طعن واستہزاء میں اس قدر آگے بڑھ گئے کہ آپ ﷺ کے قتل کے درپے ہو گئے۔ چنانچہ آپ کو مشیت ربانی سے مکہ چھوڑ کر مدینہ جانا پڑا۔

طعن واستہزاء

کفار مکہ نے ہر موقع پر آپ ﷺ کی طیب وطاہر ذات گرامی پر طعنہ زنی کی اور ہمیشہ آپ ﷺ کی ذات والا صفات کو مشق تمسخر بنایا، آپ ﷺ کی حکمت ودانائی سے بھری ہوئی گفتگو سن کر بھی تمسخر اڑاتے یہاں تک کہ آپ ﷺ کو دیکھتے ہی مذاق اڑانے لگتے اور کہتے کہ یہ ہے وہ شخص جو ہمارے خداؤں کو جھوٹا کہتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۝ (الانبیاء ۲۱ : ۳۶)	یہ منکرین آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق ہی اڑاتے ہیں کہ یہی وہ ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر برائی سے کرتا ہے اور وہ خود رحمٰن کی یاد کے بالکل ہی منکر ہیں۔

اور سورۃ فرقان میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح ذکر کیا ہے:

وَإِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ط اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ○ (الفرقان ۲۵ : ۴۱)	اور جب کبھی آپ کو دیکھتے ہیں تو تمسخر اڑاتے ہیں کہ کیا یہی وہ ہے جسے اللہ نے رسولؐ بنا کر بھیجا ہے۔

ایک مقام پر اس طرح بیان کیا ہے:

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ○ وَإِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ○ وَإِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ○ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ (الصّٰفّٰت ۳۷ : ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵)	بلکہ آپؐ تعجب کر رہے ہیں اور وہ مسخراپن کر رہے ہیں اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے یہ نہیں مانتے اور جب کسی معجزے کو دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو بالکل کھلم کھلا جادو ہے۔

کفار مکہ کا طعن واستہزاء اور کذب وافتراء اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ وہ احکام شریعت میں سے ہر ایک حکم کی تکذیب کرتے۔ جیسے جیسے دعوت اسلامی میں اضافہ ہوتا گیا اُن کی شقاوت وعداوت بڑھتی چلی گئی۔

قتل کا منصوبہ

مشرکین مکہ کے مظالم سے تنگ آکر مسلمانوں نے مکہ سے ہجرت کر کے مختلف مقامات پر جانا شروع کر دیا۔ پہلے دو دفعہ مظلوم مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حبشہ کا بادشاہ مذھباً تو عیسائی تھا لیکن عادل تھا۔ پھر صحابہ کرامؓ نے مدینہ میں پناہ لی جہاں پر اوس اور خزرج نے ان کی عزت افزائی کی۔ یہ بات مشرکین مکہ پہ گراں گزری کہ اسلام کی دعوت رکنے کی بجائے پھیل رہی ہے۔ چنانچہ مشرکین دارالندوہ میں اکٹھے ہوئے اور اسلام دشمنی میں ان کا اہم ترین اجلاس شروع ہوا۔ اجلاس میں تمام قبائل کے نمائندگان شریک ہوئے۔

۱۔قبیلہ بنی مخزوم سے ابوجہل بن ہشام ۲۔قبیلہ بنی نوفل سے جبیر بن مطعم

۳۔بنی عبد شمس سے شیبہ بن ربیعہ ۴۔بنی عبدالدار سے نضر بن حارث

۵۔بنی اسد سے ابوالبختری بن ہشام ۶۔بنی سہم سے نُبیہ بن حجاج

۷۔اور قبیلہ بنی جمح سے امیہ بن خلف شریک ہوئے۔

اکابر مشرکین کی اس اہم ترین مجلس میں ابلیس بھی ایک بزرگ آدمی کی شکل میں شریک ہوا۔ وہ دروازے پر کھڑا تھا کہ کسی نے پوچھا یہ بزرگ آدمی کون ہے؟ تو ابلیس نے ہی جواب دیا کہ یہ اہل نجد کا ایک شیخ ہے جو اجلاس میں تمہاری باتیں سننا چاہتا ہے۔ ہوسکتا ہے کوئی بہتر مشورہ ہی دے دے۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اس پر نجدی شیخ اندر آ گیا۔ اب دارالندوۃ میں تجویز و آراء شروع ہو گئیں۔ ابوالاسود نے تجویز دی کہ اس شخص کو مکہ سے جلاوطن کر دیا جائے اور یوں کوئی واسطہ نہ رکھا جائے وہ جہاں مرضی ہو چلا جائے۔

نجدی شیخ بولا، خدا کی قسم! یہ رائے بالکل نامناسب ہے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ اس کی گفتگو کتنی شیریں ہے۔ وہ جہاں جائے گا اپنی شیریں گفتگو سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لے گا اور پھر جماعت تیار کر کے تم پر حملہ کر کے تمہیں نیست و نابود کر دے گا۔

ابوالبختری نے تجویز دی کہ اس شخص کو زنجیروں میں جکڑ کر اندر بند کر دو تا کہ اس کا انجام پہلے شاعروں نابغہ اور زُہیر جیسا ہو اور اسی طرح موت واقع ہو جائے۔ نجدی شیخ نے اس تجویز سے بھی اتفاق نہیں کیا کہ اسے قید کر دیا گیا تو سن کر اس کے ساتھی آئیں گے اور چھڑا کر لے جائیں گے اور پھر بڑی فوج تیار کر کے تم پر دھاوا بول دیں گے۔

اس کے بعد مجرموں کا سالار ابوجہل کھڑا ہوا۔ اس نے کہا، میری تجویز یہ ہے کہ ہر قبیلہ سے صاحب نسب اور مضبوط جوان لیا جائے اور سب کے ہاتھوں میں تلواریں دے کر اس شخص کی طرف روانہ کر دیا جائے اور پھر تمام جوان یک بارگی تلوار کے وار سے اس شخص

(محمد ہاشمی ﷺ) کو قتل کر دیں۔ اس قتل سے ہم سب کو سکون مل جائے گا اور قبیلہ عبد مناف میں اتنی ہمت نہیں کہ سب قبائل سے بدلہ لے سکیں چنانچہ وہ دیت پہ راضی ہو جائیں گے اور ہم بآسانی دیت ادا کر دیں گے۔ اس ظالمانہ تجویز کو نجدی شیخ ابلیس اور دیگر ارکان مجلس نے پسند کیا اور یوں آپ ﷺ کے قتل کا منصوبہ بن گیا۔ اس کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْيَقْتُلُوْكَ اَوْيُخْرِجُوْكَ ؕ وَ يَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ۝

(الانفال ۸ : ۳۰)

اور وہ وقت یاد کریں جب کہ کافر لوگ آپ کی نسبت تدبیر سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کر لیں یا قتل کر ڈالیں یا جلاوطن کر دیں۔ وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

اکابر مشرکین نے اسی منصوبہ کو عملی شکل دینے کے لیے مختلف قبائل کے گیارہ ارکان منتخب ہوئے:۔

۱۔ ابو جہل بن ہشام
۲۔ حکم بن عاص
۳۔ عقبہ بن ابی معیط
۴۔ نضر بن حارث
۵۔ امیہ بن خلف
۶۔ زمعہ بن اسود
۷۔ طُعَیمہ بن عدی
۸۔ ابولہب بن عبدالمطلب
۹۔ اُبَی بن خلف
۱۰۔ نُبَیہ بن الحجاج
۱۱۔ اور نُبیہ کا بھائی مُنَبّہ بن الحجاج

(زادالمعاد: ۵۲/۲)

ان سب مغرور کافروں نے پروگرام بنایا کہ آدھی رات کے بعد جب محمد ﷺ سو جائیں تو اچانک ان پر حملہ کر دیا جائے۔ یہ قتل کی تدبیر تو ان مشرکین مکہ کی تھی جب کہ اللہ تعالیٰ

کی تدبیر ان سے بہتر تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے رسول ﷺ کو خبردار کر دیا کہ آپ ﷺ کے دشمنوں نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کی مجرمانہ سازش تیار کر لی ہے اور جبریل علیہ السلام کے ذریعے یہ بھی بتا دیا کہ آپ ﷺ مکہ کو خیر باد کہہ دیں اور جس بستر پر آپ ﷺ آرام فرمایا کرتے تھے، اُسے ترک کر دیں اور رات ہی کو نکل جائیں۔

(ابن هشام: ۱/۴۸۳)

ہجرت کا ہم سفر

علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ اطلاع ملنے کے بعد دوپہر کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ ہم گھر بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے کہا، اے ابوبکرؓ! رسول اکرم ﷺ اس وقت سر ڈھانپے تشریف لا رہے ہیں۔ ایسے وقت میں آنا آپ ﷺ کا معمول نہیں تھا۔ ابوبکرؓ نے کہا، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، آپؐ کسی اہم کام کے سلسلہ میں تشریف لائے ہیں۔ حضور ﷺ تشریف لائے، اجازت طلب کی اور اجازت ملنے پر اندر تشریف لائے۔ پھر اپنے معتمد ساتھی ابوبکرؓ سے کہا کہ تمہارے پاس جو لوگ ہیں انہیں ہٹا دو۔ ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، اس وقت آپ ﷺ کے اہل بیت کے علاوہ کوئی بھی موجود نہیں (یعنی اس وقت سیدہ عائشہؓ موجود تھیں) آپ ﷺ نے فرمایا اچھا تو سنو! مجھے ہجرت کی اجازت مل چکی ہے۔ ابوبکرؓ نے پوچھا ہم سفر؟............ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔

یقینی بات ہے اس کٹھن سفر میں ابوبکر صدیقؓ کے علاوہ کوئی غم گسار اور معتمد ہم سفر کیسے ہو سکتا تھا۔ یہ سعادت عتیق و صدیق صحابی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہی نصیب ہو سکتی ہے۔

صدیقؓ سفر میں اور علیؓ بستر میں

ظالم مشرکین نے پروگرام کے مطابق آپ ﷺ کے گھر کا گھیراؤ کرلیا اور گھات لگا کر بیٹھ گئے۔ ادھر رسولِ صادق وامین ﷺ نے اس نازک ترین گھڑی میں اپنے عزیز ترین ساتھی اور بھائی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اے علیؓ! آج رات تم میری سبز حضرمی یمنی چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو جاؤ۔ (حضور ﷺ یہی چادر اوڑھ کر سویا کرتے تھے) دشمن تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بستر پر سلایا کہ صبح لوگوں کی امانتیں واپس لوٹا کر پیچھے چلے آئیں۔ کیوں کہ آپ ﷺ صادق وامین تھے، حالت امن وسکون میں بھی اور حالتِ جنگ وحرب میں بھی۔ دشمن ناکام ونامراد ہوگئے اور انہیں اپنی نامرادی کا اس وقت پتہ چلا جب ایک اجنبی شخص نے آکر ان لوگوں کو حضور ﷺ کے دروازے پر دیکھا اور پوچھا کہ تم کس لیے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم تو محمد ﷺ کا انتظار کررہے ہیں۔ تو اس شخص نے کہا تم تو ناکام ونامراد ہوگئے کہ وہ تو تمہارے سروں میں مٹی ڈالتے ہوئے نکل گئے اور ابھی تمہارے پاس سے گزرے ہیں۔ انہوں نے کہا، واللہ!...... ہم نے نہیں دیکھا۔ لیکن پھر جب دروازے کی دراز سے جھانک کر دیکھا تو چونکہ حضرت علیؓ حضور ﷺ کی یمنی چادر میں سوئے ہوئے تھے، تو دیکھ کر کہا، بخدا! یہ محمد ﷺ ہیں۔ اور صبح تک انتظار کیا لیکن صبح اس بستر سے شیر خدا حضرت علیؓ بیدار ہوئے تو دیکھ کر کف افسوس ملنے لگے۔ حضور ﷺ کے متعلق سوال کیا تو علیؓ نے کہا مجھے خبر نہیں۔

(زاد المعاد: ۵۲/۲)

بہتر تدبیر

مشرکین نے قتل کا منصوبہ بنایا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بچانے کا سامان

پیدا کیا۔ انہوں نے بھی تدبیر سوچی جب کہ اللہ نے بھی تدبیر سوچی اور اللہ تعالیٰ بہتر تدبیر سوچنے والا ہے:

وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ۝ (الانفال ۸ : ۳۰)

وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے اللہ کے حکم سے سنگ ریزوں والی مٹی مٹھی میں اُٹھا کر ان کے سروں پر ڈال دی اور ان سب کو چیرتے ہوئے نکل گئے۔ اس وقت آپ ﷺ تلاوت فرما رہے تھے:

وَجَعَلْنَا مِنْ ۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ (یٰسین ۳۶ : ۹)

ہم نے ان کے آگے رکاوٹ کھڑی کر دی اور ان کے پیچھے بھی۔ پس ہم نے انہیں ڈھانپ لیا ہے اور وہ دیکھ نہیں رہے ہیں۔

دشمن صفیں باندھ کر ہاتھوں میں تلواریں لیے بیٹھے رہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے گرد حفاظتی حصار قائم کر دیا کہ وہ دیکھ ہی نہ سکے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ سے مٹھی بھر پھینکی ہوئی مٹی سب کے سروں میں پڑی اور یہ اللہ کی بہترین تدبیر ہے کہ اس نے دشمنوں کے سروں میں خاک ڈال کر اپنے حبیب ﷺ کو بچا لیا۔

غار میں طمانیت قلب

حضور سرورِ گرامی ﷺ ہجرت کی شب اپنے گھر سے نکل کر اپنے انتہائی قریبی ساتھی اور ہم سفر صدیق اکبرؓ کے گھر گئے اور اُنہیں اپنے ساتھ لیا اور گھر کی پچھلی جانب سے نکل کر معمول کے راستہ سے ہٹ کر مدینہ کی جانب نکلے اور صبح تک پانچ میل کے فاصلے پر ثور پہاڑ کے دامن میں پہنچے۔ پہاڑ کی چوٹی پر غار میں جانے کے لیے ابوبکرؓ نے حضور ﷺ کو اٹھا لیا۔ یہی غار تاریخ میں غارِ ثور کے نام سے مشہور ہے۔

غار میں داخل ہونے سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اندر گئے اور دیکھا کہ غار میں کچھ

سوراخ ہیں۔انہوں نے اپنی چادر پھاڑ دی اوراس کے ذریعے تمام سوراخ بند کر دیے۔دو بچ گئے تو ان پر اپنے دونوں پاؤں رکھ دیے اور حضور ﷺ سے اندر آنے کی درخواست کی۔ آپ ﷺ اندر تشریف لائے اور ابو بکرؓ کی آغوش میں سر رکھ کر سو گئے۔لیکن سوراخ میں سے کسی زہریلی چیز نے ان کے پاؤں کو ڈس لیا۔شدت تکلیف سے ان کی آنکھوں سے آنسو گرے تو آپ ﷺ کے چہرے پر ٹپک گئے اور آپ ﷺ ان آنسوؤں کی گرمی سے بیدار ہو گئے۔آپ ﷺ نے پوچھا، اے ابو بکر! کیا ہوا؟ عرض کیا، میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں مجھے کسی چیز نے ڈس لیا ہے۔آپ ﷺ نے اپنا لعاب دہن ان کے پاؤں پر لگایا تو تکلیف جاتی رہی۔

اس غار میں دونوں رفیق جمعہ، ہفتہ اور اتوار کی تینوں راتیں چھپے رہے۔حضرت ابو بکرؓ کا غلام عامر بن فہیرہؓ بکریوں کو چراتے ہوئے ادھر لے آتا جس سے دونوں دودھ پی لیتے۔عبداللہ بن ابو بکرؓ مکہ کے حالات اور دشمن کی تگ ودو کے متعلق خبردار رکھتے۔وہ دن مکہ میں گزارتے اور رات ان کے ساتھ غار میں گزارتے۔پیچھے مکہ میں اسماء بنت ابی بکرؓ نے بھی سختیاں برداشت کیں۔ابو جہل تلاش کرتے ہوئے جب ان کے دروازے پر پہنچا تو اسماء سے سامنا ہوا۔ان سے حضورؐ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا، مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہیں؟ ابو جہل نے ان کے رخسار پہ تھپڑ مارا جس سے ان کی بالی ٹوٹ کر نیچے گر گئی۔اس سارے گھرانے نے اپنے آقا ﷺ کیلئے ہر قسم کی سختیاں برداشت کیں۔

مشرکین تلاش کرتے ہوئے غارِ ثور تک بھی پہنچے اور وہ اس کے دھانے پر کھڑے تھے۔حضرت ابو بکرؓ نے دیکھا کہ دشمن کے پاؤں نظر آ رہے ہیں تو حضور ﷺ سے کہا کہ اگر ان میں سے کوئی شخص اپنی نظر نیچی کرے تو ہم نظر آ جائیں گے۔اس پر آپ ﷺ نے فرمایا، اے ابو بکر!

مَاظَنُّكَ بِاِثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا. تمہارا ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔ (صحیح بخاری: تفسیر سورۃ توبۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہم سفر کو مشکل گھڑی میں تسلی دی کہ حزن و ملال کی کوئی ضرورت نہیں کیوں کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے اور جن کے ساتھ اللہ ہو انہیں دنیا کی کوئی طاقت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اسی منظر کو قرآن میں بیان کیا گیا ہے:

اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

جب کفار نے انہیں وطن سے نکال دیا وہ دو میں سے دوسرا تھا جب کہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کر! اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (التوبۃ ۹:۴۰)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کو سر پر دیکھ کر بھی مطمئن اور متوکل علی اللہ رہے بلکہ اپنے رفیقِ سفر کو بھی تلقین کی کہ ہم اللہ کے بھروسے پر اس سفر پر نکلے ہیں اور جو اللہ پر بھروسا کرتے ہیں وہ خود ان کی حفاظت کرتا ہے۔

مدینے کا سفر

تین دن کے بعد دونوں غار ثور سے نکلے۔ اس راستے کے نشیب و فراز کو جاننے والے ایک رہبر عبداللہ بن ابی اُریقط کے ساتھ پہلے ہی اجرت پر مدینہ پہنچانے کا معاملہ طے پاچکا تھا۔ وہ سواریاں لے کر آ گیا۔ اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے اپنی سب سے بہتر اونٹنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی۔ ادھر اسماء بنت ابی بکرؓ بھی زادِ راہ لے کر آ گئیں لیکن اس میں لٹکانے والا بندھن لگانا بھول گئیں۔ جب روانگی کا مرحلہ آیا تو سامان لٹکانا چاہا لیکن بندھن ہی نہ تھا۔ انہوں نے اپنا کمر بند اُتارا، اُس کے دو ٹکڑے کیے، ایک کا بندھن بنایا اور دوسرا کمر پہ باندھ لیا۔ اسی بنا پر حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کا لقب ذَاتُ النِّطَاقَيْن پڑ گیا۔ اس سفر کی تفصیلات

سیرت ابن ہشام اور کتب احادیث میں موجود ہیں۔ اس سفر کے حوالے سے امام بخاریؒ نے حضرت انس بن مالکؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ سواری پر حضور ﷺ کے پیچھے بیٹھے۔ اُن پر بڑھاپا نمایاں تھا اور حضور ﷺ پر جوانی کے آثار غالب تھے۔ اسی لیے لوگ آپ ﷺ کی طرف توجہ کم اور ان کی طرف توجہ زیادہ دیتے۔ جب بھی کوئی آدمی سامنے آتا تو حضرت ابوبکرؓ سے پوچھتا کہ یہ آپ کے آگے کون ہے؟ وہ اس کا خوبصورت جواب دیتے، ''یہ شخص مجھے راستہ بتاتا ہے''۔ اس سے پوچھنے والا سمجھتا کہ یہی راستہ مراد لے رہے ہیں جب کہ ان کی مراد خیر کا راستہ تھا۔ (صحیح بخاری: ۱/۵۵۶)

اُم معبدؓ کا واقعہ

ہجرت مدینہ کے دوران اہمیت کے اعتبار سے منفرد نوعیت کے بہت سارے واقعات پیش آئے۔ لیکن ام معبد کے خیمہ میں پیش آنے والا واقعہ کسی طور بھی اہمیت اور دلچسپی سے خالی نہیں۔ ام معبد مضبوط اعصاب کی فیاض اور مہمان نواز خاتون تھیں جو عموماً گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے اپنے گھر کے آنگن میں بیٹھی رہتیں اور آنے جانے والوں کی خاطر مدارات کرتیں۔ جب آپ ﷺ ان کے خیمہ کے پاس پہنچے تو ان سے پوچھا کہ کھانے پینے کے لیے کچھ ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ اگر ہمارے پاس کچھ ہوتا تو میزبانی میں اس قدر کوتاہی نہ کرتی۔ قحط کا زمانہ تھا اور ان کی بکریاں چرنے کے لیے دور دراز علاقے میں گئی ہوئی تھیں۔

آپ ﷺ کی نظر گوشے میں کھڑی ہوئی ایک بکری پر پڑی تو فرمایا، ''یہ کیسی بکری ہے؟'' ام معبد نے کہا کہ یہ اپنی کمزوری اور ناتوانی کی وجہ سے پیچھے رہ گئی ہے۔ فرمایا، ''اس میں دودھ ہے؟'' اس نے کہا، ''یہ کمزور ہے۔ دودھ نہیں دیتی''۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ''دودھ دوہنے کی اجازت ہے؟''۔ ام معبدؓ نے کہا، ''میرے ماں باپ آپ پر قربان! اگر دودھ دکھائی دیتا ہے تو ضرور دوھ لیں''۔ آپ ﷺ نے اللہ کا نام لے کر جب اپنا دستِ مبارک

بکری کے تھن کو لگایا اور ساتھ دعا بھی کی تو بکری کے تھنوں میں دودھ بھر آیا اور اس نے اپنے پاؤں پھیلا دیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مناسب برتن میں دودھ دوہا اور ام معبد کو پلایا۔ اُس نے شکم سیر ہو کر پیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پیا اور اپنے ساتھیوں کو پلایا اور پھر دوبارہ دودھ کر برتن بھر دیا اور وہاں سے رخصت ہو گئے۔

کچھ دیر بعد بھوک اور کمزوری سے ڈھیلی چال چلتے ہوئے ابو معبد بھی بکریوں کو لے کر آ گیا۔ اس نے دودھ دیکھا تو حیران و ششدر رہ گیا اور پوچھا کہ دودھ دینے والی بکریاں تو میرے پاس تھیں، یہ دودھ کہاں سے آ گیا؟ ام معبد نے کہا، یہاں سے ایک ایسے شخص کا گزر ہوا ہے جو رحمت و برکت والا ہے۔ بات سن کر ابو معبد نے کہا کہ مجھے یوں لگتا ہے کہ یہ وہی شخص ہے جسے قریش تلاش کر رہے ہیں۔ اچھا، ذرا اس کی کیفیت تو بتلاؤ۔ ام معبد نے اپنے انداز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کرایا۔ ام معبد کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ تاریخ نے اپنے دامن میں سمیٹ لیے۔ وہ بیان کرتی ہیں:

> ''چمکتا ہوا رنگ، تابناک چہرہ، خوبصورت ساخت، نہ توند بڑھی ہوئی نہ سر بالوں سے خالی، حسن و جمال سے ڈھلا ہوا پیکر، سرگیں آنکھیں، لمبی پلکیں، بھاری آواز، لمبی گردن، سفید و سیاہ آنکھیں، سیاہ سرگیں پلکیں، باریک اور باہم ملے ہوئے ابرو، چمک دار سیاہ بال، خاموشی میں وقار، گفتگو میں کشش، دور سے دیکھیں تو مجسم حسن و جمال، قریب سے دیکھیں تو خوبصورت و شیریں، کلام میں لذت، بات دوٹوک اور واضح، نہ مختصر نہ فضول، گفتگو کا انداز ایسا کہ موتی جھڑ رہے ہوں، درمیانہ قد نہ ٹھگنا کہ نظر میں نہ جچے اور نہ لمبا کہ ناگواری کا احساس ہو، دو شاخوں کے درمیان ایسی شاخ کی طرح تر و تازہ جو جاذب نظر

ہو، آپؐ کے رفقاء نے اس طرح حلقہ بنایا ہوا کہ جو ارشاد فرمائیں اسے توجہ سے سنیں اور اگر حکم کریں تو بجا آوری ہو، مطاع و مکرم، نہ تُرش رُو اور نہ فحش گو“۔

ام معبد کی زبان سے ان الفاظ میں آپ ﷺ کا تعارف جب ابومعبد نے سنا تو کہا، اللہ کی قسم! یہ تو وہی قریش کا شخص ہے جس کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کی جاتی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کی رفاقت اختیار کروں۔ اگر کوئی سبیل میسر آئی تو ضرور ایسا کروں گا۔ (زادالمعاد: ۲/۵۳)

حضور ﷺ منزل کی طرف

ہجرت کے سفر میں حضور ﷺ کی زبان اقدس پر یہ الفاظ تھے:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا ○ (بنی اسرائیل ۱۷: ۸۰)	اور یہ دعا کریں کہ اے میرے پروردگار! مجھے داخل کر (مدینہ) میں اچھا داخلہ اور مجھے نکال (مکہ) سے اچھا نکالنا اور میرے لیے اپنی جانب سے زبردست نصرت و مدد فرما۔

اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کی تمام سازشیں اور چالیں ناکام کر کے اپنے پیغمبر ﷺ کو مکہ سے بحفاظت نکال لیا۔ جب کہ ان کی کوشش تو سرزمین سے نکالنے اور عاجز کر دینے کی تھی:

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلَافَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ (بنی اسرائیل ۱۷: ۷۶)	اور قریب تھا کہ وہ (مشرکین) آپ کو عاجز کر دیتے سرزمین (مکہ) سے تاکہ آپؐ کو اس سے نکال دیں اور تب وہ آپؐ کے بعد بہت تھوڑا عرصہ رہ پاتے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع میں جن لوگوں نے اذیتیں برداشت کیں اور ہجرت کی صعوبتیں اٹھائیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے بڑی اعلیٰ ضیافتوں کا انتظام کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۖ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ○

(آل عمران ۳ : ۱۹۵)

پس ان کے ربّ نے ان کی دعا قبول کر لی کہ تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت میں ہرگز ضائع نہیں کرتا تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو اس لیے وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکال دیے گئے اور جنہیں میری راہ میں ایذا دی گئی اور جنہوں نے جہاد کیا اور شہید کیے گئے میں ضرور ضرور ان کی برائیاں ان سے دور کر دوں گا اور بالیقین انہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ یہ ہے ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دعائیں اللہ تعالیٰ نے سن لیں۔ مشرکین مکہ کے چنگل سے آزاد کر کے مدینہ میں لا آباد کیا اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اُخروی زندگی کے انعامات واکرامات کا بھی اعلان کر دیا کہ غریب الوطنی اور ہجرت کی صعوبتوں کی جزا خطاؤں کی معافی اور جنت میں اعلیٰ مقام ومنزلت کا وارث قرار دے دیا۔ اس سے قبل مومنوں اور

مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ قلت و کمزوری کی بنا پر اس قدر خوف زدہ تھے کہ ظالم و جابر دشمنوں کا خوف مسلط رہتا کہ وہ اپنے ظالم پنجوں سے نوچ ہی نہ لیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص فضل و کرم فرمایا کہ آزاد مسکن اور پر امن گھر نصیب فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (الانفال ۸ : ۲٦)

اور اس حالت کو یاد کرو جب کہ تم زمین میں قلیل تھے کمزور شمار کیے جاتے تھے اس اندیشہ میں رہتے تھے کہ لوگ تمہیں اُچک نہ لیں سو اللہ نے تمہیں رہنے کی جگہ دی اور تمہیں اپنی نصرت سے قوت دی اور تمہیں نفیس نفیس چیزیں عطا کیں تا کہ تم شکر کرو۔

رسولِ صادق ﷺ قبا میں

آپ ﷺ کی روانگی کی اطلاع اہل یثرب کو مل چکی تھی اور اُدھر آپ ﷺ کے مبارک قدم آگے بڑھ رہے تھے، اِدھر آپ ﷺ کے انتظار میں بے قراری میں اضافہ ہو رہا تھا۔ انصار مدینہ بے قراری کے عالم میں مدینہ سے باہر نکل آتے اور راستے میں نظریں بچھائے انتظار کرتے رہتے۔ جب دوپہر ہوتی اور دھوپ کی شدت و تمازت میں اضافہ ہوتا تو واپس چلے جاتے۔ ایک دن حسب معمول انتظار کے بعد لوگ اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ ایک یہودی کچھ دیکھنے کی غرض سے ٹیلے پر چڑھا۔ اس نے دیکھا کہ رسولِ صادق و امین ﷺ اپنے اصحاب ؓ سمیت سفید کپڑوں میں چلے آ رہے ہیں اور ان کے پاکیزہ لباسوں سے چاندنی چھٹک رہی ہے۔ وہ دیکھ کر بے خودی میں پکارا، اے عرب کے لوگو! یہ رہا تمہارا مقدر و نصیب، جس کا تمہیں انتظار تھا۔ اس کی آواز سن کر مسلمان اپنے ہتھیاروں کی طرف دوڑے تا کہ انہیں پہن کر آپ ﷺ کا استقبال کریں۔

اہل قبا میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ وفورِ جذبات میں ایک شور بپا ہوا۔ فضا نعرہ ہائے تکبیر سے گونج اٹھی۔ اطراف سے لوگ دیوانوں کی طرح استقبال کے لیے نکل آئے۔ عرب کے چاند کو اپنی نظروں کے سامنے دیکھ کر ہر کوئی اپنی قسمت پہ فرحاں و نازاں تھا۔ چاہنے والوں نے ستاروں کی مانند چاند کے گرد حلقہ بنا لیا اور آپ ﷺ پر سکینت چھائی ہوئی تھی اور وحی کا نزول ہو رہا تھا:

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ	پس یقیناً اللہ کارساز ہے اور جبریل ہیں اور
الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ	نیک ایمان دار اور ان کے علاوہ فرشتے بھی
ظَهِيْرٌ ۝ (التحریم ٦٦ : ۴)	مدد کرنے والے ہیں۔ (زاد المعاد: ۲/۵۴)

حضور ﷺ نے اپنے رفقاء سمیت قبا میں پڑاؤ ڈالا اور بنی عمرو بن عوف میں چودہ راتیں قیام فرمایا اور وہاں مسجد قبا کی بنیاد رکھی اور اس میں نماز ادا کی۔ نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد یہ پہلی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی۔ (مختصر سیرۃ رسول: ۱۷۴)

مدینہ میں استقبال

جمعہ کے روز سید المرسلین ﷺ نے یثرب کی سرزمین پر اپنے مبارک قدم رکھے۔ تاریخ نے نئی کروٹ لی۔ یثرب کا نام مدینۃ الرسول ﷺ پڑ گیا (جسے اختصار سے مدینہ کہا جاتا ہے)۔

مدینہ کی گلیوں بازاروں میں ہر پیر و جوان جوش و خروش سے اللہ کی تقدیس و تحمید بیان کر رہا تھا، جب کہ انصار کی معصوم بچیاں خوشی و مسرت سے ترانے گا رہی تھیں: ؎

اَشْرَقَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا ۔۔۔ مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا ۔۔۔ مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ
اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا ۔۔۔ جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

ان پہاڑوں سے جو ہیں سوئے جنوب چودھویں کا چاند ہم پر چڑھا
کیسا عمدہ دین اور تعلیم ہے شکر واجب ہے ہمیں اللہ کا
ہے اطاعت فرض تیرے حکم کی بھیجنے والا ہے تیرا کبریا

(رحمۃ للعلمین: ص ۹۰، ج ۱)

آپ ﷺ اپنی سواری پر جان نثاروں کے جلو میں چلے جا رہے تھے۔ ہر شخص اونٹنی کی نکیل پکڑ کر میزبانی کا شرف بخشنے کی استدعا کرتا اور اس اعزاز کا متمنی ہوتا کہ عرب کا چاند اس کے آنگن میں اترے اور مہر تاباں سے اس کے درودیوار روشن ہو جائیں۔ لیکن سید ولد آدم ﷺ نے فرمایا، اس اونٹنی کو کھلا چھوڑ دیا جائے یہ آج کسی کے کہنے پر نہیں بلکہ امر ربی سے رکے گی اور میزبانی کا شرف آرزومندی سے نہیں بلکہ سعادت مندی سے نصیب ہو گا۔ اونٹنی چلتی گئی، چلتی گئی اور اس جگہ پر ٹھہر کر بیٹھ گئی جہاں آج مسجد نبوی ہے۔ آپ ﷺ نیچے تشریف فرما نہیں ہوئے اونٹنی اٹھ کر پھر چلنے لگی، آگے جا کر پھر واپس آئی اور پہلی جگہ پر ہی بیٹھ گئی۔ یہ محلہ آپ ﷺ کے ننھیال بنو نجار کا تھا جہاں آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ کے بھائیوں کا خاندان آباد تھا۔ سب نے عزت افزائی کی درخواست کی اور ہر شخص نے ساتھ لے جانے کی خواہش کی۔

امام بخاریؒ نے حضرت انسؓ کی روایت بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، ''یہاں سے کس آدمی کا گھر زیادہ قریب ہے؟'' سعادت مند ابوایوب انصاریؓ نے کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ رہا میرا گھر اور یہ اس کا ''دروازہ''۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ''ہمارے لیے قیلولہ کا بندوبست کردو'' ابوایوبؓ نے کہا، آپ ﷺ دونوں چلیں اللہ برکت دے گا۔

(صحیح بخاری: ۵۵۶/۱)

جس روز آپ ﷺ نے مدینہ کی ارض پاک پر اپنے مبارک قدم رکھے اسی روز

سے ہجری تاریخ کا سلسلہ شروع ہوا۔اس کا اجراء امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں کیا۔ (مختصر سیرۃ رسول: ص ۱۷۵)

مدینہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

مدینہ میں آنے کے بعد آپ کے بعض رفقاء بخار میں مبتلا ہو گئے۔حضرت بلالؓ کا یہ حال تھا کہ کرب ناک آواز سے کراہ رہے تھے اور مکہ کی فضاؤں اور چشموں کو یاد کر رہے تھے۔ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے اس صورت حال کی خبر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

اے اللہ! ہمارے نزدیک مدینہ کو اسی طرح محبوب بنا دے جس طرح مکہ تھا یا اس سے بھی زیادہ اور مدینہ کی فضا صحت افزا بنا دے اور صاع اور مُدّ میں برکت ڈال دے اور اس کا بخار منتقل کر کے جُحفہ پہنچا دے۔

مدینہ صحت افزا ہی نہیں بلکہ اطراف واکناف عالم کے لیے علم وآگہی اور رشد وہدایت کا مرکز بن گیا۔یہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سربراہی میں فکری اور عسکری قافلے نکلے جنہوں نے چاردانگِ عالم میں علم وعرفان کے پھریرے لہرا دیے اور فتح وکامرانی کے جھنڈے گاڑ دیے۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر

مدینہ کے محلہ بنونجار میں قیام کے دوران سب سے پہلا کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا کہ مسجد کی تعمیر کی۔مسجد اس جگہ بنائی گئی جہاں اونٹنی بیٹھی تھی۔وہ جگہ دو یتیم بچوں کی تھی۔انہیں بُلا کر جگہ کی قیمت ادا کی گئی اور پھر مسجد نبوی کی بنیاد رکھ دی گئی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس تعمیر میں شریک ہوئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب پتھر اٹھا کر لاتے تو زبان اقدس سے پکارتے:

اَللّٰهُمَّ لَاعَيْشَ اِلَّا عَيْشَ الْاٰخِرَة   فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَة

(اے اللہ! زندگی تو بس آخرت کی ہے۔ پس تو انصار اور مہاجرین کو معاف کر دے)

اور اس طرح بھی فرماتے:

هٰذَاالْحِمَالُ لَاحِمَالَ اِلَاخَيْبَرْ   هٰذَاابَرُّ رَبَّنَاوَ اَطْهَرُ

(یہ بوجھ خیبر کا بوجھ نہیں ہے۔ ہمارے پروردگار کی قسم! یہ زیادہ نیک اور پاکیزہ ہے)

جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس انداز کو دیکھتے تو ان کے جوش و خروش میں اضافہ ہو جاتا اور وہ بھی پکارنے لگتے:

لَئِنْ قَعَدْنَا وَالنَّبِيُّ يَعْمَلُ   لَذَاكَ مِنَّا الْعَمَلُ الْمُضَلَّلُ

(اگر ہم بیٹھے رہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کام کرتے رہیں تو ہمارا یہ کام گمراہی کا کام ہوگا)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی تعمیر کے لیے عام کارکنان کی طرح پتھر اور اینٹیں اٹھائیں۔ مسجد سے ملحقہ ازواج مطہرات کے حجرات و مساکن تعمیر کیے گئے جن کی دیواریں کچی اینٹوں سے استوار کی گئیں اور چھتیں کھجور کے تنوں اور پتوں سے ڈالی گئیں اور مسجد کا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ لیکن یہ پتھروں اور کچی اینٹوں سے بنی ہوئی مسجد مسلمانوں کی عبادت گاہ تھی اور پارلیمنٹ بھی جس میں جہاں بانی کے مشورے طے پاتے اور یہی مسجد عصری و مذہبی علوم کی یونیورسٹی بھی تھی جس میں اقوام عالم کی اخلاقی اقدار کو بلند کرنے اور ان کی دنیوی و اخروی کامیابی و کامرانی کے لیے قانون و اصول پڑھائے جاتے۔ اسی درس گاہ سے عرب کے گلہ بانوں نے ایسی تعلیم پائی کہ ان کے ناموں کو تاریخ انسانی نے کامیاب راہ نما اور راہ روکی حیثیت و مرتبہ سے اپنے دامن میں سمیٹ رکھا ہے۔

☆......☆......☆

غزوات و سرایا

غزوات وسرایا

قرآن حکیم اس بات پر شاہد ہے کہ حضور سرور کونین ﷺ کی عمر عزیز کا قابل ذکر حصہ اسلام کے مخالفین ومعاندین سے قتال وجدال میں بسر ہوا۔حق وباطل کے درمیان کئی معرکے ہوئے۔تاریخ نے ان محاربات کوغزوات وسرایا کے نام سے یادرکھا ہے۔اہل سیر نے غزوات وسرایا کی تعریف اس طرح کی ہے کہ جس فوجی مہم میں آپ ﷺ بنفس نفیس شریک ہوئے خواہ جنگ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہواس مہم کوغزوہ کہتے ہیں جس کی جمع غزوات ہے اور وہ فوجی مہم جس میں آپ ﷺ خود شریک نہ ہوئے ہوں اس کوسریہ کہتے ہیں جس کی جمع سرایا ہے۔آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہونے والے غزوات وسرایا میں پہلا بڑا معرکہ جوحق وباطل کے درمیان ہوا اُسے غزوۂ بدر کہتے ہیں۔اورقرآن مجید نے اس کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ○
(آل عمران ۳ : ۱۲۳)

جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے عین اس وقت تمہاری مدد کی جبکہ تم نہایت گری ہوئی حالت میں تھے۔اس لیے اللہ سے ڈرو تاکہ تمہیں شکرگزاری کی توفیق ہو۔

غزوۂ بدر

غزوۂ بدر پہلا بڑا معرکہ ہے جو اہل حق اور اہل باطل کے درمیان برپا ہوا۔

ابن ہشام نے اپنی تالیف سیرۃ ابن ہشام میں لکھا ہے کہ غزوہ وڈان (غزوہ ابواء)، سریۂ عبیدہؓ بن حارث، سریۂ حمزہؓ، غزوہ بواط، غزوۂ عشیرۃ، سریۂ سعد بن ابی وقاصؓ، سریۂ عبداللہ بن جحشؓ اور غزوۂ بدر اولیٰ کے نام سے ابتدائی طور پر چھوٹے چھوٹے معرکے ہوئے۔ ان چھوٹی بڑی جھڑپوں کے بعد اسلام اور کفر کے درمیان بدر کے مقام پر پہلا فیصلہ کن معرکہ ہوا۔

اسباب

ابوسفیان کی قیادت میں قریش کا تجارتی قافلہ شام سے واپس آ رہا تھا جس میں مخرمہ بن نوفل اور عمرو بن العاص بھی تھے۔ اس قافلہ میں قریش کے اونٹ اور ڈھیروں سامان تھا۔ جب اس کی اطلاع مدینہ منورہ میں رسول اکرم ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا، یہ قریش کا قافلہ ہے۔ اس میں ان کے اموال ہیں۔ پس تم ان کی طرف نکلو شاید تمہیں اللہ اس میں سے کچھ غنیمت دلا دے۔ آپ ﷺ کا ارشاد سن کر لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک قافلہ کی صورت میں نکلے جس کی قیادت آپ ﷺ خود فرما رہے تھے۔ (ابن ہشام: ج ا: ص ۶۰۷)

اُدھر قریش مکہ کو اطلاع مل گئی۔ ضمضم بن عمرو غفاری خبر لے کر مکہ پہنچا۔ اس نے وادی کے درمیان اپنا اونٹ ٹھہرایا، اس کی ناک کاٹ دی، کجاوا الٹ دیا، اپنا کرتا پھاڑ لیا اور چیخ چیخ کر پکارا:

اے قوم قریش! تمہارے سامان والے اونٹ! تمہارے سامان والے اونٹ! محمد ﷺ سے اپنا مال بچاؤ جو ابوسفیان لا رہا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ تم اسے پا سکو۔ فریاد! فریاد!

اس پکار کے بعد قریش مکہ نکل کھڑے ہوئے اور آلاتِ حرب سے لیس ایک بڑا قافلہ چل نکلا جس کی قیادت ابوجہل کر رہا تھا۔ جب کہ امیہ بن خلف، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن

ربیعہ اور دیگر سردارانِ قریش بھی ساتھ تھے۔مکہ سے نکلتے وقت تیرہ سو افراد پر مشتمل لشکر تھا۔جن کے پاس ایک سو گھوڑے، چھ سو زرہیں اور کثیر تعداد میں اونٹ تھے اور زبانوں پر یہ الفاظ تھے کہ محمد ﷺ کو ہمارا قافلہ روکنے کی جرأت کیوں کر ہوئی۔اِتراتے ہوئے اور فخر کرتے ہوئے، اپنے ہاتھوں میں ہتھیار اٹھا کر، اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے خار کھاتے ہوئے جوشِ انتقام سے چُور چلے جارہے تھے اور یہ بھی کہتے تھے کہ آپ ﷺ کے صحابہ کو اہلِ مکہ کا قافلہ روکنے کی جرأت کیسے ہوئی۔

قافلہ بچ نکلا

ابوسفیان کو اسلامی لشکر کے حملہ کی اطلاع مل چکی تھی اور وہ چوکنا اور خبردار ہو چکا تھا۔چنانچہ اس نے بدر کے مقام پر پہنچ کر معلومات حاصل کیں اور اسلامی لشکر کے متعلق جاننے کے بعد اپنا راستہ بدل لیا۔اور قریش مکہ کو بھی اطلاع کر دی کہ قافلہ بچ نکلا ہے۔

مکی لشکر اور ابوجہل

ابوسفیان کا پیغام سن کر شرکائے لشکر نے چاہا کہ واپس چلے جائیں لیکن ابوجہل کھڑا ہو گیا اور کہا، خدا کی قسم! ہم واپس نہیں جائیں گے۔حتی کہ بدر تک جائیں اور وہاں تین دن قیام کریں اور اس دوران اونٹ ذبح کریں گے، کھانا کھلائیں گے، شراب پلائیں گے، لونڈیاں گائیں گی، سارا عرب ہمارے سفر کا حال سنے گا تو ہماری دھاک بیٹھ جائے گی۔

اخنس بن شریق نے مشورہ دیا کہ واپس پلٹ جائیں لیکن اس کی بات نہ مانی گئی تو وہ بنو زہرہ کے تین سو افراد کو لے کر واپس چلا گیا جن کا وہ حلیف اور سردار تھا۔

بنو ہاشم بھی واپس جانا چاہتے تھے لیکن ابوجہل نے انہیں ایسا نہ کرنے دیا اور پیش قدمی کا سفر جاری رکھا اور بدر کے قریب پہنچ کر ایک ٹیلے کے پیچھے پڑاؤ ڈال دیا۔

لشکرِ اسلام کی پیش قدمی

لشکرِ اسلام رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں مدینہ سے نکلا تو مکہ جانے والی شاہراہ عام پر چلتا ہوا بئر روحاء تک پہنچ گیا۔ پھر آگے بڑھتے ہوئے مکے کا راستہ بائیں ہاتھ چھوڑ دیا اور دائیں جانب چلتے ہوئے لشکر نازیہ پہنچا۔ پھر نازیہ کے ایک گوشے سے گزر کر وادی رحقان پار کی، پھر درۂ صفراء سے گزر کر اترے اور وادی صفراء کے قریب جا پہنچے اور وہاں سے قبیلہ جہینہ کے دو آدمیوں بُسیس بن عمر اور عدی بن ابی الزغباء کو قافلے کے حالات کا پتہ لگانے کے لیے بدر روانہ کیا۔

رسول اللہ ﷺ کو اطلاع مل گئی کہ قافلہ بچ نکلا ہے اور یہ اطلاع بھی مل گئی کہ مکہ سے لشکر روانہ ہو چکا ہے۔ آپ ﷺ ابھی وادئ ذفران سے گزر رہے تھے۔ حالات کا جائزہ لے کر یقین کر لیا کہ اب خون ریز ٹکراؤ ہوگا اور ان حالات میں قریشی لشکر کا راستہ خالی بھی نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اگر ایسا ہوا تو وہ دندناتا ہوا مدینہ میں داخل ہوگا اور اپنی بالا دستی قائم کر لے گا جس سے اسلامی قوت کمزور ہوگی اور دیگر شدید قوتیں بھی اسلام کے خلاف برسرِ پیکار ہو جائیں گی۔

مجلس شوریٰ کا اجلاس

پیش آمدہ حالات وخطرات کے پیش نظر رسول کریم ﷺ نے اپنے احباب سے مشاورت کی اور انہیں تمام خطرات سے آگاہ کیا۔ اس صورت حال میں لشکر میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو ٹکراؤ کے لیے تیار نہیں تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ذکر ہوا ہے:

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ	جیسا کہ آپؐ کو آپؐ کے رب نے آپؐ
مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ	کے گھر سے حق کے ساتھ نکالا

وَاِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ٥ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ٥ (انفال ۸ : ۵،۶)

اور مومنین کا ایک گروہ اسے ناگوار سمجھ رہا تھا۔ وہ آپؐ سے حق کے بارے میں اس کے واضح ہو چکنے کے بعد جھگڑ رہے تھے گویا وہ آنکھوں دیکھتے موت کی طرف ہانکے جا رہے تھے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صورتِ حالات سب کے سامنے رکھی تو مہاجرین کے کمانڈروں میں سے حضرت ابوبکرؓ اٹھے اور عمدہ بات کی۔ پھر حضرت عمرؓ اٹھے انہوں نے بھی نہایت عمدہ بات کی۔ پھر حضرت مقداد بن عمروؓ اٹھے اور عرض کیا، اے اللہ کے رسولؐ! آپ کو اللہ نے جو راہ دکھائی ہے اس پہ چلتے رہیں ہم آپ کے ساتھ چلیں گے۔ ہم وہ بات نہیں کہیں گے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہی تھی:

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ٥ (المائدہ ۵ : ۲۴)

تم اور تمہارا رب جاؤ اور لڑو۔ ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔

اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اگر آپ ہمیں برک الغماد (ایک جگہ کا نام) تک بھی لے چلیں تو ہم راستہ والوں سے لڑتے بھڑتے وہاں تک پہنچ جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جرأت مندانہ خیالات سن کر ان کے لیے کلمہ خیر کہا اور ان کے لیے دعا فرمائی۔

اب تک کی ساری باتیں مہاجر کمانڈروں نے کی تھیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا لوگو! مجھے مشورہ دو۔ اس صورتِ حال کو انصاری کمانڈر حضرت سعدؓ بن معاذ نے بھانپ لیا اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! شاید آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں۔ تو انہوں نے عرض کیا:

ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی ہے اور شہادت دی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ لے کر آئے ہیں، سب حق ہے اور اس پر ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سمع وطاعت کا عہد و میثاق دیا ہے۔ لہٰذا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارادہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیش قدمی فرمائیں۔ اس ذات کی قسم! جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر ہمیں ساتھ لے کر اس سمندر میں کودنا چاہیں تو اس میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کود جائیں گے، ہمارا ایک آدمی بھی پیچھے نہیں رہے گا، ہمیں اس بات میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ کل دشمن سے ٹکرا جائیں۔ ہم مردانہ وار لڑنے والے جواں مرد ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے وہ جوہر دکھا دے کہ جنہیں دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ چلیں! اللہ برکت دے۔ انصاری کمانڈر حضرت سعدؓ بن معاذ کے خیالات سن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر خوشی کی لہر دوڑ گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نشاط کے ساتھ ارشاد فرمایا:

سِيْـرُوْا وَاَبْشِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ وَعَدَنِیْ اِحْـدَی الـطَّـائِفَتَيْنِ وَاللّٰهِ لَكَاَنِّیْ الْاٰنَ اَنْظُرُ اِلٰی مَصَارِعِ الْقَوْمِ۔ (ابن هشام ۱/۷۰۹)	چلو اور خوش ہو جاؤ کہ اللہ نے مجھ سے دونوں گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے۔ واللہ! اس وقت گویا میں بلا شبہ ان لوگوں کے پچھڑنے کے مقامات دیکھ رہا ہوں۔

نصرت کا وعدہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے جرأت مندانہ خیالات سن کر کوچ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اللہ نے میرے ساتھ نصرت کا وعدہ کیا ہے۔ قرآن مجید نے بھی اس بات کا تذکرہ کیا ہے:

وَاِذْ يَعِـدُكُـمُ الـلّٰهُ اِحْدَی الطَّآ ئِفَتَيْنِ	اور اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تم سے ان

اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ٥ (الانفال ۸ : ۷)

دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کر رہا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ آ جائے گی اور تم تمنّا کر رہے تھے کہ غیر مسلح جماعت تمہارے ہاتھ آ جائے اور اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ اپنے فرامین سے حق کا حق ہونا ثابت کر دے اور ان کافروں کی جڑ کاٹ کر رکھ دے۔

اللہ کا مومنوں کی جماعت سے یہ وعدہ تھا کہ یا تو تجارتی قافلہ تمہارے ہاتھ لگ جائے گا یا مکی لشکر پر تمہارا غلبہ ہو جائے گا اور تمہیں مال غنیمت بھی مل جائے گا۔ چنانچہ اس صورت میں زیادہ کامیابی تھی کہ دشمنوں سے مقابلہ ہو جس میں انہیں شکست فاش ہو۔ مسلمانوں کو غلبہ نصیب ہو، مال غنیمت بھی ہاتھ لگے اور کفر کے مقابلہ میں اسلام کی دھاک بھی بیٹھ جائے۔

بارش کا نزول

جنگ بدر میں اسلامی لشکر کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقام بدر میں بارش نازل فرمائی۔ مؤرخین اور جنگی ماہرین نے اس بات کی تائید کی ہے کہ بارش کا نزول مسلمانوں کی کامیابی میں مدد و معاون ثابت ہوا جس سے ریتلی زمین میں نقل و حرکت آسان ہو گئی۔ مسلمانوں کے لیے طہارت میں بھی آسانی ہوئی اور بارش کے نزول سے مسلمانوں کے دلوں سے شیطان کا وہ وسوسہ بھی نکل گیا کہ مسلمان قافلہ پانی سے دور ہے، وہ پیاسا رہے گا اور طہارت سے بھی محروم رہے گا۔ اس وسوسہ کے جانے سے مسلمانوں کا ایمان مضبوط ہوا۔ اس اہم واقعہ کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَ لِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ○ (الانفال ۸ : ۱۱)

یاد کرو جب اللہ تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا اپنی طرف سے چین دینے کے لیے اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تا کہ تمہیں اس کے ذریعے پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو رفع کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمہارے پاؤں جما دے

نقشہ احوالِ بدر

قرآن مجید نے بدر کے احوال بیان کیے ہیں کہ اسلامی لشکر قریب والے کنارے پر اور طاغوتی لشکر دور والے کنارے پر تھا، جب کہ تجارتی قافلہ نشیبی علاقے میں سے گزر گیا اور یہ تمام اسباب و واقعات اچانک پیدا ہو گئے، کیونکہ بدر کے مقام پر اسلام کی حقانیت کو ثابت کرنا اللہ کا مقصود تھا اور کمزور و قلیل جماعت کو غالب کرنا تھا تا کہ یہ دلیل ثابت ہو جائے کہ ایمانداروں کا راستہ کامیابی کا راستہ جب کہ مشرکین کا راستہ باطل اور گمراہی کا راستہ ہے۔

چنانچہ قرآن بیان کرتا ہے:

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ط وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ ۢبَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰي مَنْ حَيَّ عَنْ ۢبَيِّنَةٍ ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ (الانفال ۸ : ۴۲)

وہ وقت یاد کرو جب کہ تم پاس والے کنارے پر تھے اور وہ دُور والے کنارے پر۔ اور قافلہ تم سے نیچے تھا۔ اگر تم آپس میں وعدہ کرتے تو یقیناً تم وقت معین پر پہنچنے میں مختلف ہو جاتے لیکن اللہ کو تو ایک کام کر ہی ڈالنا تھا جو مقرر ہو چکا تھا تا کہ جو ہلاک ہو دلیل پر (یعنی یقین جان کر) ہلاک ہو اور جو

زندہ رہے دلیل پر (حق پہچان کر) زندہ رہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے)

آپ ﷺ کا خواب

غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے کامیابی کا وعدہ کیا۔ بارش نازل فرمائی، آسمان سے فرشتے بھی نازل کیے اور آپ ﷺ کو خواب میں دشمنوں کی تعداد کم کر کے دکھائی جس سے اسلامی سپاہ کے حوصلے بڑھ گئے۔ اگر تعداد زیادہ دکھائی جاتی تو صحابہؓ میں بددلی پیدا ہو سکتی تھی۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

(الانفال ۸ : ۴۳)

جب اللہ نے آپ کو خواب میں ان کی تعداد کم دکھائی اگر ان کی زیادتی دکھاتا تو تم بزدل ہو جاتے اور اس کام کے بارے میں آپس میں اختلاف کرتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ یقیناً وہ دلوں کے بھیدوں سے خوب آگاہ ہے۔

غزوہ کی تیاری

دونوں قافلے جب ایک دوسرے کو نظر آنے لگے اور آپ ﷺ کی نگاہ قریش پر پڑی تو فرمایا: ''یا اللہ! یہ قریش ہیں، یہ اپنے فخر و غرور کے ساتھ آ گئے ہیں، تیری مخالفت کرتے ہیں اور تیرے رسول کو جھٹلاتے ہیں، یا اللہ! تیری اُس مدد کا طالب ہوں جس کا تو نے وعدہ کیا ہے، یا اللہ! آج صبح ان کو ہلاک کر دے''۔

پھر جب آپ کی نگاہ عتبہ بن ربیعہ پر پڑی تو فرمایا:

''ان لوگوں میں سے اگر کسی میں کچھ بھلائی ہے تو اس سرخ اونٹ والے کے پاس ہوگی، اگر انہوں نے اس کی بات مانی تو راہ راست پر آجائیں گے''۔ (ابن هشام: ج ا: ص ۶۱۷)

اور ایسا ہوا بھی کہ جب مسلمانوں کا لشکر مشرکین نے دیکھا تو ان میں سے عمرو بن وہب نے کہا کہ میں نے اُن کا لشکر دیکھا ہے اُن میں کوئی چیز تو نہیں دیکھی لیکن لوگو! میں نے دیکھا کہ بلائیں موتوں کو اٹھائے لا رہی ہیں، یثرب کی اونٹنیوں پر موتیں دھری ہیں، ان لوگوں کے لیے ان کی تلواروں کے سوا نہ کوئی حفاظت کا سامان موجود ہے اور نہ کوئی پناہ گاہ ہے۔ میں تو یہی خیال کرتا ہوں کہ ان کا کوئی شخص تمہارے کسی شخص کو قتل کیے بغیر قتل نہ ہوگا جب وہ لوگ اپنی تعداد کے برابر تمہیں ختم کر دیں گے تو جینے میں کیا لطف رہ جائے گا، اب جو چاہو سو کرو۔

حکیم بن حزام نے عتبہ بن ربیعہ سے کہا کہ تو سردار ہے، تیری بات سب مانتے ہیں ،ان سے کہو کہ واپس پلٹ جائیں۔ عتبہ نے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''اے گروہ قریش! واللہ! تم محمدؐ اور اس کے ساتھیوں سے مقابلہ کر کے کیا کرو گے۔ اگر تم نے انہیں مار ڈالا تو ہمیشہ ایک شخص دوسرے کی صورت دیکھنے سے کراہت کرے گا کہ اس نے اپنے چچازاد بھائی یا خالہ زاد بھائی یا اپنے خاندان کے کسی شخص کو مار ڈالا۔ لہٰذا واپس پلٹ چلو اور محمد ﷺ کو سارے عرب کے مقابلے میں چھوڑ دو۔ اگر عربوں نے اسے ختم کر دیا تو یہ وہی بات ہے جسے تم چاہتے ہو، اگر اس کے سوا کوئی اور صورت پیش آئی تو اس کے سامنے یہ حقیقت ہوگی کہ جو سلوک اس سے تم کرنا چاہتے ہو وہ نہ کیا۔ لیکن ابوجہل کے سامنے یہ بات آئی تو اس نے کہا کہ محمد ﷺ کے ساتھیوں کو دیکھ کر عتبہ کا سینہ پھول گیا ہے، واللہ! ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ جب تک ہم میں اور ان میں اللہ فیصلہ نہ کر دے ہم واپس نہیں

جائیں گے۔

عتبہ بن ربیعہ کی صائب رائے کو ٹھکرا دیا گیا تو پھر ابو جہل اپنے ساتھیوں سمیت ایسا عبرت کا نشان بن گیا جس کی مثال رہتی دنیا تک قائم رہے گی۔ جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کی نگاہ میں آئیں تو رسول اکرمؐ نے اپنی فوج کو تیار کیا۔ ان کی صفوں کو درست کیا۔ جب صفیں درست کرتے ہوئے آپ ﷺ سواد بن غزیہؓ کے پاس سے گزرے تو وہ صف سے آگے بڑھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے پیٹ میں تیر کی نوک چبھوئی اور فرمایا، اے سواد! برابر ہو جاؤ۔ لیکن انہوں نے کہا، اللہ کے رسول ﷺ! آپؐ نے مجھے تکلیف دی ہے حالانکہ اللہ نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، آپ ﷺ مجھے بدلہ دیں۔

امام الانبیاء ﷺ بھی کمال عادل و منصف ہیں کہ اپنا شکم مبارک کھول دیا اور سواد سے فرمایا، آؤ! بدلہ لے لو۔ یہ دیکھتے ہی سوادؓ آپ ﷺ سے لپٹ گیا اور شکم مبارک کو بوسہ دینے لگا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ تمہیں کس بات نے اس پر ابھارا ہے؟ تو سوادؓ نے عرض کیا کہ حالات آپ ﷺ کے سامنے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ شاید میری آپ ﷺ سے آخری ملاقات ہو۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ میرا جسم آپ ﷺ کے جسم مبارک سے مس ہو جائے تو بڑی سعادت کی بات ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے اس کو دعائے خیر دی۔

آپ ﷺ کا سائبان

جب جنگ کی تیاری ہو رہی تھی تو انصاری کمانڈر حضرت سعد بن معاذؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم آپ کے لیے ایک سائبان تیار کرنا چاہتے ہیں تاکہ آپ اس میں قیام فرما ہوں اور آپ ﷺ کے پاس سواریاں تیار رہیں۔ اگر جنگ میں کامیابی نصیب ہو تو ہمارا مقصد حاصل ہو جائے گا اور اگر نتائج اس کے برعکس ہوں تو آپ ﷺ قوم سے جا ملیں۔ ہمارے پیچھے کچھ ایسے لوگ بھی رہ گئے ہیں کہ وہ آپ ﷺ کی محبت میں ہم

ے بھی آ گئے ہیں۔ پھر اگر جنگ ہوئی تو وہ پیچھے نہیں رہیں گے، آپ ﷺ کی حفاظت کریں
ے اور خیر خواہ ہو کر جہاد کریں گے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے سعدؓ کی بڑی تعریف کی اور ان کے
یے دعا فرمائی۔

جنگ کا آغاز

مقام بدر پر اسلامی فوج کے مقابلہ میں مشرکین کی فوج صف آرا ہوئی تو سب سے
پہلے جو شخص جہنم رسید ہوا وہ اسود بن عبدالاسد مخزومی تھا جو بڑا اڑیل اور بدمزاج تھا۔ وہ نکل کھڑا
ہوا اور کہا کہ اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ میں ان کے حوض سے پانی پیوں گا یا اسے توڑ ڈالوں گا یا
پنی جان دے دوں گا۔ وہ آگے نکلا تو سید الشہدا حضرت حمزہؓ اس سے مقابلے کے لیے آگے
بڑھے اور ایسا وار کیا کہ اس کی ٹانگ پنڈلی کے قریب سے کاٹ دی۔ ابھی وہ حوض کے پاس
نہیں پہنچا تھا کہ گر گیا۔ اس کی ٹانگ سے خون کے فوارے چھوٹ رہے تھے۔ وہ رینگتا ہوا
آگے بڑھا اور حوض میں جا گرا۔ حضرت حمزہؓ بھی اس کے پیچھے تھے وہیں اس پر وار کر کے اس کو
جہنم رسید کر دیا۔

اس کے بعد سردارانِ قریش میں سے عتبہ بن ربیعہ، اس کا بھائی شیبہ بن ربیعہ
اور اس کا بیٹا ولید بن عتبہ میدان میں نکلے اور مقابلہ کے لیے مبارزت طلب کی۔ ادھر
مسلمانوں میں سے تین انصاری نوجوان عوفؓ، معوذؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ میدان میں نکلے تو
عتبہ نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ جواب میں انہوں نے بتایا کہ ہم انصار ہیں۔ عتبہ نے کہا، ہمیں تم
سے کوئی سروکار نہیں۔ اُن میں سے کسی ایک نے پکارا، اے محمدؐ! ہماری قوم قریش میں سے ایسے
لوگ بھیجو جو ہمارے ہمسر ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا، اے عبیدہ بن حارثؓ! تم اُٹھو، اے حمزہؓ! تم اُٹھو، اے علیؓ!
تم اٹھو۔ یہ لوگ اٹھے اور مخالفین کے قریب گئے تو عتبہ نے پوچھا، تم کون ہو؟ تو عبیدہؓ بن حارث

نے کہا، میرے ساتھ حمزہؓ اور علیؓ ہیں۔عتبہ نے کہا: ہاں، اب ہمارے مد مقابل ہمارے ہم پلہ ہیں۔حضرت حمزہؓ نے شیبہ بن ربیعہ سے لڑائی کی اور اس کو مہلت ہی نہ دی اور حضرت علیؓ نے بھی ولید بن ربیعہ کو جلدی ہی قتل کر ڈالا لیکن عبیدہؓ اور عتبہ نے ایک دوسرے پر دو دو وار کیے۔ دونوں نے ہی ایک دوسرے کو بٹھا دیا اور نا قابل حرکت کر دیا۔اتنے میں حمزہؓ و علیؓ اپنے اپنے شکار سے فارغ ہو کر واپس پلٹے تو عتبہ کا کام تمام کر دیا اور اپنے ساتھی عبیدہؓ کو اٹھا کر صحابہؓ کے پاس لے گئے۔اس کے بعد عام جنگ چھڑ گئی۔

رسول اکرم ﷺ کی دعا

اسلامی لشکر کی صفیں درست کرنے کے بعد رسول اکرم ﷺ سائبان میں داخل ہو گئے آپ ﷺ کے معتمد رفیق حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی ساتھ تھے۔آپ بارگاہِ الٰہی میں دعا کرنے لگے:

اَللّٰھُمَّ اَنجِزلِی مَا وَعَدتَنِی. اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَنشُدُكَ عَهدَكَ وَوَعدَكَ. اَللّٰھُمَّ اِن تُهلَكْ هٰذِهِ العِصَابَةُ اليَومَ لَاتُعبَدُ، اَللّٰھُمَّ اِن شِئتَ لَم تُعبَدْ بَعدَ اليَومِ اَبَدًا. (الرحیق المختوم:۲۹۵)	اے اللہ! اپنا کیا ہوا وعدہ پورا کر۔اے اللہ! میں تجھے تیرا عہد و پیمان یاد دلاتا ہوں۔اے اللہ! اگر یہ جماعت آج ہلاک ہوگئی تو تیری عبادت نہیں ہوگی۔اے اللہ! اگر تو چاہے تو آج کے بعد کبھی تیری عبادت نہ ہوگی۔

یہ دعا کرتے کرتے آپ ﷺ کے کندھے سے چادر مبارک گر گر جاتی تھی۔حضرت ابوبکرؓ پکار اٹھے، اے اللہ کے رسول ﷺ! دعاؤں میں کمی فرمائیں، اللہ نے جو وعدہ کیا ہے ضرور پورا فرمائیں گے۔

بشارت فتح

آپ ﷺ نے اپنا سر مبارک اوپر اٹھایا اور فتح کی بشارت دی۔

''اے ابوبکرؓ! خوش ہو جاؤ کہ تمہارے پاس اللہ کی مدد آ گئی۔ یہ جبریل ہیں گھوڑے کی باگ تھامے ہوئے، اسے کھینچ رہے ہیں اور اس کے سامنے کے دانتوں پر غبار ہے''۔ پھر اپنے خیمے سے باہر آئے اور مومنین کو ترغیب دلاتے ہوئے فرما رہے تھے، اُس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، آج جو بھی شخص ان لوگوں سے جنگ کرے گا اور صبر سے ثواب سمجھ کر قتل ہو جائے گا، آگے بڑھتا ہوا ہو گا پیٹھ پھیرنے والا نہ ہو گا تو اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ (ابن ھشام: ۲۱۷)

فرشتوں کا نزول

آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو وعدہ یاد دلایا اور میدان جنگ میں اس سے مدد مانگی تو اللہ نے قبول فرمائی اور مدد کے لیے فرشتے نازل کیے۔ جس طرح قرآن میں ذکر ہوتا ہے:

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُرْدِفِیْنَ۝ (الانفال ۸ : ۹)	اس وقت کو یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی کہ میں تمہاری ایک ہزار فرشتے سے مدد کروں گا جو لگاتار چلے آئیں گے۔

کافروں کی بڑی تعداد کے مقابلہ میں مسلمانوں کی بے سروسامان مختصر سی جماعت تھی۔ چنانچہ اسلامی لشکر کے سالارِ اعلیٰ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے اللہ سے مدد مانگی تو اللہ نے مدد کے لیے فرشتے نازل کر دیے۔

کنکریاں پھینکنا

فرشتوں کے نزول کی خبر پا کر آپ ﷺ اپنے اصحابؓ کو فتح کی بشارت دیتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ قریش کی طرف متوجہ ہو کر فرما رہے تھے،

"شَاهَتِ الْوُجُوْهُ" (ان کے چہرے بگڑ جائیں) اور اپنی مٹھی میں کنکریاں اٹھا کر قریش کی طرف پھینکیں جن کا تذکرہ اللہ نے قرآن میں اس طرح کیا ہے:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ — اور آپؐ نے (کنکریوں کی مٹھی) نہیں پھینکی بلکہ وہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔ (الانفال ۸ : ۱۷)

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر کر کنکریاں قریش کی طرف پھینکیں تو اللہ نے ان میں ایسی تاثیر پیدا کر دی کہ کفارِ قریش کی آنکھیں چندھیا گئیں اور انہیں کچھ دکھائی سجھائی نہیں دیتا تھا۔

ابوجہل کا قول اور انجام

ابوجہل و دیگر سردارانِ قریش نے مکہ سے نکلتے وقت دعا کی کہ اے اللہ! ہم میں سے جو تیرا زیادہ نافرمان اور قاطع رحم ہے کل تو اُسے ہلاک کر دے۔ ان کے خیال میں مسلمان زیادہ قاطع رحم تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح سے ہم کنار کیا تو کافروں کو مخاطب کر کے کہا کہ تم حق و باطل کے درمیان فیصلہ مانگتے تھے، اب جان لو کہ فیصلہ تمہارے سامنے آچکا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (انفال ۸ : ۱۹)

اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تمہارے سامنے آچکا ہے اور اگر باز آجاؤ تو یہ تمہارے لیے نہایت خوب ہے اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے تو پھر ہم بھی وہی کام کریں گے اور تمہاری جمعیت تمہارے ذرا بھی کام نہ آئے گی گو کتنی زیادہ ہو اور واقعی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

ابوجہل نے میدان جنگ میں آنے سے پہلے اللہ سے فیصلہ طلب کیا۔ اللہ نے

میدان جنگ میں فیصلہ کر دیا۔ حق کو فتح نصیب ہوئی اور باطل سرنگوں ہو گیا جب کہ باطل پرستوں کو عبرت ناک انجام سے دوچار ہونا پڑا۔ بڑے بڑے مغرور دشمنانِ اسلام تہ تیغ ہوئے۔ عتبہ وشیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ پہلے ہی مرحلے میں واصل جہنم ہوئے۔ طاغوتِ اکبر ابوجہل بھی شرم ناک طریقے سے موت کے گھاٹ اُتر گیا۔

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل میدانِ جنگ میں یہ اشعار پڑھتا ہوا آیا تھا۔

مَا تَنْقِمُ الْحَرْبُ الْعَوَانُ مِنِّی   بَازِلُ عَامَیْنِ حَدِیثٌ سِنِّی

لِمِثْلِ هٰذا وَلَدَ تْنِی اُمِّی

''جن جنگوں میں بار بار معرکے ہوتے ہیں ایسی جنگیں بھی مجھ سے انتقام نہیں لے سکتیں۔ میں اونٹ کا دوسالہ پٹھہ، تیز دانتوں والا ہوں۔ میری ماں نے مجھے ایسے ہی کاموں کے لیے جنا ہے۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بیان کرتے ہیں کہ میدانِ جنگ میں چھوٹی عمر کے دو نوجوان میرے دائیں بائیں آ کھڑے ہوئے۔ ان میں سے ایک نے پوچھا کہ چچا جان! دشمنوں کی صف میں ابوجہل کون ہے؟ میں نے پوچھا کہ بھتیجے تم کیوں پوچھتے ہو؟ جواب دیا کہ میں نے سنا ہے کہ وہ ہمارے آقا محمد کریم ﷺ کو گالیاں دیتا ہے۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے آج اس کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ ننھے مجاہد کے خیالات سن کر مجھے تعجب ہوتا ہے، میں ابھی اس کیفیت میں ہوں کہ دوسرا نوجوان بھی یہی سوال کرتا ہے۔ اسی اثنا میں مجھے ابوجہل نظر آتا ہے میں نے کہا، جوانو! وہ سامنے ہے جس کے متعلق تم سوال کرتے ہو۔ میں نے ابھی اشارہ ہی کیا تھا کہ وہ دونوں نوجوان شکرے کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے اور آن واحد میں اپنی تلواروں سے اسے زمین بوس کر دیا اور کامیاب ہو کر دونوں حضور سرور انبیاء ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے

اور اپنی کامیابی کی نوید سنائی۔ آپ ﷺ نے استفسار کیا کہ کس نے قتل کیا؟ تو ہر ایک نے جواب دیا کہ میں نے قتل کیا ہے۔ آپ ﷺ نے دونوں کی تلواریں دیکھ کر فرمایا کہ تم دونوں نے قتل کیا ہے۔ دونوں نوجوان معاذ بن عمروؓ بن جموح اور معوذ بن عفراءؓ تھے۔

معرکہ حق و باطل جب اختتام کو پہنچا تو حضور ﷺ نے پوچھا کہ کوئی بتائے کہ ابوجہل کا کیا انجام ہوا؟ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ نے ڈھونڈتے ہوئے دیکھا کہ ابوجہل زمین پہ گرا ہوا موت و حیات کی کشمکش میں ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنا پاؤں اس کی گردن پہ رکھا اور گردن کاٹنے سے پہلے اس کی داڑھی پکڑ کر کہا، اے اللہ کے دشمن! بتا تجھے اللہ نے رسوا کیا ہے یا نہیں؟ لیکن کبر و غرور سے بھرے ہوئے طاغوتِ اکبر نے کہا کہ میں کیسے رسوا ہو سکتا ہوں کہ تم لوگوں نے جتنے افراد کو قتل کیا، اُن میں مجھ سے بڑا کوئی انسان نہیں پھر عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا، اے بکریوں کے چرواہے! تو اس وقت بڑی اونچی جگہ پر چڑھا ہوا ہے۔ اسی اثناء میں عبداللہ بن مسعودؓ نے ابوجہل کا سر کاٹ لیا اور لا کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا اور کہا کہ یہ اللہ کے دشمن ابوجہل کا سر ہے۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا:

اَللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ — اللہ ہی وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

پھر فرمایا:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ ۔ (الرحیق المختوم: ۳۰۲)

اللہ سب سے بڑا ہے۔ تمام حمد اللہ کی ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے نے لشکروں کو شکست دی

اور پھر فرمایا، چلو! مجھے وہ دکھاؤ۔

مسلمانوں کے دو اصول

سورہ انفال میں جنگ بدر کے حالات و واقعات اور انعامات و اکرامات کا ذکر

کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دو اُصولوں کا ذکر کیا ہے کہ حالت جنگ ہو یا حالت امن، مسلمان اپنے اصولوں کی پاسداری کرتے ہیں۔ وہ دو اُصول ہیں "اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ" قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

(الانفال ۸ : ۲۰، ۲۱، ۲۲)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو اور اس سے روگردانی مت کرو سنتے جانتے ہوئے۔ اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم نے سن لیا حالاں کہ وہ سنتے کچھ نہیں ۔ بے شک بدترین مخلوق اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے، گونگے ہیں اور سمجھتے نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو کہتے تھے ہم نے سن لیا جب کہ حقیقت میں وہ بات کو سنتے ہی نہیں تھے۔ سمع وطاعت مسلمانوں کا شعار ہے اور اعراض وانکار کافروں کا شیوہ ہے۔ وہ سن کر سمجھتے نہیں اور نہ ہی اقرار کرتے ہیں۔ کان اور زبان رکھتے ہوئے بھی بہرے اور گونگے ہیں۔ دوسری جگہ اس طرح بیان ہوا ہے:

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝

(الاعراف ۷ : ۱۷۹)

ان کے دل ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں ان کی آنکھیں ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں۔ یہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔ یہ لوگ بے خبر ہیں۔

دل، آنکھ اور کان رکھتے ہوئے بھی فہم، بصارت اور سماعت سے محروم شخص چوپایوں سے بھی بدتر ہے۔

ثابت قدمی

ایمان والوں کو حکم ہوتا ہے کہ جب کفار سے تمہاری مڈبھیڑ ہو جائے تو پشت پھیر کر بھاگنا نہیں بلکہ ثابت قدمی سے مقابلہ کرنا ہے۔ پشت پھیر کر بھاگنے والا شخص خائب و خاسر ہوگا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ٥ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ٥ (الانفال ۸: ۱۵، ۱۶)	اے ایمان والو! جب تم کافروں سے دُو بدُو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرنا اور جو شخص ان سے اس موقع پر پشت پھیرے گا مگر ہاں جو لڑائی کے لیے پینترا بدلتا ہو یا جو اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو وہ مستثنیٰ ہے باقی اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کے غضب میں آئے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے۔

مسلمانوں کو میدان جنگ میں پیٹھ پھیرنے کی اجازت نہیں لیکن تَحَرُّف اور تَحَيُّز کی اجازت ہے۔

تَحَرُّف

میدان جنگ میں لڑتے لڑتے جنگی چال کے طور پر پینترا بدل کر ایک طرف ہو جائے، دشمن سمجھے کہ شکست خوردہ ہو کر میدان سے بھاگ نکلا ہے لیکن وہ چال بدل کر پھر

اچانک حملہ کردے، اس کو پشت پھیرنا نہیں کہتے بلکہ یہ جنگی چال ہے۔

تَحَیُّز

کوئی مجاہد لڑتا لڑتا تنہا رہ جائے تو وہ کسی بہانے سے ایک طرف ہو جائے تا کہ اپنی جماعت کی پناہ حاصل کرے جس کی مدد سے وہ دوبارہ حملہ کر سکے یہ بھی پیٹھ پھیرنا نہیں بلکہ جنگی چال ہے۔

غزوۂ بدر کے نتائج

غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح سے سرفراز کیا اور مشرکوں کو شکست سے ہم کنار کیا۔

بڑے بڑے سردار اور رؤساء میدان جنگ میں مارے گئے۔ ابو جہل، امیہ بن خلف، عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ سمیت ستر دشمنانِ اسلام مارے گئے اور ستر ہی قید کر لیے گئے۔

اس غزوہ میں فتح سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوئے اور پورے عالم عرب میں ان کے شان و شکوہ کی دھاک بیٹھ گئی۔

کامیاب ہونے کے بعد کافروں کا مال و اسباب غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

ابلیس کا فرار

مشرکین جب مقابلہ کے لیے میدان جنگ میں آئے تو پیچھے سے انہیں اپنے حریف قبیلہ بنو بکر بن کنانہ سے خطرہ تھا کہ کہیں وہ انہیں نقصان نہ پہنچا دے۔ چنانچہ شیطان بنو بکر بن کنانہ کے سردار سراقہ بن مالک کی شکل میں مشرکین کے پاس آیا اور اُن کا حوصلہ بڑھانے لگا اور اپنی حمایت کا یقین دلایا۔ مگر جب شیطان نے میدانِ جنگ میں ملائکہ کا نزول

دیکھا اور اسے مسلمانوں کی فتح کے آثار دکھائی دیے تو ایڑیوں کے بل بھاگ کھڑا ہوا۔ قرآن مجید میں اس کے بھاگنے کا بیان اس طرح ہوا ہے:

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○

(الانفال ۸ : ۴۸)

جب کہ ان کے اعمال کو شیطان انہیں زینت دار دکھا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ لوگوں میں سے کوئی بھی تم پر غالب نہیں آ سکتا۔ میں خود بھی تمہارا حمایتی ہوں لیکن جب دونوں جماعتیں نمودار ہوئیں تو اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹ گیا اور کہنے لگا میں تو تم سے بری ہوں، میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔

مال غنیمت کی تقسیم

پہلی امتوں کے لیے جنگوں سے حاصل ہونے والا مال غنیمت مباح نہیں تھا جب کہ اس امت کے لیے مال غنیمت حلال قرار دیا گیا اور اس کی تقسیم بھی بتا دی گئی۔ قرآن مجید میں ذکر ہوا ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا

جان لو کہ تم جس قسم کی جو کچھ غنیمت حاصل کرو اس میں سے پانچواں حصہ تو اللہ کا اور رسول کا ہے اور قرابت داروں کا اور یتیموں اور مسکینوں کا اور مسافروں کا، اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس چیز پر جو ہم نے

يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌO
(الانفال ۸ : ۴۱)

اپنے بندے پر اس دن اتاری جودن حق و باطل کے امتیاز کا تھا جس دن دو فوجیں بھڑ گئی تھیں اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اسیرانِ بدر

جنگ کے اختتام پر قیدیوں کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ سے مشورہ کیا کہ ان سے کیا سلوک کیا جائے تو حضرت ابوبکرؓ نے مشورہ دیا کہ یہ قیدی بن کر آنے والے سارے ہمارے خاندان سے اور ہمارے بھائی بند ہیں، لہٰذا ان سے فدیہ لے کر انہیں آزاد کر دیا جائے جب کہ حضرت عمر فاروقؓ نے رائے دی کہ میری رائے حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے مختلف ہے۔ میرا فلاں عزیز میرے حوالے کریں تا کہ میں اس کی گردن اڑا دوں، حضرت علیؓ کے حوالے عقیل بن ابی طالب اور حضرت حمزہؓ کے حوالے اس کے فلاں بھائی کو کیا جائے تا کہ دشمنوں کو پتہ چلے ہمارے دلوں میں مشرکین کے لیے کوئی جگہ نہیں ۔حضور سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے بدری قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ کو اس طرح مشرک قیدیوں کی آزادی پسند نہ آئی چنانچہ وعید نازل فرمائی:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ط تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ط وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌO
(الانفال ۸ :۶۷)

نبی کے ہاتھ میں قیدی نہیں آنے چاہئیں جب تک کہ ملک میں اچھی طرح خونریزی نہ ہو جائے ۔تم تو دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ کا ارادہ آخرت کا ہے اور اللہ زور آور حکمت والا ہے۔

غزوۂ اُحد

غزوۂ اُحد کا پس منظر

مسلمانوں اور کافروں کے درمیان پہلا بڑا معرکہ ۲ ہجری میں ۱۷ رمضان المبارک کو بدر کے مقام پر ہوا جس میں مسلمانوں کو عظیم کامیابی نصیب ہوئی اور لشکر کفار کے ستر (۷۰) افراد جہنم رسید ہوئے جن میں بڑے بڑے جنگ جو اور نامور جرنیل بھی تھے۔ اس ناکامی پر کفار بڑے مشتعل تھے۔ بالخصوص وہ لوگ جن کے باپ، بھائی اور بیٹے جنگ بدر میں مارے گئے تھے۔ چنانچہ تقریباً ایک سال بعد ۳ھ شوال میں کافروں کا لشکر مسلمانوں سے لڑائی کے لیے اُحد کے مقام پر آن پہنچا۔ اس ایک سال میں ان کی مسلمانوں کے ساتھ مختلف مقامات پر چھوٹی چھوٹی جھڑپیں بھی ہوئیں۔ مثلاً غزوۂ بنو سلیم، غزوۂ بنو قینقاع، غزوۂ سویق، غزوۂ ذی امر، غزوۂ بحران اور سریہ زید بن حارثہ۔ اس لحاظ سے مسلمانوں کا سارا سال جنگی مہمات میں گزرا۔ مسلمانوں کو قریش کے اشتعال کی خبریں موصول ہوتی رہتی تھیں۔ قریش نے جنگ کی تیاری کے لیے ابوسفیان کے تجارتی قافلہ کا سارا سامان روک رکھا تھا اور فیصلہ کر لیا تھا کہ سارا مال مسلمانوں کے ساتھ جنگ پر خرچ ہوگا۔ قرآن نے اس کے بارے میں کہا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ (الانفال ۸ : ۳۶)	یقیناً کافر اپنے اموال اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ عنقریب یہ اور خرچ کریں گے مگر پھر یہ ان کے لیے باعث حسرت ہوگا پھر مغلوب ہو جائیں گے۔

مکی لشکر کی تیاری اور روانگی

قریش مکہ نے ایک سال میں جنگ کی بھرپور تیاری کی۔ اپنے حلیف قبائل کو بھی جنگ کی دعوت دی اور تین ہزار افراد پر مشتمل فوج تیار کی جس کے پاس تین ہزار اونٹ اور دو سو گھوڑے تھے جب کہ سات سو زرہیں تھیں۔ ابو سفیان کو مکی لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ گھڑ سوار رسالے کی کمان خالد بن ولید کو دی گئی اور عکرمہ بن ابی جہل کو معاون بنایا گیا اور جنگی پرچم قبیلہ بنو عبدالدار کے سپرد کیا گیا۔ انتقام کے جذبہ سے بھرپور اور غم وغصہ سے بل کھاتا ہوا یہ لشکر مدینہ کی جانب روانہ ہوا۔ مکہ میں مکین حضرت عباس بن عبدالمطلب نے مکی لشکر کی تمام حرکات وسکنات کی تمام تفصیلات اپنے ایک پھرتیلے قاصد کے ذریعے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ارسال کر دیں جس نے تقریباً پانچ سو کلومیٹر کا سفر صرف تین دن میں طے کیا۔

اسلامی لشکر کی تیاری

رسول کریم ﷺ کو اطلاع مل گئی کہ مکی لشکر مدینہ کی جانب پیش قدمی کر چکا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے جرنیل صحابہ کو مشاورت کے لیے طلب کیا۔ شوریٰ کے اجلاس میں آپ ﷺ نے رائے دی کہ جنگ مدینہ کے اندر لڑی جائے تا کہ مسلمان محفوظ رہ کر جنگ کر سکیں۔ دشمنوں کی فوج اگر باہر قیام کر کے واپس پلٹ جائے تو یہ تمام بے فائدہ ہوگا اور اگر وہ شہر پر حملہ کریں تو مسلمان بازاروں اور گلیوں کے مورچوں پر بہتر طریقے سے اپنا دفاع کر سکیں گے اور مکانوں کی چھتوں پر سے عورتیں اور بچے بھی دشمنوں پر خشت باری کر سکیں گے۔ لیکن صحابہ میں وہ افراد جو غزوۂ بدر میں شرکت سے محروم رہ گئے تھے، اُن کی شدت سے رائے تھی کہ شہر سے باہر نکل کر دشمنوں کا مقابلہ کیا جائے۔ بعض نے یہ بھی کہا کہ ہم تو اِس دن کی تمنا کیا کرتے تھے اور اللہ سے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اب اللہ نے یہ موقع فراہم کیا ہے تو آپ ﷺ میدان میں نکل کر مقابلہ کریں۔ انہی جذبات کی نشان دہی قرآن نے کی ہے:

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ. (ال عمران ۳: ۱۴۳)

جنگ سے پہلے تو تم شہادت کی آرزو میں تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ بھی انہی جذبات سے سرشار تھے کہ دشمنوں کا مقابلہ شہر سے باہر میدان میں کیا جائے۔ اگرچہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا مشورہ بھی یہ تھا کہ جنگ شہر کے اندر رہ کر لڑی جائے مگر اس کی رائے کے پیچھے نفاق چھپا ہوا تھا وہ کھل کر دشمنوں کے سامنے آنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

الغرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ جمعہ میں فرمایا کہ مومنو! تیار ہو جاؤ دشمن سے مقابلے کی تیاری کرو۔ پھر نماز عصر ادا کی گئی۔ نماز کے بعد آپ گھر تشریف لے گئے۔ اندر جا کر آپؐ نے لباسِ حرب پہنا، سر پر عمامہ باندھا اور زرہ پوش ہو کر باہر نکلے اور فرمایا، آؤ! نکلو میدان میں چلیں۔ اب جن پُر جوش صحابہؓ نے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا تھا اُنہیں ندامت محسوس ہوئی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مشورے سے رنجیدہ خاطر ہوئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ جہاں پسند فرمائیں لڑیں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں، آپ چاہیں تو شہر کے اندر رہ کر مقابلہ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لباسِ حرب پہن لینے کے بعد کسی نبی کے شایانِ شان نہیں کہ وہ اللہ کے فیصلے کے بغیر واپس ہو یا لباس اتارے۔ اب لڑائی دو بدو میدان جنگ میں ہوگی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌO (ال عمران ۳: ۱۲۱)

اے نبیؐ! اس وقت کو یاد کریں جب صبح ہی صبح آپ اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو میدان جنگ میں لڑائی کے مورچوں پر باقاعدہ بٹھا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔

اسلامی لشکر جنگ میں ایمانی جرأت کا مظاہرہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا اور اس کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک مہاجرین، دوسرا انصار کے قبیلہ اوس اور تیسرا انصار کے قبیلہ خزرج کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کا پرچم مصعبؓ بن عمیر کو عطا کیا اور اوس کا اسیدؓ بن حضیر کو جب کہ خزرج کا پرچم حبابؓ بن منذر کو عطا کیا۔ ایک ہزار نفوس پر مشتمل یہ لشکر جس کے پاس ایک سو زرہیں اور پچاس سواریاں تھیں میدان کارزار کی طرف روانہ ہوا۔

توکل علی اللہ

مومنوں کی جماعت کے پاس سامانِ حرب اور اونٹ و گھوڑے کم لیکن ذاتِ کبریاء پر بھروسہ اور توکل بدرجہ اتم موجود تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (آل عمران ۳ : ۱۲۲)	اللہ تعالیٰ ان کا ولی اور مددگار ہے اور اُسی پر مومنوں کو بھروسہ کرنا چاہیے۔

مومنوں کی جماعت اللہ پر توکل اور جذبہ شہادت سے سرشار میدان جنگ میں اتری۔

نصر من اللہ

غزوۂ احد میں شریک ہونے والے اسلامی لشکر کے نفوس قدسیہ کو اُن کے سالارِ اعلیٰ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بارگاہ ربّ نصیر سے مدد و تعاون کا بھرپور یقین دلایا گیا اور اس غالب حکمتوں والے ربّ کی طرف سے نصرت کا یقین بلاشبہ اسلامی لشکر کی طمانیتِ قلب کا باعث بنا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ (آل عمران ۳ : ۱۲۶)	اور یہ تو محض تمہارے دل کی خوشی اور اطمینان قلب کے لیے ہے ورنہ مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے جو غالب حکمتوں والا ہے۔

ملائکہ کی بشارت

غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مدد کے لیے آسمان سے فرشتے نازل کیے تھے جو یقیناً مومنوں کی حوصلہ افزائی کا باعث بنے۔ جنگِ اُحد میں بھی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی دلجوئی اور تسلی کے لیے آسمانی ملائکہ کے نزول کی بشارت دی۔ جیسا کہ قرآن میں موجود ہے:

بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ٥ (اٰل عمران ۳ : ۱۲۵)

کیوں نہیں، بلکہ اگر تم صبر اور پرہیزگاری کرو اور یہ لوگ اسی دم تم پر حملہ آور ہو جائیں تو تمہارا رب تمہاری مدد پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا جو نشان دار ہوں گے۔

مومنوں کی کمزور جماعت جو سامانِ حرب اور سواریوں سے محروم تھی اللہ تعالیٰ نے ان کے حوصلے بلند کرنے اور انہیں ثابت قدم رکھنے کے لیے آسمانی فرشتوں کے نزول کی بشارت دی۔

مومنوں کے دو اصول

مومنوں کی کامیابی کے دو اصول ہیں اَطِيْعُوا اللّٰهَ اور اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت۔ قرآن مجید میں اس کا جا بجا ذکر ہوا ہے۔ غزوۂ اُحد کے احکامات کے نزول کے موقع پر بھی اعلان کیا گیا کہ مومنوں کی کامیابی کی ضمانت صرف اسی بات میں پنہاں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی جائے، تیسری کوئی ذات نہیں جو اس منصب کے لیے قابل التفات ہو۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ٥ (اٰل عمران ۳ : ۱۳۲)

اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

منافقین کا کردار

اسلامی لشکر امام الانبیاء ﷺ کی قیادت میں اُحد کے قریب مقام شوط میں پہنچا جہاں نماز فجر ادا کی گئی۔ اب دونوں لشکر اتنے فاصلہ پر تھے کہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ان حالات میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے یہ بہانہ بنایا کہ مدینہ میں قلعہ بند ہو کر لڑنے کا میرا مشورہ تسلیم نہیں کیا گیا اس لیے میں اپنے رفقاء سمیت جنگ میں شریک نہیں ہوسکتا، اور وہ اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس پلٹ گیا۔ اس مقام پر واپس جانے کا مطلب دشمنوں کے حوصلے بڑھانا اور اسلامی لشکر میں اضطراب پیدا کر کے ان کے حوصلے کمزور کرنا تھا۔ چنانچہ ایسا ہوا بھی کہ قبیلہ اوس میں بنو حارثہ اور قبیلہ خزرج میں سے بنوسلمہ بھی مضطرب ہو کر واپسی کا سوچنے لگے۔ لیکن رب تعالیٰ نے دستگیری فرمائی اور اُن کے اُکھڑے ہوئے قدم پھر جم گئے۔ قرآن بیان کرتا ہے:

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (آل عمران ۳ : ۱۲۲)	جب تم میں سے دو جماعتوں نے قصد کیا کہ بزدلی اختیار کریں اور اللہ ان کا ولی ہے اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔

منافقین کے گھناؤنے کردار کے بارے میں دوسری جگہ اس طرح ارشاد ہوتا ہے:

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ	اور تاکہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ جان لے جنہوں نے منافقت کی۔ اور ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑائی کرو یا دفاع کرو تو انہوں نے کہا کہ اگر ہم جانتے کہ لڑائی ہوگی تو یقیناً تمہاری پیروی کرتے۔ یہ لوگ اس دن ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔

يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۝

منہ سے ایسی بات کہتے ہیں جو دل میں نہیں اور یہ جو کچھ چھپاتے ہیں اللہ اسے جانتا ہے

(آلِ عمران ۳: ۱٦۷)

حکمتِ عملی

منافقین کے واپس پلٹ جانے کے بعد مسلمانوں کی تعداد صرف سات سورہ گئی جنہیں لے کر آپ ﷺ اُحد پہاڑ کی اوٹ میں چلے گئے۔ اب پیچھے پہاڑ تھا جب کہ سامنے مکی لشکر جو مسلمانوں اور مدینہ کے درمیان تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے لشکر کو بہترین حکمت عملی سے ترتیب دیا۔ عبداللہ بن جُبیرؓ کی قیادت میں پچاس ماہر تیر اندازوں کا دستہ ترتیب دیا جنہیں پچھلی جانب ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلے پر جبل رماۃ پر تعینات کیا اور ہدایت فرمائی کہ پچھلی جانب سے دشمنوں کا کوئی دستہ حملہ نہ کرنے پائے اور یہاں تک تلقین فرمائی کہ خواہ ہم جیتیں یا ہاریں کسی صورت میں اپنی جگہ کو نہیں چھوڑو گے جب تک کہ میں نہ بلا بھیجوں۔ اور باقی لشکر کے دائیں جانب کی کمان منذر بن عمروؓ اور بائیں جانب کی کمان زبیر بن عوامؓ کے سپرد کی جب کہ لشکر کے لیے کیمپ اونچی جگہ بنایا گیا تا کہ فتح و شکست دونوں صورتوں میں محفوظ مقام ہو۔

تمام لشکر کو اعلیٰ جنگی حکمت عملی سے ترتیب دے کر فرمایا: جب تک میں حکم نہ دوں جنگ شروع نہ کی جائے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی تیز ترین تلوار نیام سے نکالی اور فرمایا کہ کون ہے جو اس کا حق ادا کرے گا؟ تلوار لینے کے لیے جرنیل صحابہ عمر بن خطابؓ، علی بن ابی طالبؓ اور زبیر بن عوامؓ سمیت آگے بڑھے لیکن ابو دجانہؓ نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ آقا! اس کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، حق یہ ہے کہ اسے لے کر دشمن کے چہرے کو مارے یہاں تک کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے۔ انہوں نے کہا، یارسول اللہ ﷺ! مجھے عطا فرمائیں، میں اس کا حق ادا کروں گا۔

ابودجانہؓ بڑے جنگجو اور بہادر شخص تھے۔لڑائی میں اکڑ کر چلتے تھے ان کے پاس ایک سرخ پٹی تھی جب جنگ میں سر پر باندھ لیتے تو لوگ کہتے کہ اب ابودجانہؓ موت تک لڑیں گے۔انہوں نے حضور ﷺ کی تلوار ہاتھ میں لی، سرخ پٹی سر پر باندھی اور دونوں لشکروں کے درمیان اکڑ کر چلنے لگے جنہیں دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ چال اللہ کو ہرگز پسند نہیں لیکن اس موقع پر ایسا نہیں ہے۔ابودجانہؓ نے اس وقت یہ شعر پڑھے:

اَنَا الَّذِیْ عَاهَدَنِیْ خَلِیْلِیْ　　وَنَحْنُ بِالسَّفْحِ لَدَی النَّخِیْلِ

اَلَّا اَقُوْمَ الدَّهْرَفِی الْکُیُوْلِ　　اَضْرِبُ بِسَیْفِ اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ

"میں وہی ہوں جس سے میرے دوست رسول کریم ﷺ نے کھجور کے درختوں کے قریب پہاڑ کے دامن میں عہد و پیمان لیا تھا کہ میں کھڑا ہو کر آخری صف تک برابر مقابلہ کرتا رہوں گا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تلوار برابر چلاتا جاؤں گا"۔(ابن ھشام: ۵۰/۲)

اب جنگ کا آغاز ہو گیا بہادر اور دلیر مسلمان جرنیل میدان جنگ میں داد شجاعت دینے لگے۔

سید الشهداء حمزہؓ کی شہادت

مکی لشکر میں ایک حبشی وحشی بن حرب بھی آیا جو جبیر بن مطعم کا غلام تھا جسے جبیر یہ لالچ دے کر ساتھ لایا تھا کہ اگر تم میرے چچا کے بدلہ میں حضور ﷺ کے چچا حمزہؓ کو شہید کردو تو میں تمہیں آزاد کردوں گا۔وحشی حبشیوں کے خاص انداز میں نیزہ پھینکتا تھا جو کبھی خطا نہیں جاتا تھا۔اس کی جنگ میں شرکت کا مقصد صرف اور صرف حضرت حمزہؓ کو شہید کرنا تھا۔چنانچہ وہ ان کی گھات میں رہا۔حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مردانہ وار لڑ رہے تھے اور جو بھی سامنے آتا اس کا صفایا کرتے جا رہے تھے۔کئی دشمنوں کو انہوں نے تہ تیغ کیا۔لڑتے لڑتے مکی لشکر کا علمبردار سباع بن عبدالعزیٰ ان کے سامنے آ گیا، تو اُنہوں نے پکارا:

هَلُمَّ اِلَيَّ يَاابْنَ مُقَطِّعَةِ الْبُظُوْرِ. اے ختنہ کرنے والی کے بیٹے! میری طرف آ۔

حضرت حمزہؓ نے سباع کو للکارا اور اس پر وار کیا لیکن وہ وار خطا گیا۔ عین اسی وقت وحشی نے نشانہ باندھ کر نیزہ مارا جو اُن کی ناف پر لگا اور دونوں پیروں کے درمیان سے نکل گیا۔ ضرب اتنی شدید تھی کہ حضرت حمزہؓ نڈھال ہو کر گر پڑے اور اسی زخم سے جامِ شہادت نوش کر گئے۔ خاتمۂ جنگ پر مشرک عورتیں مسلمان شہیدوں کا مثلہ کر رہی تھیں۔ جنگ بدر میں عتبہ بن ربیعہ کو حضرت حمزہؓ نے ہی واصل جہنم کیا تھا۔ چنانچہ باپ کا بدلہ لینے کے لیے ہند بنت عتبہ نے حضرت حمزہؓ کا سینہ چاک کیا، کلیجہ نکال کر منہ میں چبایا، نگلنا چاہتی تھی لیکن ایسا نہ کر سکی تو پھینک دیا۔ اور ان کے جسم کے کٹے ہوئے اعضاء کان اور ناک کا ہار بنا کر گلے میں ڈال لیا۔ جنگ کے اختتام پر حضور ﷺ نے اپنے چچا حمزہؓ کا مثلہ شدہ جسد خاکی دیکھا تو بڑا ملال ہوا۔ آپ ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ اپنے بھائی کا چہرہ دیکھنے کے لیے تشریف لائیں تو حضور ﷺ نے ان کے بیٹے زبیرؓ بن عوام کو فرمایا کہ اپنی والدہ ماجدہ کو واپس لے جائیں کیونکہ وہ اتنا بڑا صدمہ برداشت نہ کر سکیں گی۔ لیکن رسول عربی ﷺ کے خاندان کے افراد بھی کمال شجاع اور بہادر تھے۔ حضرت صفیہؓ کہنے لگیں مجھے معلوم ہے کہ میرے بھائی کا مثلہ کیا گیا ہے لیکن میں اللہ کی راہ میں دی گئی قربانی پر راضی ہوں۔ میں اجر و ثواب کی خاطر صبر کروں گی پھر بھائی کا چہرہ دیکھا اور مغفرت کی دعا کی۔

حنظلہؓ غسیل الملائکۃ

غزوۂ اُحد میں مردانہ وار دادِ شجاعت دینے والے حنظلہؓ بھی جام شہادت نوش کر گئے۔ وہ اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ اپنے گھر میں تھے جب جہاد و قتال کے لیے منادی کی گئی تو حضرت حنظلہؓ جس حالت میں تھے اسی طرح میدان جنگ میں کود گئے جب انہیں شہید کیا گیا تو حضور ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ فرشتے تمہارے دوست کو غسل دے رہے ہیں۔

مصعبؓ بن عمیر

حضرت مصعبؓ بن عمیر شکل و شباہت میں حضور ﷺ سے مشابہت رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے اسلامی لشکر میں سے مہاجرین کا پرچم اِن کے سپرد کر رکھا تھا۔ وہ میدانِ جنگ میں آپ ﷺ کی مدافعت کر رہے تھے اور لڑائی بھی کر رہے تھے۔ اسی حالت میں ابن قمیّہ نے انہیں شہید کر دیا۔ ان کے بعد پرچم حضرت علیؓ کے سپرد کر دیا گیا۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر کو شہید کرنے کے بعد ابن قُمیّہ نے یہ مشہور کر دیا کہ میں نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا ہے۔ جس سے اسلامی لشکر کے حوصلے پست ہو گئے۔

تیر اندازوں کی غلطی

اسلامی فوج کے جرنیلوں اور سپاہیوں نے بڑی دلیری سے جنگ لڑی۔ بالخصوص حضرت ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، علی مرتضےٰؓ، زبیر بن عوامؓ، مصعب بن عمیرؓ، طلحہ بن عبیداللہؓ، عبداللہ بن جحشؓ، سعد بن معاذؓ، سعد بن عبادہؓ، سعد بن ربیعؓ اور نضر بن انسؓ وغیرہم نے بے مثال جرأت و بہادری سے لڑتے ہوئے دشمنوں کے چھکے چھڑا دیے۔ ان کی ہمتیں جواب دے گئیں اور قوت منتشر ہو گئی۔ اب وہ ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ جبل رماۃ پر تعینات تیر اندازوں کے دستہ نے خالد بن ولید کی قیادت میں کیے گئے تین حملے پسپا کر دیے تھے۔ جب ان تیر اندازوں نے مکی لشکر کو منتشر ہوتے دیکھا تو اپنی جگہ چھوڑ کر دشمن کا مال غنیمت سمیٹنے لگ گئے۔ عبداللہ بن جبیرؓ نے انہیں نبی کریم ﷺ کا حکم بھی یاد دلایا کہ آپ ﷺ کی اجازت کے بغیر کسی صورت میں جگہ نہ چھوڑیں لیکن انہوں نے سنی ان سنی کر دی اور پیچھے صرف نو تیر انداز رہ گئے۔

اللہ کا سچا وعدہ

اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے کیا ہوا وعدہ سچا کر دکھایا۔ مسلمان کافروں کو مار رہے

تھے۔ جب کہ کافر میدان جنگ میں کٹ رہے تھے اور بکھر رہے تھے لیکن مسلمان اپنی قوت کو اپنی غلطی سے خود ہی کمزور کر بیٹھے۔ جیسا کہ قرآن نے بیان کیا ہے:

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ○

(اٰل عمران ۳: ۱۵۲)

اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جب کہ تم اس کے حکم سے اُنھیں کاٹ رہے تھے یہاں تک کہ جب تم نے پست ہمتی اختیار کی اور کام میں جھگڑنے لگے اور نافرمانی کی اس کے بعد کہ اس نے تمہاری چاہت کی چیز تمہیں دکھا دی۔ تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض آخرت۔ پھر اسنے تمہیں پھیر دیا تا کہ تمہیں آزمائے اور یقیناً اس نے تمہاری لغزش سے درگزر کیا اور ایمان والوں پر اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

میدانِ اُحد میں جیتی ہوئی جنگ تیراندازوں کی غلطی کی وجہ سے شکست میں بدل گئی۔ اس تیرانداز دستے کو اللہ کے رسولؐ نے جگہ چھوڑنے سے منع کیا تھا، مگر غلطی ہوگئی جس کا امت مسلمہ کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین اُحد کی غلطی کو معاف کر دیا اور ان کے لیے عفو عام کا لفظ استعمال کیا۔ اس فرمان الٰہی کے بعد ان اصحابِ رسول کے بارے میں طعن و تشنیع یا کسی الزام کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

حرمت سود

جنگِ اُحد میں اسلامی لشکر کو دنیوی مال اکٹھا کرنے والوں کے لالچ کی وجہ سے

شکست ہوئی اور دنیا کے مال واسباب میں قبیح ترین مال اور منافع وہ ہے جو سود کے کاروبار سے حاصل ہوتا ہے۔اس لیے حرمت سود کو بھی اسی مضمون میں بیان کر دیا گیا کہ ایمان دار سود نہ کھائیں اور اللہ سے ڈریں کیوں کہ سود کھانے والا بہت بُرے انجام سے ہم کنار ہوتا ہے کہ دنیا میں سود در سود کی ادائیگیوں تلے دب جاتا ہے اور آخرت میں جہنم کا ایندھن بنتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ٥ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ٥ (اٰل عمران ۳ : ۱۳۰، ۱۳۱)	اے ایمان والو! بڑھتا چڑھتا سود نہ کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تمہیں نجات ملے اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

شکست ایک آزمائش

جبل رُماۃ پر متعین تیر اندازوں نے جب مال غنیمت سمیٹنے کے لیے اپنی جگہ چھوڑی تو پیچھے صرف عبداللہ بن جبیرؓ کی قیادت میں نو مجاہد رہ گئے۔اس صورت حال سے دشمن فوج کے کمانڈر خالد بن ولید نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اپنا دستہ لے کر اسلامی لشکر پر حملہ کر دیا جس سے بڑا نقصان ہوا اور مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔اس شکست کو اللہ تعالیٰ نے آزمائش قرار دیا، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ٥ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ	(وجہ یہ بھی تھی) کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بالکل الگ کر دے اور کافروں کو مٹا دے۔ کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے حالاں کہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے ظاہر نہیں کیا کہ تم میں سے جہاد کرنے والے

وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ — کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں؟

(اٰل عمران ۳ : ۱۴۱، ۱۴۲)

دوسرے مقام پر اس طرح فرمایا:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا.

(البقرة ۲ : ۲۱۴)

کیا تم نے سمجھ لیا کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر وہ حالت نہیں آئی جو تم سے پہلے لوگوں پر آئی تھی؟ انہیں تنگ دستی اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ خوب ہلائے گئے۔

ایک مقام پر اس طرح فرمایا:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝

(العنكبوت ۲۹ : ۲)

کیا لوگ یہ گمان کر بیٹھے ہیں کہ انہیں صرف یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی؟

رسول اللہ ﷺ دشمنوں کے نرغے میں

خالد بن ولید نے مسلمان مجاہدین کی غفلت سے بھر پور فائدہ اٹھایا۔ مسلمانوں کی جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدل گئی۔ اب صورت حال یہ بن گئی کہ اسلامی لشکر رسول اکرم ﷺ سے فاصلے پر تھا۔ درمیان میں دشمنوں کا لشکر تھا اور آپ ﷺ کے پیچھے بھی دشمن فوج کا دستہ تھا۔ آپ کے پاس صرف نو مجاہد رہ گئے جن میں سات انصاری اور دو مہاجر تھے۔ آپ نے اس خطرناک صورت حال کے پیش نظر اپنے ساتھیوں کو آواز دی۔ اس سے پہلے کہ مسلمان مجاہد آپ ﷺ کی آواز سنتے دشمنوں کے کانوں میں آواز پڑ گئی۔ انہوں نے ایک بھر پور حملہ کر دیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ موجود صحابہؓ نے آپ ﷺ کے اردگرد دفاعی حصار بنا لیا اور ساتوں انصاری صحابی مردانہ وار لڑتے ہوئے ایک ایک کر کے جام شہادت نوش کر گئے۔ اب

اپنے قائد کے دفاع کے لیے دو عظیم جرنیل باقی رہ گئے، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور طلحہؓ بن عبیداللہ۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت میں تیر پر تیر چلا رہے تھے۔ حضرت سعدؓ کی تیر اندازی دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سارے تیر اُن کے حوالے کر دیے اور فرمایا، سعد! تجھ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، تیر چلاؤ۔ ایسا بھی ہوا کہ ایک تیر پھل کے بغیر آ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو بھی چلاؤ۔ (سیرت ابن ھشام: ۲/۶۵)

دوسرے جان نثار طلحہ بن عبیداللہؓ تھے جنھوں نے مدافعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جرأت وشجاعت کی ایسی داستان رقم کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے زمین پر چلتا ہوا کوئی شہید دیکھنا ہو وہ طلحہؓ بن عبیداللہ کو دیکھ لے''۔ ابودجانہؓ نے بھی کمال بہادری کا مظاہرہ کیا کہ ڈھال بن کر حضورؐ پر جھک گئے اور اپنی پشت پر دشمنوں کے تیر پر تیر کھاتے رہے۔ (ابن ھشام: ۲/۶۵)

اس نازک صورت حال کا مشرکین نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور تابڑ توڑ حملے کیے۔

عتبہ بن ابی وقاص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر مارا جس سے آپؐ پہلو کے بل گر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا داہنا نچلا رباعی دانت ٹوٹ گیا اور نچلا ہونٹ بھی زخمی ہو گیا۔ ایک اور شخص عبداللہ بن قمیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر زور سے تلوار ماری، کندھا تو محفوظ رہا اور زرہ بھی نہ کٹ سکی لیکن اس چوٹ کی درد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک محسوس کرتے رہے۔ دوسرا وار کیا تو تلوار آنکھ سے نیچے ابھری ہوئی ہڈی پر لگی جس سے خود کی کڑیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار میں دھنس گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرۂ مبارک سے خون صاف کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ اللہ تجھے توڑ ڈالے بلکہ یہ بھی فرما رہے تھے:

كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ خَضَبُوْا وَجْهَ نَبِيِّهِمْ وَهُوَ يَدْعُوْ اِلٰى رَبِّهِمْ.

وہ قوم کس طرح فلاح پا سکتی ہے جو اپنے نبیؐ کا چہرہ خون سے رنگین کرتی ہے حالاں کہ وہ انہیں ان کے رب کی طرف بلا رہا ہے۔

(ابن ھشام: ۲/۶۲)

اللہ کی مشیت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب زخم پہ زخم کھائے تو زخمی کرنے والوں کے لیے بددعا کی لیکن اللہ کی مشیت یہ نہیں تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ ان کافروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ زخمی کیا اور خون بہایا لیکن اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا کہ وہ لوگ فلاح نہیں پا سکتے اور انہیں ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی یہ اللہ کی مشیت کے مطابق نہیں تھا۔ اس لیے ارشاد ہوتا ہے:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ٥ وَلِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥

(آل عمران ۳ : ۱۲۸، ۱۲۹)

آپ کے اختیار میں (یہ چیز) نہیں، اللہ چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے یا عذاب دے کیوں کہ وہ ظالم ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے وہ جسے چاہے بخش دے جسے چاہے عذاب کرے اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے۔

مومنوں کا اضطراب

مہاجر دستے کے علمبردار حضرت مصعب بن عمیرؓ جو شکل و شباہت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے جب میدانِ جنگ میں شہید ہو گئے تو کافروں نے مشہور کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیے گئے، جسے سن کر مسلمان سخت مضطرب ہوئے اور پست ہمتی کا شکار ہو گئے۔ اور کئی یہاں تک کہنے لگے کہ اب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں رہے تو ہم جنگ کس کے لیے کریں۔ اس موقع پر اللہ کا ارشاد ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسولؐ ہیں۔ وہ آئے ہیں انہوں نے جانا بھی ہے۔ اُن سے پہلے بھی کئی رسول آئے اور چلے بھی گئے۔ جس مقصد کے لیے تم لڑنے آئے تھے اور موت کی خواہش کرتے تھے، آگے بڑھو اور اس مقصد کے حصول کے لیے

لڑو۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْرَأَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْقُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ ط وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ط وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝

(ال عمران ۳: ۱۴۳، ۱۴۴)

جنگ سے پہلے تو تم شہادت کی آرزو میں تھے اب اسے اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ لیا۔ محمدؐ صرف رسول ہی ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے اپنی ایڑیوں پر تو وہ اللہ کا ہرگز کچھ نہ بگاڑے گا۔ عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نیک بدلہ دے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار

میدانِ جنگ میں ایسی صورت حال پیدا ہوگئی کہ اسلامی فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور کچھ لوگوں نے راہ فرار بھی اختیار کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میدانِ جنگ میں غم پر غم پہنچا۔ تیر اندازوں کا اپنی جگہ چھوڑ کر مالِ غنیمت سمیٹنے کا غم، فتح و کامرانی سے محرومی کا غم اور میدانِ جنگ میں مسلمانوں کے شہید ہونے کا غم۔ ان حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بھاگتے ہوئے ساتھیوں کو پکارا اور آواز دی "اِلَیَّ عِبَادَاللّٰهِ اِلَیَّ عِبَادَاللّٰهِ" اللہ کے بندو! میری طرف لوٹ کر آؤ۔ اللہ کے بندو! میری طرف لوٹ کر آؤ۔ قرآن مجید نے اس منظر کو اس طرح بیان کیا ہے:

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ

جب کہ تم چڑھے چلے جا رہے تھے اور کسی کی طرف توجہ تک نہیں کرتے تھے

وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَافَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ط وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ (آل عمران ۳ : ۱۵۳)	اور اللہ کے رسول تمہیں تمہارے پیچھے سے آوازیں دے رہے تھے۔ پس اُس نے تمہیں غم پر غم پہنچایا تاکہ تم فوت شدہ چیز پر غمگین نہ ہو اور نہ ہی پہنچنے والی (تکلیف) پر اداس ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے خبردار ہے۔

امن کا نزول

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں پر یکے بعد دیگرے شدائد نازل ہوئے جن کا انہیں سخت ملال ہوا۔ پھر اللہ کی طرف سے امن کا نزول ہوا۔ اللہ نے اونگھ طاری کردی جس سے مسلمانوں کو سکینت محسوس ہوئی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ (آل عمران ۳ : ۱۵۴)	پھر اس نے اس غم کے بعد تم پر امن نازل فرمایا اور تم میں سے ایک جماعت کو نیند آنے لگی۔

شہداء کا مقام

قرآن مجید میں ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ کی راہ میں شہید کردیے جائیں، بلند مقام کی بشارت دی گئی ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ اموات نہیں بلکہ زندہ ہیں، دوسرا یہ کہ انہیں کوئی خوف وخطر اور حزن وملال نہیں ہوگا، اور یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں خصوصی فضل وکرم سے سرفراز کریں گے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ط	جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ نہ سمجھو

بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ٥ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥

(آل عمران ۳ : ۱۶۹، ۱۷۰)

بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق دیے جاتے ہیں۔ اللہ نے اپنا فضل جو انہیں دے رکھا ہے اس سے بہت خوش ہیں اور اُن لوگوں کی بابت جو ابھی تک ان سے نہیں ملے ان کے پیچھے ہیں خوشیاں منا رہے ہیں اس پر کہ انہیں نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غم زدہ ہوں گے۔

حدیث میں آتا ہے کہ شہید کو ہر قسم کی نعمت نصیب ہوگی لیکن وہ واپس دنیا میں آکر دوبارہ شہید ہونے کی خواہش کرے گا مگر اس کی اجازت نہ ہوگی۔ ارشاد ہوتا ہے:

''کوئی مرنے والی جان جس کو اللہ کے ہاں اچھا مقام حاصل ہے دنیا میں لوٹنا پسند نہیں کرتی البتہ شہید دنیا میں دوبارہ آنا پسند کرتا ہے تاکہ وہ دوبارہ اللہ کی راہ میں شہید کیا جائے۔ یہ آرزو اس لیے کرتا ہے کہ وہ شہادت کی فضیلت کا مشاہدہ کر لیتا ہے''۔

(صحیح مسلم : کتاب الامارۃ: باب فضل الشھادۃ)

جنگ کے خاتمہ پر رسول اللہ ﷺ اپنے احباب سمیت اونچی جگہ محفوظ مقام پر تھے۔ تو ایک طرف سے جبل اُحد پر ابوسفیان نے نمودار ہو کر آواز دی، کیا محمد ﷺ ہیں؟ لوگوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر کہا تم میں ابوقحافہ کے بیٹے (ابوبکرؓ) ہیں؟ اس کا بھی جواب نہ دیا تو پھر سوال کیا، کیا تم میں عمر بن خطابؓ ہیں؟ لوگوں نے اس کا بھی جواب نہ دیا تو ابوسفیان نے کسی اور کا پوچھا۔ جب تینوں کے بارے میں ہی جواب نہ آیا تو کہا چلو ان سے تو چھٹکارا مل گیا۔ اس کے یہ کلمات سن کر حضرت عمرؓ بن خطاب بے قابو ہو گئے اور بلند آواز

سے پکارا، اے اللہ کے دشمن! جن کے بارے میں تو نے پوچھا ہے وہ سب زندہ ہیں اور ابھی تو اور رسوا ہوگا۔

پھر ابوسفیان نے کہا میدانِ جنگ میں تمہارے مقتولین کا مثلہ ہوا ہے۔ میں نے نہ اس کا حکم دیا اور نہ ہی برا منایا۔ پھر نعرہ لگایا، اُعْلُ هُبَل ۔ ہبل بلند ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ جواب کیوں نہیں دیتے؟ تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ کیا جواب دیں؟ آپؐ نے فرمایا: کہو! اَللّٰهُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ ۔ (اللہ ہی بلند تر اور صاحب جلال ہے)

پھر ابوسفیان نے آواز بلند کی لَنَا عُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ (ہمارے لیے عُزّٰی ہے اور تمہارے لیے عُزّٰی نہیں ہے)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جواب کیوں نہیں دیتے؟ عرض کیا گیا کہ کیا جواب دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہو! اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ. (اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں ہے)۔

اس کے بعد ابوسفیان نے کہا: کتنا اچھا کارنامہ رہا، آج کا دن جنگِ بدر کا بدلہ ہے اور لڑائی ڈول ہے۔

اس کے جواب میں عمرؓ نے فرمایا، برابر نہیں ہے۔ ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین جہنم میں ہیں۔

پھر ابوسفیان نے حضرت عمرؓ کو قریب کر کے حضورؐ کے زندہ ہونے کی تصدیق کی تو پھر کہا، آئندہ سال ہمارے اور تمہارے درمیان پھر بدر میں لڑنے کا وعدہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی سے فرمایا، اسے کہہ دو کہ یہ تمہارے اور ہمارے درمیان طے ہوگئی۔ (ابن هشام: ۷۷)

مومنوں پر احسان

جنگ اُحد میں جن لوگوں نے بھاگ کر غنیمتیں اکٹھی کیں اور اپنے مورچے چھوڑ

دیے ان کا خیال تھا کہ شاید بعد میں ہمیں مالِ غنیمت سے محروم کر دیا جائے گا۔ انہیں اللہ کی طرف سے تنبیہ کی گئی کہ تم نے یہ کس طرح تصور کر لیا کہ اللہ کا رسول بھی خیانت کر سکتا ہے۔

ارشاد ہوا:

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ (آل عمران ۳ : ۱۶۱)	کسی نبی کو یہ زیب ہی نہیں دیتا کہ وہ خیانت کرے۔ اور جو کوئی خیانت کرے گا تو وہ خیانت شدہ چیز قیامت کے روز لے کر حاضر ہوگا۔ پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور لوگوں پر ظلم نہیں ہوگا۔

کسی پیغمبر سے کسی قسم کی خیانت ممکن ہی نہیں کیوں کہ یہ تو پیغمبری کے ہی منافی ہے اور ہاں اللہ کے آخری پیغمبر۔ یہ تو مومنوں پر اللہ کا احسان عظیم ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (آل عمران ۳ : ۱۶۴)	بے شک مومنوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

جنگ اُحد میں اسلامی لشکر کو فتح و کامرانی سے محروم ہونا پڑا۔ اس کے باوجود ایثار و قربانی کے بڑے روح پرور اور ایمان افروز مناظر دیکھنے میں آئے۔ جلیل القدر اور مقتدر جرنیل صحابہؓ نے جرأت و شجاعت کی بے مثال داستانیں رقم کیں اور میدانِ جنگ میں دلیری

وبہادری کے انمٹ نقوش چھوڑے جو بعد میں منزل تک پہنچنے کے لیے سنگ میل ثابت ہوئے۔ مردانِ حق کے ساتھ خواتین اسلام نے بھی کمال بلند ہمتی کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے نوحہ وسینہ کوبی کی بجائے بلند حوصلگی کا مظاہرہ کر کے اپنے سیدات ومکرمات ہونے کا ثبوت فراہم کیا۔

جنگ کے خاتمہ پر قبیلہ بنو دینار کی ایک عورت آئی۔ اسے بتایا گیا کہ میدانِ اُحد میں تیرا شوہر، تیرا بھائی اور تیرا باپ ایک ایک کر کے تینوں شہید ہو گئے۔ وہ عظیم عورت تینوں کی شہادت کی خبر سن کر سوال کرتی ہے مجھے یہ بتاؤ کہ اللہ کے رسولؐ کا کیا حال ہے؟ اسے جواب دیا گیا کہ اے ام فلاں! تیری آرزو کے مطابق آپؐ خدا کے فضل سے بخیر وعافیت ہیں۔ اس نے کہا آپ ﷺ کہاں ہیں؟ میں اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہوں۔ چنانچہ اشارہ کر کے بتایا گیا کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ اس نے دیکھا تو کہا: ''كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ'' آپ ﷺ موجود ہیں تو سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔ (ابن ھشام: ۲/۸۴)

غزوۂ اُحد کے بعد کی جنگی مہمات

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو بہت نقصان ہوا۔ فتح وکامرانی سے محروم ہو گئے۔ ستر جری صحابہ شہید کر دیے گئے۔ مسلمانوں کو جنگ بدر میں جو جنگی سطوت وعظمت ملی تھی وہ دھندلا گئی۔ دشمنان اسلام قریش مکہ دشمنی میں شیر ہو گئے۔ ان کے علاوہ یثرب میں آباد یہودیوں اور دوسرے قبائل نے سر اٹھا لیا۔ بنا بریں بڑے الم ناک حادثے اور سانحے پیش آئے۔ رجیع کا دردناک واقعہ پیش آیا۔ دومۃ الجندل، بنونضیر، بئر معونہ اور غزوۂ بدر دوم جیسے حادثات سے گزرنا پڑا۔ اس دوران بعض جنگی مہمات میں رسول امیں ﷺ بڑے رنجیدہ خاطر ہوئے۔ ان دلدوز واقعات کی قرآن مجید نے بھی نشان دہی کی ہے۔ آمدہ سطور میں ان کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔

واقعہ رجیع

قبیلہ عضل اور قارہ کے کچھ افراد نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ ہمارے پاس اسلام تو موجود ہے لیکن ہمیں اسلام سکھانے والے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا آپؐ ہمارے ساتھ اپنے اصحابؓ میں سے کچھ افراد بھیج دیں جو ہمیں قرآن پڑھائیں اور شریعت مطہرہ کی تعلیم دیں۔ چنانچہ آپؐ نے اپنے چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مرثد بن ابی مرثد غنویؓ، خالد بن بکیر لیثیؓ، عاصم بن ثابتؓ، خبیب بن عدیؓ، زید بن دثنہؓ اور عبداللہؓ بن طارق کو ان کے ساتھ روانہ فرمایا۔ جب کہ حضرت مرثدؓ بن ابی مرثد غنوی کو اس قافلۂ معلمین کا سربراہ بنا دیا۔ جب یہ قافلہ چشمۂ رجیع کے پاس پہنچا تو ان افراد نے غداری کی اور قبیلہ ہذیل کے ساتھ مل کر جاں نثارانِ مصطفیٰ پر حملہ کر دیا۔ مختصر قتال کے بعد عاصم بن ثابتؓ، خالد بن بکیرؓ اور مرثد بن ابی مرثد غنویؓ شہید ہو گئے جب کہ تین صحابی زید بن دثنہؓ، عبداللہ بن طارقؓ اور خبیب بن عدیؓ گرفتار کر لیے گئے۔ حضرت عاصم بن ثابتؓ کے بارے میں جنگ اُحد میں ایک عورت نے قسم کھائی تھی کہ میں اپنے بیٹوں کے قتل کے بدلہ میں عاصم کا سر حاصل کروں گی اور سر کا پیالہ بنا کر اس میں شراب پیوں گی۔ لیکن ایسا کرنے کے لیے جب بنو ہذیل نے حضرت عاصم کی میت کو حاصل کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی حفاظت کے لیے شہد کی مکھیوں کا چھتہ بھیج دیا جس نے دشمنوں کو قریب ہی نہیں آنے دیا۔ کیونکہ حضرت عاصمؓ نے اپنی زندگی میں دعا کی تھی کہ اے اللہ! کوئی مشرک میرے جسم کو ہاتھ نہ لگائے اور نہ ہی میں ہاتھ لگاؤں گا کیوں کہ مشرک ناپاک ہوتا ہے۔ (سیرت ابن ہشام: ۱۹۱/۲)

ایمان افروز مکالمہ

ہذیلی تینوں گرفتار صحابہؓ لے کر مکہ چلے گئے۔ راستے میں عبداللہ بن طارقؓ جس رسی سے بندھے ہوئے تھے اس میں سے اپنا ہاتھ نکالا اور تلوار کھینچ کر مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے۔

جنہیں دور ہی سے کافروں نے پتھر مار مار کر شہید کر دیا۔ جب کہ ابن دثنہؓ اور خبیبؓ بن عدی کو مکہ لے جایا گیا۔ ابن دثنہ رضی اللہ عنہ کو امیہ بن خلف کے بدلہ کے لیے اس کے بیٹے صفوان بن امیہ کے سپرد کر دیا گیا۔ قریش مکہ جب ابن دثنہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے لیے مقتل میں لے کر پہنچے تو ابوسفیان نے کہا، ''زید! میں تمہیں خدا کی قسم دلاتا ہوں، مجھے بتاؤ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہاری جگہ اس وقت ہمارے قبضہ میں محمدؐ ہوں ہم ان کی گردن تلوار سے اڑائیں اور تم اپنے اہل وعیال میں رہو''۔ زید بن دثنہؓ نے جواب دیا، ''خدا کی قسم! میں یہ بات کبھی گوارا نہیں کر سکتا کہ محمد ﷺ کو اس جگہ جہاں تم ہو اذیت و تکلیف پہنچانے والا ایک کانٹا بھی چبھ جائے اور میں اپنے اہل وعیال میں بیٹھا رہوں''۔

ابوسفیان نے کہا:

''میں نے لوگوں میں ایسا شخص کبھی نہیں دیکھا جس سے کوئی اتنی محبت کرتا ہو جتنی محمدؐ کے اصحاب محمد ﷺ سے کرتے ہیں''۔ (ابن هشام: ۲/۱۹۳)

خبیبؓ کی شہادت

حضرت خبیبؓ بن عدی کچھ عرصہ قریش مکہ کی قید میں رہے۔ جب ان کی شہادت کا وقت آیا تو فرمایا مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو لیکن انہوں نے نماز طویل نہیں کی بلکہ اختصار کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں اور کہا، خدا کی قسم! اگر تم یہ نہ کہتے کہ میں گھبراہٹ میں یہ کر رہا ہوں تو میں نماز طویل کر دیتا۔ پھر کہا، اے اللہ! ان کو گن لے پھر ان کو بکھیر کر مارنا اور کسی کو زندہ نہ چھوڑنا اور یہ اشعار کہے:

لقد جمع الاحزاب حولی والبوا ... قبائلهم واستجمعوا کل مجمع
وقد قربوا اَبْنَاء هم ونساء هم ... وقربت مِنْ جزع طویل ممنع
الی الله اشکو غُرُبتی بعد کربتی ... وما جمع الاحزاب لی عند مضجعی
فذو العرش صبر نی علی ما یرادبی ... فقد بَضَعُوْا لحمی وقد یو س مطعمی
فقد خیرو نی الکفر والموت دونه ... فقد ذرفَتُ عینای من غیر مدمع
وما بی حذارالموت انی لمیت ... وان الی رَبّی ایابی ومرجعی
ولست أبالی حین أقتل مسلما ... علی أی شق کان فی الله مضجعی
وذالك فی ذات الا له وان یشاء ... یارِكُ علی أوصالِ شلو ممزّع

(زادالمعادلابن قیم: ۲:۱۰۹)

''لوگ میرے گرد گروہ درگروہ جمع ہو گئے ہیں اپنے قبائل کو چڑھالائے ہیں اور سارا مجمع اکٹھا کرلیا ہے۔ اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بھی قریب لے آئے ہیں اور مجھے ایک لمبے مضبوط تنے کے قریب کردیا گیا ہے۔ میں اپنی غریب الوطنی اور بے کسی کا شکوہ اور اپنے مقتل کے پاس گروہوں کی جمع کردہ آفات کی فریاد اللہ سے ہی کررہا ہوں۔ اے عرش والے! میرے خلاف دشمنوں کے جواراد ے ہیں اس پر مجھے صبر دے۔ انہوں نے مجھے بوٹی بوٹی کردیا ہے اور میری خوراک بُری ہوگئی ہے۔ انہوں نے مجھے کفر کا اختیار دیا ہے حالانکہ موت اس سے کمتر اور آسان ہے۔ میری آنکھیں آنسوؤں کے بغیر اُمڈ آئیں۔ میں مسلمان مارا جاؤں تو مجھے پرواہ نہیں کہ اللہ کی راہ میں کس پہلو پر قتل ہوں گا۔ یہ تو اللہ کی ذات کے لیے ہے اور وہ چاہے تو بوٹی بوٹی کیے ہوئے اعضاء کے جوڑ جوڑ میں برکت عطا کردے''۔

واقعہ رجیع کے بارے میں قرآنی آیات

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ○ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ط وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ○ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ط وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ○ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ○

(البقرۃ ۲ : ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷)

کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی بات آپ کو اس دنیا میں بڑی پسند آتی ہوگی اور اپنی نیک نیتی پر وہ بار بار خدا کو گواہ ٹھہراتے ہیں مگر حقیقت میں وہ بدترین دشمن حق ہوتے ہیں۔ جب یہ منہ موڑ کر جاتے ہیں تو زمین میں فساد کرنے کی اور کھیتوں ونسلوں کو ہلاک و برباد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ فساد کو بالکل پسند نہیں کرتا۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو گناہوں کے باعث عزت انہیں پکڑ لیتی ہے پس ان کے لیے تو جہنم ہی کافی ہے اور بہت برا ٹھکانا ہے۔

ابن کثیرؒ نے ایک قول نقل کیا ہے کہ یہ آیات رجیع کے دردناک واقعہ کے متعلق نازل ہوئیں۔

نوٹ: صحیح بخاری کی روایت کے مطابق اس سانحہ میں دس افراد شہید ہوئے اور روانگی کے وقت حضرت عاصمؓ بن ثابت کو امیر بنایا گیا۔ (الرحیق المختوم: ۴۷۳)

سریہ منذر بن عمروؓ یا سانحہ بئر معونہ

جب چشمہ رجیع والا واقعہ رونما ہوا اسی مہینے ایک اور الم ناک واقعہ ہوا جو بئر معونہ کے مقام پر پیش آیا۔ اس حادثہ نے رسول کریم ﷺ کو اس قدر غم ناک کیا کہ جن افراد و قبائل نے اس الم ناک سانحہ میں حصہ لیا آپ ﷺ نے مسلسل ایک ماہ ان کے لیے بددعا فرمائی تا آنکہ آپ ﷺ پر قرآن نازل ہوا جو بعد میں منسوخ ہوگیا۔ (زادالمعاد: ۲/۱۱۱)

واقعہ یوں ہے کہ ابو براء عامر بن مالک (جو نیزوں سے کھیلنے میں بہت مشہور تھا) آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے قبول تو نہ کی لیکن بُعد بھی اختیار نہیں کیا اور کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر آپ ﷺ اپنے اصحابؓ میں سے کچھ افراد کو نجد بھیج دیں جو اہل نجد کو دین کی دعوت دیں تو مجھے امید ہے کہ وہ قبول کر لیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، میں ان کے بارے میں خوف محسوس کرتا ہوں۔ ابو براء نے کہا آپ ﷺ بھیج دیں۔ آپ ﷺ کے اصحابؓ میری ہمسائیگی میں رہیں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے منذرؓ بن عمرو کی امارت میں ستر قُراء کا قافلہ روانہ کیا۔ ایک روایت کے مطابق چالیس افراد تھے لیکن صحیح روایت ستر والی ہے۔ (زاد المعاد: ۱۱۱/۲)

جب یہ قافلۂ حفاظ بئر معونہ پر پہنچا تو حرام بن ملحانؓ نے آپ ﷺ کا نامۂ مبارک دشمنِ خدا عامر بن طفیل کو پیش کیا۔ اُس نے نامۂ رسول کی طرف نگاہ کیے بغیر نامہ بر کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ جب دشمنوں نے نیزہ مارا تو وہ قاصدِ رسول ﷺ کے آر پار ہو گیا۔ ابن ملحانؓ نے اپنی جاں جانِ آفریں کے سپرد کرتے ہوئے کہا: اَللّٰہُ اَکْبَرُ فُزْتُ وَرَبِّ الْکَعْبَةِ ۔ (اللہ اکبر! رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔) پھر اس نے باقی صحابہؓ پر حملہ کے لیے بنو عامر کے لوگوں کو بلایا لیکن انہوں نے ابو براء کے ساتھ عہد و پیمان کی وجہ سے اس کی بات نہیں مانی۔ پھر عامر بن طفیل نے قبائل بنو سلیم، رعل، ذکوان اور عصیہ کو پکارا جنہوں نے حفاظ کے قافلہ پر حملہ کر دیا۔ دُوبدُو مقابلہ ہوا لیکن تمام صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔ ان میں سے صرف کعب بن زیدؓ زندہ بچے۔ انہیں شہداء میں اٹھا لیا گیا جو زندہ رہے اور بعد میں غزوۂ خندق میں شہید ہوئے۔ علاوہ ازیں دو صحابہ عمروؓ بن امیہ ضمری اور منذر بن عقبہؓ بن عامر بھی بچ گئے کیونکہ وہ دونوں اس وقت اونٹ چرا رہے تھے۔ انہوں نے جائے حادثہ پر چڑیاں منڈلاتے دیکھیں تو وہاں پہنچے۔ منذرؓ تو اپنے رفقاء کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے

اور عمروؓ بن امیہ ضمری کو قید کر لیا گیا۔ لیکن جب خبر دی گئی کہ عمروضمری قبیلہ مضر سے ہیں تو ان کے پیشانی کے بال کاٹ کر انہیں آزاد کر دیا گیا۔ عامر بن طفیل نے یہ آزادی اپنی ماں کی طرف سے دی کیونکہ اس پر ایک گردن آزاد کرنے کی نذر تھی۔

حضرت عمرو ضمریؓ یہ اندوہ ناک خبر لے کر مدینہ پہنچے۔ جب یہ خبر رسول اللہ ﷺ نے سنی تو بڑے غمگین اور دل گرفتہ ہوئے۔ کیونکہ ابھی تو سانحہ رجیع کا غم نہیں بھول پائے تھے۔ دوسرا یہ کہ اس سانحہ بئر معونہ میں شہید ہونے والے افراد سارے کے سارے اخیار اور کبار صحابہؓ میں سے تھے جو دن کے وقت لکڑیاں خرید کر اس کے عوض اہل صفہ کے لیے غلہ خریدتے اور قرآن پڑھتے پڑھاتے تھے جب کہ رات کو اللہ تعالیٰ کے حضور مناجات اور نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔ ان کی شہادت کی خبر سن کر آپ ﷺ کو بہت رنج ہوا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان ظالم قاتلوں کے لیے تیس دن مسلسل بد دعا فرمائی۔ (مختصر سیرۃ الرسول: ۲۶۰)

غزوہ بنی نضیر

یہودیوں نے ابتدائی ایام سے ہی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیں۔ لیکن یہودیوں کے قبیلہ بنو قینقاع کے جلاوطن ہونے اور کعب بن اشرف کے قتل کی وجہ سے یہودی دب گئے۔ مگر جنگ اُحد کے بعد جہاں دوسرے قبائل نے سر اٹھایا وہاں یہود بنو نضیر نے بھی سازشیں شروع کر دیں۔

عامر بن طفیل کے آزاد کرنے کے بعد حضرت عمروؓ بن امیہ ضمری واپس مدینہ آ رہے تھے کہ راستے میں بنو عامر کے دو آدمی ملے جن کا رسول اکرم ﷺ کے ساتھ عہد و پیمان ہو چکا تھا۔ لیکن حضرت عمروؓ کو معلوم نہ تھا۔ انہوں نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا، ہم قبیلہ بنو عامر سے ہیں۔ اُس وقت تو انہیں چھوڑ دیا مگر جب وہ آرام کرنے کے لیے سو

گئے تو بعض صحابہ کا بدلہ چکانے کے لیے ان دونوں کو قتل کر دیا۔ جب یہ خبر رسول کریم ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے عمرؓ سے فرمایا: ''تم نے ایسے آدمیوں کو قتل کیا جن کی دیت مجھ پر فرض ہے''۔ پھر آپ ﷺ دیت اکٹھی کرنے لگے۔ اس سلسلہ میں بنونضیر کے پاس پہنچے اور انہیں تعاون کے لیے فرمایا تو انہوں نے جواب دیا، ہاں! اے ابوالقاسم ﷺ! جو آپ چاہتے ہیں اس میں آپ کی مدد کی جائے گی۔

پھر ان لوگوں نے علیحدہ ہو کر سازش کی کہ تم اس شخص (رسولؐ) کو پھر کبھی اس حالت میں نہیں پاؤ گے۔ (اس وقت رسول پاک ﷺ بنونضیر کے مکانوں کی دیوار کے پہلو میں بیٹھے تھے) قبیلہ بنونضیر کے لوگوں نے کہا کہ اس وقت آپ پر پتھر کون پھینکے گا اور ہمیں اس سے نجات کون دلائے گا؟ ایک شخص عمرو بن حجاش نے حامی بھری اور پتھر پھینکنے کے لیے مکان کی چھت پر چڑھ گیا۔ اور آپ ﷺ پر پتھر پھینکنا چاہا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ان کے سازشی منصوبے سے خبردار کر دیا۔ آپ ﷺ اُٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ کی طرف واپس چل دیے۔ آپ ﷺ کو تاخیر ہوئی تو صحابہ کرامؓ آپ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ ان سے ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ نے ان کو یہودیوں کی سازش کے متعلق خبردار کیا۔ پھر آپ ﷺ نے واپس آ کر اپنے صحابہ کو حکم صادر فرمایا کہ بنونضیر کو سبق سکھانے کی تیاری کرو اور ساتھ ہی محمدؓ بن سلمہ کو اُن کے پاس بھیجا کہ تم لوگ مدینہ سے نکل جاؤ۔ اور اگر تم دس دن میں مدینہ سے نہ نکلے تو تمہاری سب کی گردنیں اڑا دی جائیں گی۔ وہ لوگ مدینہ چھوڑنے کی تیاری کر رہے تھے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے انہیں کہلا بھیجا کہ میدان نہ چھوڑنا میں دو ہزار جنگجو لے کر تمہاری مدد کروں گا۔ قبیلہ بنوقریظہ اور بنوغطفان بھی تمہاری مدد کریں گے۔ اپنے قلعوں کو مضبوط کر لو۔ ہم سب قلعہ بند ہو کر اسلامی فوج کا مقابلہ کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے قلعے مضبوط کر لیے لیکن ان کا پہلی بار اکٹھا ہونا (پہلا حشر) اور

سنگین قلعوں میں محصور ہونا کچھ کام نہ آیا۔ جیسا کہ قرآن وضاحت کرتا ہے:

هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَ اَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ ○

(الحشر ۵۹ : ۲)

وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافروں کو ان کے گھروں سے پہلے حشر کے وقت نکالا۔ تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور وہ خود بھی سمجھ رہے تھے کہ ان کے (سنگین) قلعے انہیں اللہ (کے عذاب) سے بچالیں گے۔ پس ان پر اللہ کا عذاب ایسی جگہ سے آپڑا کہ انہیں گمان بھی نہ تھا۔ اور اللہ نے اُن کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ وہ اپنے گھروں کو اپنے ہی ہاتھوں سے اجاڑ رہے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں (سے برباد کروا رہے تھے)۔ پس آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو۔

بنونضیر نے پہلے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا پھر دوسرے قبائل کے ساتھ مل کر قلعہ بند ہو گئے اور گھمنڈ میں آ کر ان کے سردار حُیَی بن اخطب نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیج دیا کہ ہم اپنے مضبوط اور سنگین قلعوں سے نہیں نکلیں گے، آپ جو کرنا چاہتے ہیں کر لیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر مسلمانوں کے جذبہ انتقام میں اضافہ ہو گیا۔ وہ پہلے ہی ان قبائل کی بدعہدیوں سے نالاں تھے کیونکہ اس سے پہلے رجیع اور بئر معونہ جیسے الم ناک حادثات رونما ہو چکے تھے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کا انتظام عبداللہ بن اُمِ مکتومؓ کے سپرد کیا اور اسلامی علَم حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھما کر بنونضیر کے علاقہ کی طرف

کوچ کا حکم دیا اور وہاں پہنچ کر ان کا محاصرہ کر لیا۔

بنو نضیر اپنے قلعوں میں محصور اور مورچوں میں محفوظ ہو کر دیوار کے اوپر سے تیر اور پتھر برسا رہے تھے۔ کھجوروں کے باغات بھی ان کو سپر کا کام دے رہے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے ان تمام درختوں کو کاٹنے کا حکم دے دیا۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ۝ (الحشر ۵۹ :۵)

تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ ڈالے یا جنہیں تم لوگوں نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے فرمان سے تھا اور تا کہ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو رسوا کرے۔

جب مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کیا تو بنو قریظہ ان سے الگ رہے۔ بنو غطفان بھی مدد کو نہیں آئے اور عبداللہ بن اُبی نے بھی خیانت و منافقت کی۔ قرآن مجید نے ان کی منافقت کا حال اس طرح بیان کیا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ۝ (الحشر ۵۹ : ۱۱)

کیا تم نے منافقوں کو نہیں دیکھا؟ کہ اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم جلا وطن کیے گئے تو ہم ضرور بالضرور تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور تمہارے بارے میں ہم کبھی بھی کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی جائے گی تو ضرور ہم تمہاری مدد کریں گے۔ اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ قطعاً جھوٹے ہیں۔

بلکہ انہوں نے اپنے تعاون کا یقین دلا کر انہیں مسلمانوں کی مخالفت پر اکسایا اور جب تعاون

کا وقت آیا تو ایک طرف ہو گئے۔ شیطان بھی ایسا ہی کرتا ہے جیسا منافقین نے کیا۔ قرآن نے اس کی منظر کشی کی ہے:

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (الحشر ۵۹ : ۱۶)	شیطان کی طرح کہ اس نے انسان سے کہا، کفر کر! جب وہ کفر کر چکا تو کہنے لگا کہ میں تو تجھ سے بری (بیزار) ہوں۔ میں تو اللہ رب العلمین سے ڈرتا ہوں۔

بنو نضیر صرف چھ دن محصور رہ کر حوصلہ ہار گئے اور انہوں نے حضور ﷺ سے کہلا بھیجا کہ ہم جلاوطن ہونے کے لیے تیار ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کی جلاوطنی کی پیشکش قبول فرمائی اور فرمایا کہ اسلحہ کے علاوہ باقی جتنا سامان اونٹوں پر لاد کر لے جا سکتے ہو لے جاؤ۔ ان میں سے دو فرد یامینؓ بن عمرو اور ابو سعیدؓ بن وہب مسلمان ہو گئے جب کہ باقی تمام افراد اپنا سامان اٹھا کر چل دیے۔ اور جاتے ہوئے اپنے مکانوں کی کھڑکیاں، دروازے وغیرہ بھی اکھاڑ کر اونٹوں پر لاد لیے۔

بنو نضیر کے باغات، زمین اور ہتھیار خالص رسول اللہ کے لیے تھے۔ آپ ﷺ کا اختیار تھا کہ جسے مرضی دیں یا نہ دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے خمس بھی نہیں نکالا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ مال فئے بغیر مسلمانوں کے گھوڑے دوڑائے اور شمشیر زنی کیے آپ ﷺ کے سپرد کر دیا تھا۔ جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا ہے:۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (الحشر ۵۹ : ۶)	اور ان کا جو مال اللہ نے اپنے رسول کے ہاتھ لگایا ہے جس پر نہ تو تم نے گھوڑے دوڑائے ہیں اور نہ اونٹ بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو جس پر چاہے غالب کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ اور ان کی جماعت کو یہود بنو نضیر پر فتح عطا کی۔ یہودیوں کا مال بطور فیئے آپ کے ہاتھ آیا اور دشمن اپنا مال واسباب اور جائیدادیں ترک کر کے جلاوطن ہو گئے۔

غزوۂ ذات الرقاع (غزوہ نجد)

غزوۂ بنو نضیر کے بعد رسول کریم ﷺ نے جمادی الاولیٰ ۴ھ میں قبیلہ بنو محارب، بنو ثعلبہ اور غطفان کو سبق سکھانے کے لیے نجد کا رخ فرمایا اور مدینہ سے نکل کر نخل کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ اسی کو غزوۂ ذات الرقاع کہتے ہیں۔ اگرچہ اس میں اختلاف ہے بعض نے غزوہ کا وقوع غزوۂ خندق کے بعد لکھا ہے اور بعض نے اس سے پہلے بیان کیا ہے۔ حافظ ابن قیم (زادالمعاد ص ۱۱۱) اور ابن ہشام (سیرت ۲/۲۲۵) غزوۂ خندق سے پہلے بیان کرتے ہیں۔ مختصر سیرۃ الرسول میں بھی یہی موقف اختیار کیا گیا ہے۔ غزوہ ذات الرقاع میں آپ ﷺ نے صلوٰۃِ خوف ادا کی۔ (جس کی تفصیل سیَر اور حدیث کی کتابوں میں موجود ہے) جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک غورث نامی شخص قوم محارب اور غطفان سے کہہ کر آتا ہے کہ میں محمد ﷺ کو قتل کر دوں گا۔ وہ آپ ﷺ کے پاس آتا ہے، آپ ﷺ آرام فرما رہے ہوتے ہیں اور تلوار آپ کی گود میں ہوتی ہے۔ وہ تلوار دیکھنے کے لیے مانگتا ہے، آپ ﷺ اُسے تلوار دے دیتے ہیں۔ وہ گھماتے ہوئے کہتا ہے کہ آپ کو مجھ سے ڈر نہیں لگتا۔ فرمایا نہیں، میں نہیں ڈرتا۔ اس کا حوصلہ پست ہو جاتا ہے۔ پھر وہ کہتا ہے کہ آپ ﷺ اس صورت میں بھی نہیں ڈرتے کہ میرے پاس تلوار ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرا اللہ مجھے بچانے والا ہے''۔ یہ سن کر وہ تلوار واپس کر دیتا ہے۔

(سیرت ابن ہشام : ۲/۲۳۷)

اس موقع پر اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ سے ہم کلام ہوتے ہیں:

يَـٰٓأَيُّهَا الَّـذِيْـنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَـلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْـدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰـهَ ۭ وَعَـلَـى اللّٰـهِ فَلْيَتَـوَكَّـلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (المائدۃ ۵ :۱۱)

اے یمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو احسان تم پر کیا ہے اسے یاد کرو جب کہ ایک قوم نے تم پر دست درازی کرنی چاہی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو تم تک پہنچنے سے روک دیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔

یہ واقعہ اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے کہ سفر کے دوران آپ ﷺ ایک سایہ دار درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے اور تلوار لٹک رہی تھی۔ اعرابی نے تلوار پکڑ لی اور کہا، اے محمد ﷺ! آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ! تو تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔

اس غزوہ سے مسلمانوں کو یہ فائدہ ہوا کہ نجد کے علاقہ میں جو بدو لوٹ مار کی تیاریاں کر رہے تھے اور سرکشی پر اتر آئے تھے ان کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ دُبک گئے اور ان پر مسلمانوں کا رعب اور دبدبہ قائم ہو گیا۔

غزوۂ بدر ثانی

نجدی شورشیں فرو کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ قریش مکہ کی طرف متوجہ ہوئے کیونکہ غزوۂ اُحد میں مشرکین مکہ کی طرف سے ایک سال بعد جنگ لڑنے کے چیلنج کا وقت آ پہنچا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ شعبان ۴ھ میں ڈیڑھ ہزار سرفروشوں کا لشکر لے کر نکلے۔ مدینہ میں اپنے پیچھے عبداللہؓ بن رواحہ کو چھوڑا اور اسلامی لشکر کا عَلَم شیر خدا علی مرتضےٰؓ کے سپرد کیا اور بدر کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا اور وہاں آٹھ دن تک مشرکینِ مکہ کا انتظار کیا۔ اُدھر سے ابوسفیان دو ہزار کا لشکر لے کر مکہ سے نکلا جن میں پچاس گھڑسوار بھی تھے۔ جب ظہران کے مقام پر پہنچے

تو ابوسفیان نے (جو پہلے ہی شکستہ دل تھا اور مسلمانوں سے مقابلہ کا حوصلہ نہیں پارہا تھا) اپنی فوج سے کہا کہ اس سال ہمارے حالات اچھے نہیں، کیوں نہ ہو کہ ہم واپس چلے جائیں۔ اس کی بات سن کر سارے بلاچون وچرا واپس چل دیے اور یوں جنگ کے موعد کی خلاف ورزی کی۔ لہٰذا اس غزوہ کا نام ہی غزوۂ بدر موعد اور بدر ثانی مشہور ہو گیا۔ (زادالمعاد: ۱۱۲/۲)

غزوۂ دومۃ الجندل

آپ کو اطلاعات ملیں کہ شام کے قریب دومۃ الجندل کے مقام پر قبائل آنے جانے والے قافلوں کو لوٹ لیتے ہیں۔ چنانچہ آپ کی قیادت میں ایک ہزار نفوس قدسیہ پر مشتمل اسلامی لشکر مدینہ سے روانہ ہوا جو رات کو سفر کرتا اور دن کو چھپ جاتا تاکہ اچانک لٹیروں کی سرکوبی کی جاسکے۔ اس مقام پر کئی روز قیام رہا لیکن کوئی دشمن سامنے نہ آیا۔ لہٰذا آپ ﷺ بغیر جنگ کیے واپس پلٹ آئے۔ اس غزوہ میں سباع بن عرفطہ غفاری کو مدینہ کا عامل بنایا گیا۔ (ابن ھشام: ۲۴۷/۲)

غزوۂ خندق (غزوہ احزاب)

وجہ تسمیہ

اس جنگ میں دشمنوں کے لشکر جرار سے محفوظ طریقے سے مقابلہ کے لیے مدینہ کے غیر محفوظ اطراف میں خندق کھود لی گئی۔ اسی باعث اس کو غزوۂ خندق کہا جاتا ہے اور چونکہ اس موقع پر تمام قبائل واحزاب امت مسلمہ کے خلاف اکٹھے برسرپیکار ہوئے تھے اس لیے اسے غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں۔ (لشکر اور جماعت کو جند اور حزب کہا جاتا ہے، جند کی جمع جنود اور حزب کی جمع احزاب ہے) ان اسلام دشمن احزاب وجنود کے اسلام کے خلاف یلغار کرنے کا تذکرہ قرآن میں اس طرح ہوا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝

(الاحزاب ۳۳ : ۹،۱۰)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا جو احسان تم پر ہے، اُسے یاد کرو جب کہ تمہارے مقابلے کو لشکروں کے لشکر آئے تو ہم نے ان پر تیز وتند آندھی اور ایسے لشکر بھیجے جنہیں تم نے دیکھا ہی نہیں ۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ سب کچھ دیکھتا ہے، جب کہ وہ (بنوقریظہ) تم پر اوپر کی طرف سے اور (قریش وغطفان) نیچے کی طرف سے چڑھ آئے اور جب آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آگئے اور تم اللہ تعالیٰ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔

غزوہ کے اسباب

غزوۂ اُحد کے بعد مسلمانوں کی مسلسل جنگی مہمات نے مسلمانوں کے حوصلے بلند جب کہ دشمنوں کے حوصلے پست کر دیے تھے اور ان مہمات نے اسلامی لشکر کی دھاک تمام مخالف قبائل کے دلوں میں بٹھانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ یہودیوں کے تمام قبائل اپنی خباثتوں کی وجہ سے ذلّت کی گہری کھائیوں میں گر چکے تھے۔ ان کے دلوں کی جلن اور رویوں کی منافقت نے سازشوں کا نیا روپ دھارا اور وہ مسلم امہ کی قوت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ چنانچہ یہود کے سربرآوردہ راہ نما مکہ میں قریش کے پاس جا پہنچے اور انہیں اُبھارا کہ اگر تم رسول اللہ ﷺ اور ان کی جماعت کے خلاف جنگ کا میدان لگاؤ تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔ قریش نے یہودی گروہ سے پوچھا کہ تم بھی اہل کتاب ہو یعنی تورات کو ماننے

والے ہو، تمہیں معلوم ہے کہ ہمارا اور محمد ﷺ کا اختلاف کیا ہے؟ کیا ہمارا دین بہتر ہے یا ان کا؟ تو جواب میں یہودی گروہ نے کہا کہ ان (مسلمانوں) کے دین سے تمہارا دین بہتر ہے۔ انہی لوگوں کے بارے میں قرآن نے وضاحت کی ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ○ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ○ (النساء ۴: ۵۱، ۵۲)	کیا آپؐ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا ہے وہ بت اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں اور کفار کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں سے زیادہ راہ راست پر ہیں۔ یہ لوگ وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے پھٹکار دیا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ پھٹکار دے اس کا آپ کوئی حامی نہ پائیں گے۔

کفار کی یلغار

یہودی سردار قریش کو جنگ پر آمادہ کرنے کے بعد قبیلہ غطفان کے پاس پہنچے، ان کو بھی تیار کیا، وہ بھی نکل کھڑے ہوئے۔ مکہ سے مشرکین کا ایک بہت بڑا لشکر ابوسفیان کی قیادت میں نکلا جب کہ غطفانیوں کا لشکر اپنے تین معتبر لیڈروں کی قیادت میں نکلا۔ تمام دشمنوں نے اکٹھے جینے مرنے کے عہدو پیمان کر کے مدینہ پر یلغار کے لیے چڑھائی شروع کر دی۔

اسلامی لشکر کی مشاورت

مدینہ میں رسول کریم ﷺ کو دشمنوں کی چڑھائی کی خبر مل گئی۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو اکٹھا کر کے دشمنوں سے مقابلے کے لیے مشاورت طلب کی تو مجلس میں سلمان فارسیؓ نے اپنی یہ رائے دی کہ بچاؤ کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ خندق کھودی جائے کیونکہ ہمارے

ہاں فارس میں ایسا ہی ہوتا ہے۔اس رائے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا اور خندق کی کھدائی کے احکامات صادر فرما دیے۔

خندق کی کھدائی

خندق کی کھدائی کا کام شروع ہو گیا اور تمام مسلمان مل کر کھدائی کرنے لگے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی عام کارکنوں اور فوجی سپاہیوں کے شانہ بشانہ کھدائی میں شریک رہے۔ کھدائی کے دوران اگر کسی مسلمان کو کسی کام کی غرض سے کہیں جانا پڑتا تو وہ اجازت لے کر جاتا اور پھر تکمیل حاجت کے بعد واپس آ کر شریک کار ہو جاتا لیکن منافقین کا رویہ اس کے برعکس تھا۔ وہ جب جاتے تو بغیر اجازت کے ہی کھسک جاتے اور پھر واپس بھی نہ پلٹتے۔

مومنوں کا جذبہ سمع وطاعت

مومنوں کے سمع وطاعت کے جذبہ کی عکاسی اس طرح کی گئی ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (النور ۲۴ : ۶۲)	ایمان دار لوگ وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول ؐ پر یقین رکھتے ہیں اور جب ایسے معاملہ میں جس میں لوگوں کے جمع ہونے کی ضرورت ہوتی ہے نبی ؐ کے ساتھ ہوتے ہیں تو جب تک آپ ؐ سے اجازت نہ لے لیں کہیں نہیں جاتے۔ جو لوگ ایسے موقع پر آپ ؐ سے اجازت لے لیتے ہیں درحقیقت یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ؐ پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس جب یہ لوگ اپنے کسی کام کے لیے اجازت

مانگیں تو آپؐ ان میں سے جسے چاہیں
اجازت دے دیں اور ان کے لیے اللہ سے
استغفار کریں۔ بے شک اللہ بخشنے والا
مہربان ہے۔

اہل ایمان نے اپنے عظیم قائد پیغمبر اسلام ﷺ کی قیادت میں مکمل سمع وطاعت کے جذبہ کے ساتھ خندق کھودی اور اگر کہیں کسی کو ذاتی کام کے لیے جانے کی ضرورت پیش آئی تو وہ اجازت لے کر گیا اور تکمیل حاجت کے بعد واپس آ کر کھدائی میں شریک کار ہو گیا جب کہ منافقین کا رویہ اس کے برعکس تھا۔

منافقین کی روش

خندق کی کھدائی میں منافقین کی روش کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے:

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ (النور ۲۴ : ۶۳)

اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو نظر بچا کر چپکے سے کھسک جاتے ہیں۔

منافقین کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جس نے بے یقینی کی فضا قائم کرنے کی کوشش کی اور بہانے بنائے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، ان کی حفاظت کون کرے گا؟ لہٰذا سب اپنے اپنے گھروں کو واپس جا کر ان کی حفاظت کریں۔ قرآن نے منافقین کی اس مکارانہ حرکت کا یوں ذکر کیا ہے:

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ

ان میں سے ایک جماعت نے آواز لگائی کہ اے یثرب والو! تمہارے لیے ٹھکانہ نہیں چلو لوٹ چلو اور ان کی ایک اور جماعت نبیؐ سے یہ کہہ کر اجازت مانگنے لگی کہ ہمارے گھر

وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ إِنْ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ۝ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِم مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ۝

(الاحزاب ۳۳ : ۱۳، ۱۴)

غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ کھلے ہوئے غیر محفوظ نہ تھے لیکن ان کا پختہ ارادہ بھاگ کھڑے ہونے کا تھا۔اور اگر مدینے کے اطراف سے ان پر (لشکر) داخل کیے جاتے پھر ان سے فتنہ طلب کیا جاتا تو یہ ضرور اسے برپا کر دیتے اور کوئی دیر نہ لگاتے۔

یہ منافقین اگر چہ اس سے قبل ایک ساتھ جینے مرنے کا عہد و پیمان کر چکے تھے لیکن جب وقت آیا تو طرح طرح کے بہانے بنا کر میدانِ جنگ سے منہ موڑنے لگے۔اگر مومن ان کے عہد و پیمان پر مکمل بھروسا کرتے تو انہیں مزید نقصان سے دو چار ہونا پڑتا۔ان کی تمام تر کوششیں موت کے خوف سے بھاگنے کی تھیں۔حالاں کہ اگر موت آجائے تو وہ کسی طور بھی اس سے بچ نہ سکیں۔

ان کی تمام تر مکاریوں کے باوجود اہل ایمان نے جیت کے جذبے سے خندق کھودی اور ان کے ساتھ رسول کریم ﷺ بھی بنفس نفیس کھدائی میں شریک رہے۔خندق کی کھدائی کے دوران بڑے ایمان افروز واقعات وقوع پذیر ہوئے۔

کھجوروں میں برکت

نعمان بن بشیرؓ کی بہن کو ان کی ماں نے کچھ کھجوریں دیں کہ یہ لے جاؤ اور اپنے باپ اور ماموں کو ناشتہ دے آؤ۔ جب وہ کھجوریں لے کر رسول کریم ﷺ کے پاس سے گزریں تو آپ ﷺ نے بلایا اور پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ یہ چند کھجوریں دو آدمیوں کے ناشتہ کے لیے ہیں۔آپ ﷺ نے وہ چند کھجوریں اپنے ہاتھوں میں انڈیل لیں۔پھر ایک چادر منگوا کر بچھائی اور وہ کھجوریں اُس پر بکھیر دیں۔پھر ایک شخص کو کہا کہ تمام لوگوں کو

ناشتہ کی دعوت دے دو۔ تمام مصروف کار لوگ آ گئے۔ جیسے جیسے لوگ کھاتے رہے کھجوریں بڑھتی رہیں حتّٰی کہ تمام لوگ سیر ہو گئے لیکن کھجوریں مسلسل چادر کے کناروں سے گرتی رہیں۔

جابرؓ کے کھانے میں برکت

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں بھی خندق کی کھدائی میں شریک تھا۔ میرے پاس چھوٹی سی موٹی تازی بکری تھی۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ اس سے رسول کریم ﷺ کے لیے کھانے کا اہتمام کروں۔ چنانچہ میں نے اپنی بیوی سے کہا اور انہوں نے کچھ جو پیس کر روٹی پکائی۔ میں نے بکری ذبح کر دی۔ اس طرح ہم میاں بیوی نے آپ ﷺ کے لیے کھانے کا اہتمام کیا۔ شام کے وقت جب کھدائی سے فارغ ہو کر تمام لوگ اپنے گھروں کو جانے لگے تو میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس طرح آپ ﷺ کے لیے کھانا تیار کیا ہے لہذا آپ ﷺ میرے ہاں تشریف لے چلیں۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میرا خیال تھا کہ آپ ﷺ صرف تنہا ہی تشریف لائیں گے لیکن آپ ﷺ نے عام لوگوں میں اعلان کر دیا کہ جابر کے گھر کھانا ہے، اس لیے تمام لوگ ان کے گھر چلیں۔ میں دل ہی دل میں پریشان تو ہوا لیکن آپ ﷺ کے ساتھ چل دیا۔ آپ ﷺ اپنے رفقائے کار کے ساتھ تشریف لائے اور آپ ﷺ نے بَارَكَ اللّٰهُ اور بِسْمِ اللّٰهِ کہہ کر کھانا شروع کر دیا۔ اور دوسرے لوگ بھی کھانے لگے۔ کچھ لوگ آتے، کھانا کھاتے اور چلے جاتے۔ پھر دوسرے لوگ آ جاتے۔ اس طرح تمام اہل خندق کھانا کھا گئے لیکن کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ ختم نہ ہوا۔

(صحیح بخاری ۲/۵۸۸)

کھدائی کے دوران بشارت

حضرت براءؓ بیان کرتے ہیں کہ خندق کی کھدائی کے دوران ایک سخت چٹان حائل ہوگئی جس پر ہم کدال مارتے تو وہ ٹوٹتی ہی نہ تھی۔ ہم نے رسول پاک ﷺ سے اس کا شکوہ

کیا۔ آپ ﷺ تشریف لائے اور کدال اٹھا کر بِسْمِ اللّٰہ پڑھ کر ایک ضرب لگائی تو ایک ٹکڑا ٹوٹ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے شام کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ واللہ! میں اس وقت وہاں کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں۔ پھر دوسری ضرب لگائی تو دوسرا ٹکڑا ٹوٹ گیا۔ اور فرمایا، اللہ اکبر! مجھے فارس دیا گیا ہے۔ واللہ! میں اس وقت مدائن کا سفید محل دیکھ رہا ہوں۔ پھر تیسری ضرب لگائی تو باقی چٹان بھی ٹوٹ گئی۔ پھر فرمایا، اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ واللہ! میں اس وقت اپنی جگہ سے صنعاء کے پھاٹک دیکھ رہا ہوں۔ (النسائی: ۵۶/۲)

دشمن کی فوجیں آنے سے پہلے مسلمانوں نے خندق کی کھدائی مکمل کر لی۔ رسول اکرم ﷺ اسلامی لشکر کو لے کر سلع پہاڑ کے قریب آ گئے۔ پچھلی جانب پہاڑ جب کہ سامنے خندق تھی اور لشکر میں شامل مسلمانوں کی کل تعداد تین ہزار تھی۔ عورتوں اور بچوں کو قلعوں میں محفوظ کر دیا گیا۔ اسلامی لشکر کے مقابلہ میں لشکر کفار کی تعداد دس ہزار سے بھی متجاوز تھی۔ (ابن ھشام: ۲۵۴/۲)

سردار حُیَیّ بن اخطب اور کعب بن اسد

بنونضیر قبیلے کا سردار حیی بن اخطب بنوقریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا۔ اس سے قبل یہودی سردار کعب رسول اکرم ﷺ کے ساتھ عہد و پیمان کر چکا تھا۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ حُیی آ رہا ہے تو اس نے قلعے کا دروازہ بند کر لیا۔ حیی نے کہا: اے کعب! تیرا برا ہو۔ قلعے کا دروازہ کھولو۔ کعب نے جواب دیا، اے حُیی! تیرا برا ہو، تو بڑا بد بخت ہے۔ میں نے محمد ﷺ سے وعدہ و قرار کیا ہے۔ میں نے اُنہیں ہمیشہ باوفا اور سچا پایا ہے، لہٰذا میں وعدہ نہیں توڑوں گا۔ اس نے کہا، تیرا برا ہو، تو دروازہ تو کھول! میں تجھ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا کہ میں دروازہ نہیں کھولوں گا۔ پھر حیی نے کہا کہ تو اس لیے دروازہ نہیں کھولتا کہ میں تیرا جشیشہ (گیہوں کے موٹے آٹے سے بنا ہوا خاص قسم کا کھانا) نہ کھا جاؤں۔ اس بات

سے کعب کو غصہ آیا اور اُس نے دروازہ کھول دیا۔

حُیی نے کہا، کعب! تجھے کیا ہوگیا ہے؟ میں تیرے پاس زمانہ بھر کی عزت اور انسانوں کی فوج ظفر موج لایا ہوں جس میں قریش کے سردار اور قائد بھی ہیں، قبیلہ غطفان اور ان کے سرداروں کو بھی لایا ہوں۔ ہم سب نے عہد کیا ہے کہ اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو جڑ سے نہ اکھاڑ پھینکیں۔

کعب نے کہا، خدا کی قسم! تو زمانے بھر کی ذلتیں لے کر آیا ہے اور ایسا بادل لایا ہے جس کا پانی بہہ چکا ہے۔ وہ گرجتا و چمکتا تو ہے لیکن اس میں کچھ نہیں ہوتا۔ تیرا بُرا ہو! تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔ میں نے محمد ﷺ میں عہد اور صداقت کے سوا کچھ نہیں پایا۔ یہ سن کر بھی حیی بن اخطب مسلسل کعب بن اسد کو برا بھلا کہتا رہا اور یہ بھی کہا کہ میں عہد کرتا ہوں کہ اگر قریش اور غطفان محمد ﷺ کا خاتمہ نہ کر سکے تو میں تیرے ساتھ قلعہ بند ہو جاؤں گا جو تجھ پر گزرے میرے ساتھ کر گزرنا۔ اس پر کعب نے آپ ﷺ کے ساتھ کیا ہوا عہد توڑ دیا۔

کعب کی عہد شکنی

آپ ﷺ کو کعب کی عہد شکنی کی خبر ملی تو آپؐ نے سعدؓ بن معاذ اور سعدؓ بن عبادۃ کو خبر کی تصدیق کے لیے بھیجا اور ان کے ساتھ عبداللہؓ بن رواحہ اور خواتؓ بن جبیر کو بھی بھیجا اور فرمایا، معلوم کر کے آؤ اگر درست ہو تو واپس آ کر اشارہ سے بتانا۔ واضح بتانے سے گریز کرنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اسلامی لشکر میں ضعف و کمزوری پیدا ہو جائے۔

چاروں اصحاب جب وہاں پہنچے تو ان لوگوں کو اپنی معلومات سے بھی دو ہاتھ آگے پایا۔ انہوں نے کہا: کون رسول اللہ ﷺ؟ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی عہد نہیں۔ اس پر سعدؓ بن معاذ نے انہیں برا بھلا کہا۔ جواب میں انہوں نے بھی ایسا ہی کہا سنا۔ سعدؓ بن معاذ تیز مزاج آدمی تھے اس لیے سعدؓ بن عبادۃ انہیں واپس لے گئے۔ واپس جا کر انہوں نے

رسول کریم ﷺ کو خبر دی کہ "اَلْعَضَلُ وَالْقَارَۃُ" یعنی جس طرح قبیلہ عضل اور قارۃ نے غداری کی تھی، اُسی طرح ان لوگوں نے بھی غداری کی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر! اے مسلمانوں کی جماعت! تمہیں بشارت ہو۔ تاہم بنو قریظہ کی عہد شکنی سے اسلامی لشکر کے حوصلے پست ہوئے اور کچھ لوگ تو شکوک وشبہات میں پڑ گئے۔ منافقین کا نفاق کھل کر سامنے آ گیا جنہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ محمد ﷺ نے تو ہم سے قیصر و کسریٰ کے خزانوں کا وعدہ کیا تھا جب کہ ہم آج بیت الخلاء میں بھی خوف محسوس کرتے ہیں۔ ان کی موشگافیوں کا تذکرہ قرآن نے بھی کیا ہے:

وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا (الاحزاب ۳۳ : ۱۲)	اس وقت منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا کہنے لگے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہم سے صرف دھوکا فریب کا وعدہ کیا تھا

دونوں جماعتوں کے درمیان ۲۸۔۲۹ دن کا محاصرہ رہا۔ دونوں لشکر خندق کے دونوں جانب مورچہ زن رہے۔ طویل محاصرہ کے بعد آپ ﷺ نے قبیلہ غطفان کے دو سرداروں عیینہ بن حصن اور حارث بن عرف کو کہلا بھیجا اور انہیں پھلوں کا ثلث دینے کی پیشکش کی تا کہ وہ اپنی فوجوں کو واپس لے جائیں۔ اس فیصلہ کو قطعی بنانے کے لیے سعدؓ بن معاذ اور سعدؓ بن عبادۃ سے مشورہ طلب کیا۔ ان دونوں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! کیا یہ ایسا معاملہ ہے جو آپ کو پسند ہے یا یہ اللہ کا حکم ہے؟ یا یہ صرف آپ ﷺ ہمارے لیے کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اسے صرف تمہارے لیے کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ اس وقت تمام عرب ایک کمان سے تمہارے اوپر تیر برسا رہا ہے۔ اس پر سعدؓ بن معاذ نے کہا کہ اس سے قبل ہم اور یہ لوگ بت پرستی اور شرک میں مبتلا تھے، ہم اللہ کی عبادت نہیں کرتے تھے اور نہ ہی اسے پہچانتے تھے۔ یہ ان پھلوں میں سے ایک کھجور بھی نہ کھا سکتے تھے الّا یہ کہ مہمان نوازی ہو۔ اب

جب کہ اللہ نے ہمیں اسلام کے ساتھ عزت وتکریم سے نوازا ہے آپ ﷺ کی اور اسلام کی برکت سے ہم معزز اور محترم ہو گئے ہیں تو کیا ہم انہیں اپنے اموال دے دیں گے۔ اللہ کی قسم! ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ اب ان کے اور ہمارے درمیان صرف تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا، اچھا تم جانو اور تمہارا کام۔ پھر حضرت سعدؓ نے وہ پرچہ پکڑ کر تحریر مٹا ڈالی اور کہا کہ اب وہ ہمارے خلاف قوت آزمائی کر لیں۔ (ابن ھشام: ۲/۲۵۸)

حضرت صفیہؓ کی بہادری

مسلمان عورتوں اور بچوں کو ایک مضبوط قلعہ میں محفوظ کر دیا گیا۔ یہود بنو قریظہ کے عہد و پیمان توڑنے کی وجہ سے ان سے بھی خطرہ تھا۔ چنانچہ ایک یہودی قلعہ کے پاس سے گزرا جس میں عورتیں اور بچے تھے اور مردوں میں سے صرف اکیلے حسان بن ثابتؓ وہاں موجود تھے۔ حضرت صفیہؓ نے کہا، اے حسان! جاؤ اس یہودی کو پکڑو کہیں واپس جا کر ہمارے ٹھکانے کی خبر اپنی فوج کو نہ دے دے۔ اس وقت اسلامی فوج بھی ہمارے قریب نہیں جو ہماری مدافعت کر سکے۔ اس لیے تم جاؤ اور اس کی خبر لو۔ حسان نے کہا: عبدالمطلب کی بیٹی! اللہ تمہیں معاف کرے۔ خدا کی قسم! تم جانتی ہو کہ میں اس قابل نہیں۔ حسان کا یہ جواب سن کر حضرت صفیہؓ اٹھیں، کمر کس کر لاٹھی اٹھائی اور قلعے سے نیچے اتر گئیں اور جا کر اس لاٹھی سے اس یہودی کا کام تمام کر دیا۔ واپس آ کر حسان سے کہا کہ اب نیچے جا کر اس کا سامان تو نکال لاؤ، عورت ہونے کی وجہ سے حیا مانع تھی اس لیے میں نہ نکال سکی۔ حسان نے کہا: اے بنت عبدالمطلب! مجھے اس کے سامان کی ضرورت نہیں۔ (سیرت ابن ھشام: ۲/۲۶۵)

نعیم کا کارنامہ

غزوۂ خندق میں اسلامی لشکر کی قلت اور لشکر کفار کی کثرت کے باوجود مسلمان خندق کے اِس پار ثابت قدم رہے اور خندق کے اُس پار کفار کی جمعیت ٹوٹ گئی۔ اس دوران قبیلہ

غطفان کے نُعیم بن مسعود اشجعی حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں مسلمان ہو گیا ہوں لیکن میرے قبیلے کو میرے اسلام کی خبر نہیں۔ آپ ﷺ فرمائیں میں کس کام آ سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ" (جنگ میں چال جائز ہے) تم جا کر ان میں پھوٹ ڈالو۔ چنانچہ نعیم بنو قریظہ کے پاس گئے اور جا کر انہیں کہا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ مجھے آپ لوگوں سے خاص محبت و تعلق ہے۔ انہوں نے کہا، ہاں اس میں کوئی شک نہیں۔ نُعیم نے کہا، بات یہ ہے کہ تمہارا معاملہ قریش و غطفان سے مختلف ہے۔ کیونکہ یہ تمہارا اپنا علاقہ ہے، تمہارا گھر بار ہے، کاروبار ہے اور اہل و عیال ہیں۔ تم اس علاقے کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتے جب کہ قریش و غطفان جنگ لڑنے آئے ہیں اور انہوں نے جنگ میں فتح و شکست دونوں صورتوں میں واپس جانا ہے اور تم نے یہیں رہنا ہے۔ ان کا ساتھ دینے کی وجہ سے محمد ﷺ جس طرح چاہیں گے تم سے انتقام لیں گے۔ اس بات سے بنو قریظہ چونکے اور انہوں نے نُعیم سے کہا کہ بات تو تم ٹھیک کہتے ہو لیکن ہمیں اس بارے میں کیا کرنا چاہیے؟ انہوں نے کہا تم ایسا کرو کہ جب تک قریش اپنے چند آدمی بطور یرغمال تمہارے حوالے نہ کر دیں، ان کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہونا۔ قریظہ نے کہا، آپ کی رائے اچھی معلوم ہوتی ہے۔

بنو قریظہ کے ذہنوں میں یہ بات ڈالنے کے بعد نُعیمؓ سیدھے قریش کے پاس پہنچے اور انہیں کہا کہ جو جذبہ خیر خواہی مجھے آپ سے ہے وہ تو تمہیں معلوم ہی ہے۔ وہ کہنے لگے جی ہاں، تو نُعیمؓ نے کہا کہ تمہیں اس بات کی خبر ہونی چاہیے کہ بنو قریظہ نے محمد ﷺ سے جو عہد شکنی کی ہے اس پر وہ نادم ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ تمہارے کچھ آدمی یرغمال بنا کر محمد ﷺ کے حوالے کر کے ان سے اپنے تعلقات استوار کر لیں۔ لہٰذا اگر وہ یرغمال طلب کریں تو ہرگز ان کی بات نہ ماننا۔ قریش کے بعد نُعیمؓ غطفان کے پاس چلے گئے۔

اس کے بعد قریش نے قریظہ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمارا قیام کسی مناسب جگہ پر نہیں لہٰذا تم آگے بڑھ کر اسلامی لشکر پر حملہ کرو۔ اس کے جواب میں قریظہ نے کہلا بھیجا کہ ایک تو ہفتہ کے دن ہم حملہ نہیں کر سکتے کہ اس دن ہم اس سے قبل بہت سا نقصان اٹھا چکے ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ جب تک کچھ آدمی بطور یرغمال نہیں بھیجو گے ہم آگے نہیں بڑھیں گے۔ یہ بات سن کر قریش وغطفان نے کہا کہ واقعی نُعیم سچ کہتا تھا اور قریظہ کو دوبارہ پیغام بھجوایا کہ ہم آدمی نہیں بھیجیں گے، بس ہمارے ساتھ مل کر مسلمانوں پر ہلہ بول دو۔ یہ سن کر قریظیوں نے بھی کہا کہ نُعیم سچ کہتا تھا اور نتیجہ یہ نکلا کہ ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ (ابن هشام: ۲۶۶/۲)

اس موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ نے دعائیں بھی کیں کہ اے اللہ! ہماری پردہ پوشی فرما اور خطرات سے مامون فرما! بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا سن لی۔ ایک تو یہ کہ مشرکین و یہود میں باہمی پھوٹ کی وجہ سے پست ہمتی پیدا ہوگئی، دوسرا یہ کہ تیز ہوائیں چلیں جن سے کفار کے خیمے اکھڑ گئے، سواریوں کی رسیاں ٹوٹ گئیں اور ان کی ہانڈیاں الٹ گئیں اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی فوج بھی نازل کردی۔ جیسا کہ قرآن میں ذکر ہوتا ہے:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿٩﴾ (الاحزاب ۳۳ : ۹)	پھر ہم نے ان پر تیز آندھی اور ایسے لشکر بھیجے جنہیں تم نے دیکھا ہی نہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھتا ہے۔

غزوۂ احزاب میں حزب اللہ کو عزت و تکریم نصیب ہوئی جب کہ احزابِ شیطان خائب و خاسر ہو کر بے نیلِ مرام و نامراد پلٹ گئیں۔

منافقین کا کردار

غزوۂ خندق میں منافقین کا کردار اوّل سے لے کر آخر تک بھیانک رہا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو غلبہ ملے۔ بلکہ انہوں نے قدم بقدم اسلامی جمعیت کو کمزور کرنے کی

کوشش کی۔ خندق کی کھدائی میں بھی وہ مکمل طور پر شریک نہ ہوئے بلکہ کھسکتے رہے اور یہ بھی کہتے رہے کہ بھائیو! ہمارے ساتھ چلے آؤ، لڑائی پھر کبھی سہی۔ انہیں اللہ اور رسول کے وعدے پر بھی یقین نہیں تھا۔ اور وہ مال و جائیداد کے بھی بڑے حریص تھے۔ قرآن نے ان کی خود غرضیوں کی نشاندہی کی ہے:

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَ الْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًاo (الاحزاب ۳۳ : ۱۸)	اللہ تعالیٰ تم میں سے انہیں بخوبی جانتا ہے جو دوسروں کو روکتے ہیں اور اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس چلے آؤ اور کبھی کبھار ہی لڑائی میں آتے ہیں۔

منافقین کی مکاریوں اور چالبازیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے رعب و دبدبے کی کافروں کے دلوں پر دھاک بٹھا دی۔ قریشی اور غطفانی لشکر قریظیوں سے اختلاف و افتراق کے باعث ایک دوسرے کو کوستے ہوئے واپس چلے گئے۔ اور یہ تقریباً ایک ماہ جاری رہنے والی اعصاب شکن جنگ اپنے انجام کو پہنچی جو شوال ۵ ھ میں وقوع پذیر ہوئی۔ دشمنوں کی واپسی کی تصدیق کر لینے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ تشریف لے گئے۔

غزوہ قریظہ

لشکر اسلامی کے سالار اعظم جناب رسولِ ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر سمیت مدینہ میں تشریف لے گئے۔ آپؐ نے اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے جنگی ہتھیار اتار دیے۔ نماز ظہر کی تیاری شروع ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرما رہے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آ گئے اور کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے تو جنگی ہتھیار اتار دیے جب کہ ملائکہ کی فوج ابھی تک ہتھیار پہنے ہوئے میدان جنگ میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نکلیں۔ دریافت فرمایا، کہاں؟ تو جبریل نے کہا، بنو قریظہ کی طرف۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کروادیا کہ نماز عصر بنو قریظہ کی سرزمین میں ادا کی جائے گی۔ لشکر چل نکلا اور راستے میں نماز عصر کا وقت آ گیا تو کچھ لوگوں نے پڑھ لی اور کچھ نے تاخیر سے مقام قریظہ پر ادا کی۔ جب معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کیے رکھی۔ تیس شہسواروں سمیت تین ہزار نفوس قدسیہ پر مشتمل سرفروشوں کا یہ لشکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں قریظہ کی سرزمین میں پہنچا۔ ایک کنویں کے قریب پڑاؤ ڈال دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس روز تک قریظیوں کا محاصرہ کیے رکھا۔ بڑا طویل اور اعصاب شکن محاصرہ تھا۔ اسلامی لشکر پہلے بھی عرصہ دراز سے جنگی مہمات میں تھا۔ لیکن اللہ نے دشمنانِ اسلام کے دلوں میں اہل اسلام کا رعب ڈال دیا۔

یہودیوں کے سردار کعب بن اسد نے اپنی قوم کے سامنے تین تجویزیں رکھیں کہ ہم سب اسلام قبول کر کے اپنی جانیں اور اموال بچالیں یا پھر اپنی عورتوں اور بچوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے جنگ میں کود جائیں اور اس وقت تک لڑتے رہیں جب تک کہ جنگ نتیجہ خیز ثابت نہ ہو یا پھر اسلامی لشکر پر ہفتہ کے دن حملہ کریں کیونکہ وہ اس دن امن میں ہونگے۔ قوم نے تینوں تجاویز مسترد کر دیں۔ البتہ انہوں نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا کہ ہم ان سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ جب ابولبابہؓ ان کے پاس پہنچے تو وہ ان کے گرد جمع ہو گئے اور عورتیں و بچے آہ و بکا کرنے لگے۔ ان سب نے ابولبابہؓ سے پوچھا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر قلعوں سے نیچے اتر آئیں تو ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟! ابولبابہؓ نے کہا کہ ہاں اور ساتھ ہی گردن کی طرف اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ تم سب قتل کر دیے جاؤ گے۔ لیکن فوراً بعد ابولبابہ کو احساس ہو گیا کہ انہوں نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کی ہے۔ چنانچہ وہ سیدھے مسجد نبوی میں چلے گئے اور اپنے آپ کو ستون کے ساتھ باندھ کر قیدی بنا لیا۔

توبہ کی قبولیت

حضرت ابولبابہؓ نے خود کو ستون کے ساتھ باندھ کر قیدی بنالیا اور کہا کہ جب تک اللہ مجھے معاف نہیں کرے گا میں آزاد نہیں ہوں گا۔ان کی بیوی آ کر رسیاں کھول دیتیں وہ نماز پڑھ کر پھر بندھ جاتے۔یہ سلسلہ چھ سات روز جاری رہاحتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے براءت نازل فرمائی۔جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (التوبة ۹ : ۱۰۲)	اور کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا جنہوں نے ملے جلے عمل کیے تھے کچھ بھلے اور کچھ برے۔اللہ سے امید ہے کہ ان کی توبہ قبول فرمائے۔بے شک اللہ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔

جب آیت کا نزول ہوا تو آپ ﷺ حضرت ام سلمہؓ کے حجرے میں تھے تو انہوں نے کہا کہ کیا میں ابولبابہ کو بشارت دوں؟ آپؐ نے فرمایا، کیوں نہیں۔چنانچہ حضرت ام المومنین نے اپنے دروازے سے ابولبابہ کو قبولیت توبہ کی بشارت سنائی۔لوگ دوڑے کہ ابولبابہ آزاد ہو جائیں۔انہوں نے کہا کہ نہیں، مجھے رسول کریم ﷺ ہی آزاد کریں گے۔چنانچہ آپ ﷺ نے صبح کی نماز کے وقت آزاد فرمایا۔(مختصر سیرۃ رسول شیخ عبداللہ:۲۸۸)

بنوقریظہ کے لوگ حضور ﷺ کے حکم پر قلعے سے نیچے اتر آئے تو قبیلہ اوس کے لوگ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے، اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ نے خزرج کے حلیف بنوقینقاع کے ساتھ جو معاملہ کیا تھا، (یعنی انہیں معاف کر کے چھوڑ دیا تھا) ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ فرمائیں کیونکہ یہ ہمارے حلیف ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں پسند ہے کہ تم میں سے ایک شخص منصف بن جائے؟ انہوں نے کہا، کیوں نہیں

یارسول اللہ! تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سعدؓ بن معاذ سے ملو (سعد بن معاذؓ تیر لگنے کی وجہ سے زخمی ہو کر مسجد نبوی کے قریب مشہور طبیبہ رفیدہ نامی خاتون کے خیمہ میں بغرض علاج پڑے تھے)۔

حضرت سعدؓ بن معاذ کو ایک سواری پر لایا گیا۔ راستے میں قبیلہ کے لوگوں نے کہا کہ سعد! فیصلہ کرتے ہوئے خیال رکھنا کیونکہ وہ ہمارے حلیف ہیں۔ ان کے جواب میں حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ میں اللہ کے معاملہ میں لومۃ لائم (کسی ملامت گر کی ملامت) کی پروا نہ کروں۔ سعدؓ بن معاذ کی سواری آئی تو حضور ﷺ نے فرمایا: اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ! حضرت سعدؓ نے اس موقع پر بڑی دانائی کی باتیں کیں اور مدبرانہ فیصلہ فرمایا۔

حضرت سعدؓ نے پہلے تو اپنی قوم سے پوچھا کہ کیا تم میرے فیصلے کو قبول کرو گے؟ سب نے کہا، ہاں ۔پھر ان سب لوگوں سے دریافت کیا جن میں رسول اکرم ﷺ تشریف فرما تھے لیکن اپنے چہرے کا رخ احتراماً اس طرف نہیں کیا، تو جواب آپ ﷺ نے خود دیا کہ ہاں قبول کیا جائے گا۔ پھر حضرت سعدؓ نے فیصلہ کیا کہ بنو قریظہ کے تمام بچوں اور عورتوں کو قیدی بنالیا جائے اور مردوں کی گردنیں اڑا دی جائیں۔ اِس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا سعدؓ! تم نے وہی فیصلہ کیا جو آسمانوں سے آیا ہے۔ چنانچہ تمام قریظی مردوں کو قتل کر دیا گیا جن کی تعداد چھ اور سات سو کے درمیان تھی۔ (ابن ھشام: ۲/۲۷۸)

بدعہدی کی پاداش میں سردار کعب بن اسد اور شدید مکاری کی بنا پر سردار حیی بن اخطب کو بھی تہ تیغ کیا گیا۔ اس غزوہ کے اختتام پر مسلمانوں کی شان و شوکت میں اللہ تعالیٰ نے اور بھی اضافہ کر دیا۔ ان سے بدعہدی کرنے والے اپنے انجام کو پہنچے اور جو بچ گئے ان کے دلوں میں رعب اور دبدبہ بیٹھ گیا اور پھر ان کے گھروں اور باغات کا مالک و وارث

مسلمانوں کو بنا دیا۔ یہ اللہ کی طرف سے ان کی صداقت اور ثابت قدمی کی بہترین جزا تھی۔ جب کہ منافقین کے لیے ان کے مکروفریب اور کذب بیانی کی بدترین سزا تھی جس طرح کہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے:

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْيَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ٥ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ط وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ط وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ٥ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَ تَأْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ٥ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ٥

(الاحزاب ۳۳: ۲۴۔۲۷)

تاکہ اللہ تعالیٰ سچے لوگوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے اور اگر چاہے تو منافقوں کو سزا دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے۔ اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا بہت ہی مہربان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو غصے میں بھرے ہوئے (نامراد) ہی لوٹا دیا انہوں نے کوئی فائدہ نہیں پایا اور اس جنگ میں اللہ تعالیٰ خود ہی مومنوں کو کافی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا اور غالب ہے اور جن اہل کتاب نے ان سے ساز باز کر لی انہیں بھی اللہ نے ان کے قلعوں سے نکال دیا اور ان کے دلوں میں بھی رعب بھر دیا کہ تم ان کے ایک گروہ کو قتل کر رہے ہو اور ایک گروہ کو قیدی بنا رہے ہو۔ اور اس نے تمہیں ان کی زمینوں، ان کے گھر بار اور ان کے مال کا وارث کر دیا اور اس زمین کا بھی جسے تمہارے قدموں نے روندا نہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کو نصیب ہونے والی کامیابی و کامرانی نے مستقبل میں بڑے گہرے اثرات مرتب کیے۔

غزوۂ خندق و قریظہ کے بعد کی عسکری مہمات

سلام بن ابی الحقیق کا قتل

قبیلہ اوس اور خزرج میں دشمنان رسول کو انجام تک پہنچانے کی مسابقت چلتی رہتی۔ قبیلہ اوس کے لوگوں نے دشمن رسول کعب بن اشرف کو کیفر کردار تک پہنچایا تھا۔ چنانچہ اسی سطح کے آپ ﷺ کے دشمن ابو رافع سلام بن ابی الحقیق کو تہ تیغ کرنے کے لیے قبیلہ خزرج کے لوگوں نے اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرما دی۔ پانچ افراد عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عتیک، مسعود رضی اللہ عنہ بن سنان، عبداللہ رضی اللہ عنہ بن انیس، ابوقتادہ رضی اللہ عنہ حارث بن ربعی اور خزاعی رضی اللہ عنہ بن اسود کا دستہ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عتیک کی امارت میں روانہ ہوا۔ یہ لوگ کمال ہوشیاری سے خیبر جا کر قلعہ بند مکار دشمن ابو رافع کو قتل کر کے کامیاب واپس لوٹے۔ (سیرت ابن ھشام: ۲/۳۲۸)

سریہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ

اس سریہ میں آپ ﷺ نے تیس سواروں کا عسکری دستہ روانہ فرمایا جس کا مقصد بنی بکر بن کلاب کی بیخ کنی تھا۔ جب لشکر وہاں پہنچا تو وہ لوگ بھاگ گئے۔ وہ واپسی پر ثمامہ بن اُثال کو گرفتار کر کے لے آئے اور لا کر مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا۔ جب آپ ﷺ اس کے پاس آئے تو پوچھا، ثمامہ! تمہارا کیا خیال ہے کہ تمہارے ساتھ کیسا سلوک ہوگا؟ اُس نے کہا، اے محمد ﷺ! میرے خیال کے مطابق اچھا ہوگا۔ تاہم اگر مجھے قتل کرو گے تو ایسے آدمی کو قتل کرو گے جس کے خون کا بدلہ لیا جائے گا، اور اگر احسان کرو گے تو ایک قدردان پر

احسان کرو گے۔اور اگر مال چاہتے ہو تو جو مانگو گے دے دیا جائے گا۔اگلے دن بھی اس سے یہی گفتگو ہوئی اور پھر تیسرے دن بھی آپ ﷺ کے پوچھنے پر اس نے یہی جواب دیا تو آپ ﷺ نے اسے آزاد کر دیا۔وہ مسجد نبویؐ کے قریب ہی ایک باغ میں غسل کر کے واپس آ گیا اور مشرف بہ اسلام ہو گیا۔پھر کہنے لگا،اے محمد ﷺ! خدا کی قسم! کہ جب میں گیا تھا تو میرے نزدیک روئے زمین پر سب سے مبغوض چہرہ آپ ﷺ کا تھا لیکن اب سب سے محبوب چہرہ آپ ﷺ کا ہے۔پہلے مبغوض ترین دین آپ ﷺ کا دین تھا اور اب محبوب ترین دین آپ ﷺ کا دین ہے۔پہلے سب سے مبغوض ترین آپ ﷺ کا شہر تھا اور اب محبوب ترین آپ ﷺ کا شہر ہے۔

ثمامہ نے عرض کیا،یارسول اللہ! جب مجھے گرفتار کیا گیا میرا اس وقت عمرہ کا ارادہ تھا۔اب کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا،خوش رہو اور جاؤ عمرہ کرو۔جب ثمامہ عمرہ کی ادائیگی کے لیے مکہ پہنچے تو قریش مکہ نے کہا کہ تم بے دین ہو گئے ہو۔انہوں نے کہا نہیں بلکہ میں محمد کریم ﷺ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا ہوں۔واللہ! اب یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی تمہارے لیے نہیں آئے گا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ اس کی اجازت نہ دیں۔اور واپس جا کر ایسا ہی کیا۔قریش مکہ غلہ کی بندش سے سخت مشکلات سے دوچار ہوئے۔انہوں نے آپ ﷺ کو قرابت داری کا واسطہ دے کر درخواست کی کہ یمامہ سے غلہ جاری کروایا جائے۔چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔

(زادالمعاد: ۱۱۹/۲)

غزوہ بنولحیان

بنولحیان نے آپ ﷺ کے اصحاب کو مقام رجیع پر دھوکے سے شہید کیا تھا۔اس واقعہ کے چھ ماہ بعد آپ ﷺ دو سو افراد کو ساتھ لے کر بنولحیان سے بدلہ لینے کے لیے نکلے۔

جب مطلوبہ مقام پر پہنچے تو وہ لوگ ڈر کر بھاگ نکلے اور پہاڑوں کی چوٹیوں میں چھپ گئے۔
آپ ﷺ کچھ روز وہاں قیام کر کے بغیر قتال کیے واپس آ گئے۔ (ابن ھشام: ۲/۳۳۳)

سریۂ غمر

ربیع الاول ۶ ھ میں عکاشہ بن محصنؓ کی کمان میں چالیس سرفروشوں پر مشتمل عسکری دستہ چشمۂ غمر کی طرف روانہ کیا لیکن ان کی آمد کی خبر سن کر دشمن بھاگ گیا۔ اور مسلمان ان کے دوسو اونٹ ہانک کر مدینہ لے آئے۔

مولانا صفی الرحمان مبارکپوری نے الرحیق المختوم میں ۶ ھ میں سریۂ ذوالقصہ (۱) سریۂ ذوالقصہ (۲)، سریۂ جموم، سریۂ عیص، سریۂ طرف یا طرق، سریۂ وادی القری اور سریۂ خبط کا ذکر سیاق وسباق سے کیا ہے۔ (الرحیق المختوم: ۵۳۴)

غزوہ بنی المصطلق (غزوہ مریسیع)

جنگی اعتبار سے یہ غزوہ اتنا بڑا نہیں تھا اور نہ ہی اس میں فریقین میں سے کسی کا بہت زیادہ جان و مال کا نقصان ہوا۔ لیکن اس میں منافقین کا رویہ اور اس میں رونما ہونے والے چند واقعات اسلامی معاشرے میں اضطراب کا باعث بنے۔ قرآن مجید میں بھی اس منافقانہ کردار کو واضح کیا گیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنوالمصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار آپ سے جنگ کے لیے عربوں کو اکٹھا کر رہا ہے۔ نبی اکرم ﷺ اسلامی لشکر لے کر روانہ ہوئے اور چشمہ مریسیع تک جا پہنچے۔ عرب تو بکھر گئے لیکن سردار حارث بن ابی ضرار اپنی قوم کو لے کر مقابلہ کے لیے میدان میں اترا۔ جنگ ہوئی جس میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور دشمنوں کے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنالیا گیا۔ قیدیوں میں سردار کی صاحبزادی جویریہ بھی تھیں جو بعد میں آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں۔

منافقین ہمیشہ سے ہی مسلمانوں اور اسلام کے خلاف زہر افشانی کرتے رہتے تھے اور کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ منافقین کی جماعت کا بڑا لیڈر عبداللہ بن اُبی تھا۔

عبداللہ بن اُبی کی گستاخی

چشمۂ مریسیع پر قیام کے دوران مہاجرین اور انصار کے درمیان غلط فہمی کی بنیاد پر ٹکراؤ ہو گیا تو عبداللہ بن اُبی نے بھرپور منافرت پھیلانے کی کوشش کی اور اپنی قوم انصار کو اُکسایا کہ آج مہاجرین ہمیں ہی طاقت دکھانے لگے ہیں اور یہ بھی کہا کہ ہم واپس جا کر شہر کے کمزور ترین شخص کو مدینہ سے نکال دیں گے۔ ایک نوجوان صحابی زید بن ارقمؓ نے آپ ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دے دی۔ صحابہ میں اشتعال پیدا ہوا۔ حضرت عمرؓ نے تو یہاں تک کہا کہ اسے قتل کر دینا چاہیے لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں یہ کیسے کر سکتا ہوں؟ کیونکہ لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ نے اب اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے۔

آپ ﷺ نے کوچ کا اعلان کر دیا۔ عبداللہ بن اُبی اپنے ادا کردہ کلمات سے منحرف ہو گیا۔ لیکن آپ ﷺ شام کے وقت چل پڑے تو اُسید بن حضیرؓ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ یہ کون سا وقت ہے کوچ کرنے کا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے نہیں سنا کہ تمہارے ساتھی نے کیا کہا ہے؟ انہوں نے پوچھا، وہ کون ہے اور کیا کہتا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، عبداللہ بن اُبی۔ اور وہ کہتا ہے کہ ہم واپس جا کر شہر کے کمزور ترین شخص کو مدینہ سے نکال دیں گے۔ اُسید بن حضیرؓ نے کہا کہ وہ خود کمزور ترین شخص ہے۔ آپ ﷺ صاحب عزت و طاقت ہیں اور جب چاہیں اس کو شہر سے نکال سکتے ہیں۔ آپ کو تو معلوم ہے کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے انصار کے دونوں قبیلے اس کے لیے سرداری کا تاج تیار کر چکے تھے۔ اب وہ سمجھتا ہے کہ اس کی سرداری چھن گئی ہے۔ اے اللہ کے

رسول ﷺ! اس کے لیے نرمی اختیار کیجئے۔

آپ ﷺ ساتھیوں کو لے کر رات بھر چلتے رہے حتیٰ کہ دن کا بھی بیشتر حصہ گزر گیا۔ جب پڑاؤ ڈالا تو لوگ اتنے تھکے ہوئے تھے کہ زمین پر لیٹتے ہی سو گئے۔ (ابن ہشام: ۲/۳۴۷)

آپ ﷺ نے پانچویں شادی حضرت زینبؓ سے کی تھی۔ اس پر بھی منافقین نے یہ بات اچھالی کہ قرآن میں تو چار شادیاں ہیں، پانچویں کیسے ہوگئی؟ حضرت زینبؓ آپ ﷺ کے عقد میں آنے سے پیشتر آپ ﷺ کے متبنیٰ زید بن حارثہؓ کے نکاح میں تھیں۔ یہ بات بھی منافقین کے ہاں پراپیگنڈہ کا باعث بن گئی۔ منافقین کے کردار کے متعلق قرآن کی راہ نمائی اس طرح ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ (الاحزاب ۳۳ : ۱)	اے نبی! اللہ سے ڈرو اور کافرین اور منافقین سے نہ دبو۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

غزوہ بنی مصطلق کے حوالہ سے ابن ہشام نے سورۃ الحجرات کی دو آیات درج کی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۙ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ (الحجرات ۴۹ : ۶،۷)	اے ایمان والو! اگر کوئی بے راہ رو (غیر ذمہ دار شخص) تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو تکلیف پہنچا دو پھر اپنے کیے پر تمہیں شرمندہ ہونا پڑے۔ اور خوب سوچ سمجھ لو کہ تمہارے اندر اللہ کے رسول ہیں اگر وہ بہت سے معاملات میں تمہاری بات ماننے لگیں تو تم سخت دشواری میں پڑ جاؤ گے۔

حضرت جویریہؓ سے نکاح

غزوہ بنی المصطلق میں گرفتار ہو کر آنے والی خواتین میں سردار حارث بن ابی ضرار کی صاحبزادی جویریہ بھی تھیں۔ غنیمتیں تقسیم ہوئیں تو جویریہ بنت حارث ایک صحابی ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئیں۔ ثابتؓ نے انہیں مکاتب بنالیا۔ (یعنی ایسا غلام یا لونڈی جو اپنے مالک سے طے شدہ رقم ادا کر کے آزاد ہو جائے) پھر حضرت جویریہؓ کی جانب سے حضور ﷺ نے طے شدہ رقم ادا کر کے ان سے شادی کر لی اور اس شادی کی وجہ سے سو اسیرانِ جنگ کو آزاد کر دیا گیا کیوں کہ اب یہ مسلمانوں کے نزدیک حضور ﷺ کے رشتہ دار بن گئے تھے۔

(ابن ھشام: ۳۵۱/۲)

صلح حدیبیہ

حدیبیہ کا سبب

رسول کریم ﷺ نے مدینہ میں خواب دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ سمیت بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کی چابی لی اور سب نے طواف اور عمرہ کیا پھر کچھ لوگوں نے بال منڈوائے اور کچھ نے کٹوائے اور پھر قربانیاں کیں۔ آپ ﷺ نے یہ خواب اپنے صحابہ کو سنایا تو سب کے دلوں میں زیارت حرم کی امنگ پیدا ہوئی اور سب نے سمجھا کہ عمرہ اسی سال ہوگا۔ آپ ﷺ نے بھی فرمایا کہ ابھی تیاری کرو۔

روانگی

آپ ﷺ نے روانگی کا اعلان فرمایا تو چودہ سو زائرین کا قافلہ تیار ہو گیا۔ آپ ﷺ کا قافلہ یکم ذی قعدہ ٦ھ کو روانہ ہوا۔ آپ ﷺ کے ساتھ اس سفر میں

ازواج مطہرات میں سے ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو سفری ہتھیار کے علاوہ کسی جنگی ہتھیار کے ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں دی۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر قربانی کے جانوروں کو قلادے پہنائے گئے اور عمرہ کے لیے احرام بھی باندھے گئے اور قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص کو حالات کی خبر گیری کے لیے آگے بھیج دیا۔ جس نے عسفان کے قریب واپس آ کر اطلاع دی کہ کعب بن لوی اعراب کو جنگ کے لیے اکٹھا کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ اور قبائل بھی جمع ہو رہے ہیں۔

مشاورت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفقائے سفر سے موقع کی مناسبت سے مشاورت کی تو طے یہ پایا کہ لڑائی کے لیے نہیں بلکہ صرف عمرہ کے لیے سفر جاری رکھا جائے۔ ادھر قریش مکہ نے بھی مشاورت کی جس میں یہ طے پایا کہ ہر طرح سے مسلمانوں کو خانہ کعبہ میں داخلہ سے روکا جائے۔ اس مقصد کے لیے خالد بن ولید سواروں کے دو فوجی دستوں کے ساتھ کراع الغمیم پر تیار کھڑے تھے۔

راستے کی تبدیلی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشی دستے کے ساتھ مقابلہ و مقاتلہ کی بجائے راستہ تبدیل کر لیا۔ ایک دشوار گزار اور پر پیچ راستہ سے ہوتے ہوئے مکہ کے زیریں علاقہ اقصائے حدیبیہ میں جا اترے۔ وہاں ایک چشمہ تھا جس کا پانی جلد ہی ختم ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ساتھی کو ترکش میں سے ایک تیر نکال کر دیا جب وہ تیر چشمہ میں ڈالا گیا تو چشمہ دوبارہ ابل پڑا۔ جس سے تمام اہل ایمان پانی سے سیراب ہو گئے۔ یہاں اور بھی واقعات پیش آئے۔

(تفصیلات کے لیے دیکھیے۔ سیرت ابن ہشام، زاد المعاد، مختصر سیرۃ الرسول)

سفارت عثمانؓ

اس مقام پر رسول اکرم ﷺ نے سوچا کہ ایک شخص کو مکہ روانہ کیا جائے جو قریش مکہ کو ہمارے پرامن سفر اور زیارت بیت اللہ کے مقصد کے متعلق واضح کرے۔ اس سفارتی خدمت کے لیے آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! اس کام کے لیے حضرت عثمانؓ مجھ سے بہتر ہیں۔ قریش میں حضرت عثمانؓ بڑے احترام سے دیکھے جاتے تھے۔ مکہ پہنچنے پر قریش نے مرحبا کہا اور آمد کا مقصد پوچھا تو حضرت عثمانؓ نے ساری بات بتادی۔ اس پر قریشیوں نے کہا کہ تم اکیلے بیت اللہ کا طواف کر سکتے ہو لیکن انہوں نے یہ پیشکش مسترد کردی کیونکہ انہیں اپنے آقا کو چھوڑ کر اکیلے بیت اللہ کا طواف کرنا کیسے گوارا تھا۔

شہادت کی افواہ

قریش مکہ نے حضرت عثمانؓ کی زبان سے رسول کریم ﷺ کا پیغام سن کر انہیں روک لیا شاید کہ وہ کوئی باہمی مشورہ کر کے جواب دینا چاہتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کافی دیر تک رکے رہے۔ ادھر مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ عثمانؓ بن عفان کو شہید کر دیا گیا۔

بیعت رضوان

حدیبیہ کے مقام پر جب حضور سرور گرامی ﷺ کو حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک عثمانؓ کے خون کا بدلہ نہیں لے لیتے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے اپنے اصحاب کرامؓ سے موت کی بیعت لی۔ اس کو "بَیْعَةُ الرِّضْوَان" کہا جاتا ہے۔ اگرچہ مسلمان نہتے تھے ان کے پاس اسلحہ نہیں تھا، اس کے باوجود تمام مسلمانوں نے اپنے آقا ﷺ کے

دستِ مبارک پر اپنے ہاتھ رکھ کر ایک ساتھ جینے مرنے اور دشمنانِ اسلام سے لڑنے کا وعدہ کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ کہہ کر بیعت لی تو تمام صحابہؓ نے بیعت کی۔ اس منظر کو قرآن مجید نے اس انداز سے بیان کیا ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ٥ وَّ مَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ٥ (الفتح ۴۸ : ۱۸، ۱۹)	یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں پر راضی ہو گیا جب کہ وہ درخت کے نیچے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اس نے معلوم کر لیا اور ان کے دلوں پر اطمینان نازل کر دیا۔ اور انہیں قریب کی فتح نصیب فرمائی اور بہت سی غنیمتیں جنہیں وہ حاصل کریں گے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے سرفروش صحابہ کرامؓ سے بیعت لے رہے تھے، اسی دوران حضرت عثمانؓ واپس آ گئے اور آ کر وہ بھی بیعت میں شامل ہو گئے۔

مصالحت

قریشِ مکہ کو جب صورت حال کا ادراک ہو گیا تو انہوں نے سہیل بن عمرو کو رسول اللہ کی خدمت میں صلح کے لیے بھیج دیا۔ سہیل نے آ کر مصالحت کی بات کی تو بڑی ردّ و کد کے بعد معاہدہ طے پا گیا۔

عمر رضی اللہ عنہ کا جوش و جذبہ

جب مصالحت کا معاملہ طے ہو گیا اور ابھی لکھا جانا باقی تھا تو حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور کہا:

عمرؓ : اے ابوبکرؓ! کیا حضرت محمد ﷺ اللہ کے پیغمبر نہیں ہیں؟

ابوبکرؓ: کیوں نہیں؟

عمرؓ : کیا ہم مسلمان نہیں؟

ابوبکرؓ: کیوں نہیں؟

عمرؓ : کیا یہ لوگ مشرک نہیں؟

ابوبکرؓ: کیوں نہیں؟

عمرؓ : پھر ہمارے دین کے معاملے میں ہمیں ذلت کیوں دی جا رہی ہے؟

ابوبکرؓ: اے عمرؓ! رسول اللہ ﷺ کا ہی دامن تھامو! میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔

عمرؓ : میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔

پھر عمرؓ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور یوں گفتگو ہوئی۔

عمرؓ : یا رسول اللہ! کیا آپؐ اللہ کے رسول نہیں؟

حضورؐ : کیوں نہیں؟

عمرؓ : کیا ہم مسلمان نہیں؟

حضورؐ: کیوں نہیں؟

عمرؓ: کیا وہ مشرک نہیں؟

حضورؐ: کیوں نہیں؟

عمرؓ : پھر ہمارے دین کے معاملے میں ہمیں کس بنا پر ذلت دی جا رہی ہے؟

حضور ﷺ: میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کا رسول ہوں۔ میں اس کے حکم کی خلاف ورزی کسی طرح نہیں کر سکتا اور وہ مجھے کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ (ابن ھشام: ۲/۳۷۷)

صلح نامہ کی تحریر

حضور ﷺ نے تحریر کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا لکھو: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔اس پر سہیل نے کہا کہ میں رحمٰن کو نہیں جانتا بلکہ لکھو! بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ. آپ ﷺ نے علیؓ سے فرمایا: لکھو! بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ ۔حضرت علیؓ نے یہی لکھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا لکھو! هٰذَا مَاصَالَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔اس پر سہیل نے کہا کہ اگر اس بات کا اقرار کر لیا جائے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو پھر جنگ کس بات پر؟ آپ لکھیں محمدؐ بن عبداللہ۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ "رَسُوْلُ اللّٰهِ" کا لفظ مٹا دیں تو علی رضی اللہ عنہ کو یہ گوارا نہ ہوا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے خود مٹا دیا اور پھر صلح نامہ کی مکمل تحریر لکھی گئی۔

"یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد (ﷺ) بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو سے صلح کی۔ دونوں نے اتفاق کر لیا ہے کہ دس سال تک جنگ بند رہے گی۔ ان دس سالوں میں لوگ امن کی زندگی بسر کریں گے اور وہ ایک دوسرے سے ہاتھ روکے رکھیں گے۔ شرط یہ ہے کہ قریش کا جو آدمی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) کے پاس آئے گا محمد (ﷺ) اسے قریش کے پاس لوٹا دیں گے اور محمد (ﷺ) کے ساتھیوں میں سے جو آدمی قریش کے پاس آئے گا قریش اسے محمد (ﷺ) کے پاس واپس نہیں کریں گے۔ نیز یہ کہ دلوں کی عداوتیں دلوں میں ہی رہیں گی۔ انہیں ظاہر نہیں کیا جائے گا نہ بدعہدی اور خیانت کی جائے گی۔ اور یہ کہ جو پسند کرے محمد (ﷺ) کے عقد و عہد میں داخل ہو اور جو پسند کرے قریش کے عقد و عہد میں داخل ہو، وہ ان کے عقد و عہد میں داخل ہو جائے"۔ (ابن ہشام: ۲/ ۳۷۷)

فتح کی بشارت

مسلمانوں اور کافروں کے مابین یہ معاہدہ مستقبل میں مسلمانوں کی فتح و کامرانی کا

پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان الفاظ میں فتح کی بشارت دی ہے:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝ (الفتح ۴۸ : ۱، ۲، ۳)

اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح عطا کی ہے تا کہ جو کچھ آپ کے گناہ پہلے اور بعد میں ہوئے ہیں اللہ معاف فرمائے۔ اور آپ پر اپنا احسان پورا کر دے اور سیدھی راہ پر ڈال دے۔ اور آپ کی زبردست مدد کرے۔

وضاحت

محولہ بالا آیات میں مغفرت ذنوب کا ذکر ہوا ہے۔ اس سے وہ امور مراد ہیں جو اجتہادی طور پر پیش آئے مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابن ام مکتومؓ کے ساتھ معاملہ جس پر سورہ عبس نازل ہوئی اگرچہ ایسے امور معصیت نہیں لیکن خدائے بزرگ و برتر نے انہیں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے علوِ مرتبت کے خلاف جانتے ہوئے ذکر کیا اور پھر ان کی مغفرت کا بھی اعلان کر دیا۔

نزولِ سکینت

جب اہل ایمان کے راہبر کامل حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے نمائندے سہیل بن عمرو کے درمیان صلح نامہ لکھا جا رہا تھا تو سہیل بن عمرو کے بیٹے ابو جندلؓ زنجیروں میں جکڑے ہوئے وہاں پہنچ گئے جنہیں مسلمان ہونے کے جرم میں مشرکین نے قید کر رکھا تھا۔ وہ کسی طریقہ سے قید سے نکل کر مسلمانوں کے قافلے میں آ ملے لیکن سہیل نے ابو جندلؓ کو طمانچہ مارا اور گریبان سے پکڑ کر کھینچا اور ساتھ ہی کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہمارے اور تمہارے درمیان معاملہ طے پا چکا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! سہیل بن عمرو اپنے بیٹے ابو جندل کو ساتھ

لے جانے کے لیے کھینچ رہا تھا اور ابو جندلؓ چلا رہے تھے، اے مسلمانو! کیا مجھے پھر مشرکین میں لے جایا جائے گا؟ مشرکین تو میرے دین کو برباد کر دیں گے۔ اس منظر کو دیکھ کر مسلمانوں میں بے چینی اور اضطراب پیدا ہوا کہ یہ کیسی صلح ہے کہ ہماری نگاہوں کے سامنے ہمارے مسلمان بھائی کو زبردستی گھسیٹا جا رہا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابو جندلؓ! صبر سے کام لو! اور اجر کا خیال رکھو! اللہ تعالیٰ کمزور مسلمانوں کی مدد کرے گا۔ اور کشادگی پیدا کر دے گا''۔ واقعتاً اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کی انہیں حوصلہ اور صبر و تحمل عطا کیا۔ اس پُر اضطراب موقع پر مسلمانوں نے سمع و طاعت اور نظم و ضبط کا بندھن ٹوٹنے نہیں دیا اور اللہ نے اہل ایمان کے بے قرار دلوں کو سکون اور اطمینان عطا کر دیا۔ جیسا کہ قرآن وضاحت کرتا ہے:

هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِىْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ (الفتح ۴۸ : ۴،۵)	وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکینت نازل فرمائی تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ وہ ایمان اور بڑھا لیں۔ زمین و آسمان کے سب لشکر اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں وہ علیم اور حکیم ہے (اس نے یہ کام اس لیے کیا ہے) تاکہ مومن مردوں اور عورتوں کو ہمیشہ رہنے کے لیے ایسی جنتوں میں داخل فرمائے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ان کی برائیاں ان سے دور کر دے اللہ کے نزدیک یہ بڑی کامیابی ہے۔

عہدِ وفا

شہادت عثمانؓ ذوالنورین کی خبر سن کر حضور ﷺ نے اعلان کر دیا کہ یہ میرا ہاتھ میرے عثمانؓ کا ہاتھ ہے۔ اس پر اپنے ہاتھ رکھ کر وعدہ کرو کہ بدلہ لیے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ تو مومنوں نے حضور ﷺ کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ رکھ کر کامل وفاداری کا عہد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو مخاطب کر کے کہا کہ یہ آپ ﷺ کے ہاتھ پر پیمانِ وفا نہیں بلکہ یہ تو میرے ہاتھ پر بیعت تھی اور سب کے اوپر بھی میرا ہاتھ تھا اور پھر مستزاد یہ کہ مومنوں کے لیے اجرِ عظیم بھی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّـذِيْـنَ يُبَـايِـعُوْنَـكَ اِنَّمَا يُبَا يِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَـدُ اللّٰـهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَـمَنْ نَّـكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِـمَـا عٰـهَـدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْ تِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا۝

(الفتح ۴۸ : ۱۰)

اے نبی! جو لوگ آپؐ سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا۔ اب جو اس عہد کو توڑے گا اس کی عہد شکنی کا وبال اس کی اپنی ہی ذات پر ہوگا اور جو اس عہد کو وفا کرے گا جو اس نے اللہ سے کیا ہے اللہ عنقریب اس کو بڑا اجر عطا فرمائے گا۔

کامیابی کی بشارت

حدیبیہ کے مقام پر بگڑتے سنورتے حالات کا سنگین نوعیت اختیار نہ کرنا اور مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان خون ریز جنگ کا ٹل جانا یہ اللہ کی مشیت و مرضی تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو یہاں لڑائی کی بجائے صلح سے ہی کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرنا چاہتا تھا۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ۝ هُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْیَ مَعْكُوْفًا اَنْ یَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوْ لَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِیْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۚ لِیُدْخِلَ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَیَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝

(الفتح ۴۸ : ۲۴،۲۵)

وہ وہی ذات ہے جس نے مکہ کی وادی (حدیبیہ) میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیے حالاں کہ وہ ان پر تمہیں غلبہ عطا کر چکا تھا اور جو کچھ تم کر رہے تھے اللہ اسے دیکھ رہا تھا۔ وہی لوگ تو ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام سے روکا اور ہدی کے اونٹوں کو ان کی قربانی کی جگہ نہ پہنچنے دیا اگر (مکہ میں) ایسے مومن مرد اور عورتیں موجود نہ ہوتے جنہیں تم نہیں جانتے اور یہ خطرہ نہ ہوتا کہ نادانستگی میں تم انہیں پامال کر دو گے اور اس سے تم پر حرف آئے گا (تو جنگ نہ روکی جاتی۔ روکی وہ اس لیے گئی) تاکہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے۔ وہ مومن الگ ہو گئے ہوتے تو (اہل مکہ میں سے) جو کافر تھے ان کو ہم ضرور سخت سزا دیتے۔

خواب کی صداقت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ حدیبیہ سے پہلے بیت اللہ میں بے خوف وخطر داخل ہونے کا جو خواب دیکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سچا کر دکھایا کہ صلح حدیبیہ سے درحقیقت فتح مبین کی بنیاد رکھی گئی۔ اور دس سال تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ بے خوف فضا کو ہموار کرنے کی پہچان

تھا کہ جس سے لوگ باہم گفت وشنید اور تبادلہ خیالات کرنے لگے تھے۔ اور پھر ہوا یہ کہ اگلے دو سالوں میں جتنے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اتنے پچھلے انیس سالوں میں نہیں ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کے خواب کو سچا کر دکھانے کا ذکر اس طرح کیا ہے:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ ۗ فَعَلِمَ مَالَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ○

(الفتح ۴۸ : ۲۷)

فی الواقع اللہ نے اپنے رسولؐ کو سچا خواب دکھایا تھا جو ٹھیک حق کے مطابق تھا ان شاء اللہ تم ضرور مسجد حرام میں پورے امن کے ساتھ داخل ہو گے اپنے سر منڈواؤ گے اور بال ترشواؤ گے اور تمہیں کوئی خوف نہ ہوگا۔ وہ اس بات کو جانتا تھا جو تمہیں معلوم نہ تھی۔ اس لیے وہ خواب پورا ہونے سے پہلے اس نے یہ قریبی فتح تمہیں عطا کر دی۔

صلح حدیبیہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ پہلے کی نسبت زیادہ بے خوف و مامون ہو کر اسلام کی طرف مائل ہونے لگے اور تھوڑے ہی عرصہ میں ایک بڑی جماعت تیار ہوگئی۔ یہ لوگ شمشیر وسناں کے نتیجہ میں نہیں بلکہ اللہ کی خاص رحمت اور پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکیمانہ حسنِ معاملگی سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

غزوۂ خیبر

صلح حدیبیہ کا مثبت نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان احزاب مخالف میں سے حزب قریش سے مامون ومحفوظ ہو گئے اور اپنا رخ خیبر کی طرف کر لیا کیونکہ خیبر بھی اسلام مخالف سازشوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ بالخصوص ان کے سردار سلام بن ابی الحقیق اور حیی بن اخطب مخالف قوتوں کو اسلام کے خلاف برسر پیکار رکھنے میں بڑے سرگرم رہے۔ یہ دونوں سردار تو یکے بعد دیگرے اپنے

اپنے انجام کو پہنچ چکے تھے لیکن ان کے اَخلاف سرکش اور جنگجو یہود ابھی تک سازشوں میں مصروف تھے۔ لہٰذا ضروری خیال کیا گیا کہ ان کی بیخ کنی کی جائے۔

اسلامی لشکر کی خیبر روانگی

حضور سرور گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر روانگی کا اعلان فرمایا۔ وہ تمام سرفروش اِس لشکر میں شامل ہو گئے جو بیعت رضوان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں اپنے ہاتھ دے کر ایک ساتھ جینے مرنے کا عہد کر چکے تھے اور ان کی تعداد صرف چودہ سو تھی۔ حدیبیہ میں پیچھے رہ جانے والے کسی ساتھی کو خیبر میں رفیقِ سفر نہیں بنایا گیا اور نہ ہی انہیں غنیموں میں حصہ دیا گیا۔ جیسا کہ قرآن نے وضاحت کی ہے:

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُل لَّن تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ○

(الفتح ۴۸ : ۱۵)

جب تم اموال غنیمت حاصل کرنے کے لیے جانے لگو گے تو یہ پیچھے چھوڑے گئے لوگ کہیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو۔ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کی بات بدل دیں۔ ان سے کہہ دینا کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اللہ نے پہلے ہی سے یہ بات کہہ دی ہے۔ اس پر یہ لوگ کہیں گے کہ (نہیں بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو (حالاں کہ حقیقت یہ ہے) کہ یہ لوگ کم ہی سمجھتے ہیں۔

اسلامی لشکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں مدینے سے روانہ ہوا۔ مدینہ کا انتظام حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ غفاری کو سونپا گیا جب کہ اسلامی پرچم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا۔ اسلامی لشکر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں خیبر کی جانب سفر شروع کر دیا۔ دوران سفر مختلف

تلخ وشیریں حوادث ومناظر پیش آئے۔سلمہؓ بن اکوع بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضور ﷺ کے ساتھ خیبر روانہ ہوئے۔سفر رات کو کرتے تھے۔ایک شخص نے عامرؓ سے کہا (جو کہ شاعر تھے) کہ ہمیں اپنا کوئی کلام سناؤ۔وہ سواری سے اترے اور قوم کی حدی خوانی کرنے لگے۔

اَللّٰھُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا
فَاغْفِرْ فِدَاءً لَّكَ مَا اتَّقَیْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَا قَیْنَا
وَاَلْقِیَنْ سَکِیْنَةً عَلَیْنَا اِنَّآ اِذَا صِیْحَ بِنَا اَبَیْنَا
وَبِالصِّیَاحِ عَوَّلُوْا عَلَیْنَا

''اے اللہ اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے ،نہ صدقہ کرتے نہ نماز پڑھتے۔ہم تجھ پر قربان،تو ہمیں بخش دے جب تک ہم تقویٰ اختیار کریں اور اگر ہم ٹکرائیں تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔اور ہم پر سکینت نازل فرما۔جب ہمیں للکارا جاتا ہے تو ہم اکڑ جاتے ہیں۔اور للکار میں ہم پر لوگوں نے اعتماد کیا ہے''۔

آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ حدی خوان کون ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ عامرؓ بن اکوع ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اس پر رحم فرمائے۔یہ الفاظ سن کر ایک شخص نے کہا کہ اب تو شہادت واجب ہوگئی،اور آپ ﷺ نے اس سے ہمیں بہرہ ور کیوں نہ فرمایا؟ حضرت عامرؓ میدان خیبر میں جامِ شہادت نوش کر گئے۔(صحیح بخاری :باب غزوہ خیبر)

اسلامی عساکر دامنِ خیبر میں

اسلامی لشکر خیبر کے اتنا قریب پہنچ گیا کہ شہر دکھائی دینے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھہر جاؤ! سب ٹھہر گئے تو آپ ﷺ نے یوں دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرْضِيْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّيٰطِيْنِ وَمَا اَضْلَلْنَ فَاِنَّا نَسْأَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ اَهْلِهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَشَرِّ اَهْلِهَا وَ شَرِّ مَا فِيْهَا. (ابن ہشام ۳۲۹/۲)

اے اللہ! ساتوں آسمان اور جن پر وہ سایہ فگن ہیں ان کے پروردگار! اور ساتوں زمین اور جنہیں وہ اٹھائے ہوئے ہیں، ان کے پروردگار! اور شیاطین اور اُن کے گمراہ کردہ لوگوں کے پروردگار! ہم تجھ سے اس بستی، اس کے باشندوں اور اس میں موجود ہر چیز کی بھلائی کا سوال کرتے ہیں اور اس بستی، اس کے باشندوں اور اس میں موجود ہر چیز کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔

خیبر میں آٹھ قلعے اور کچھ گڑھیاں تھیں۔ معمولی جھڑپ کے بعد تمام قلعے اور گڑھیاں اسلامی عساکر کے زیرنگیں آ گئیں۔ یہاں زیادہ جانی نقصان نہیں ہوا۔ انسانوں کو تہ تیغ کرنا اور قتل و غارت گری آپ ﷺ کا مقصود نہیں تھا۔ آپ ﷺ تو وہاں قدم رکھنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے حضور اہل خیبر کی بھلائی کی دعا کرتے ہیں۔ چنانچہ جب اہل خیبر نے اسلام کی برتری کو تسلیم کرتے ہوئے صلح کی پیشکش کی تو آپ ﷺ نے قبول فرمالی۔ صلح کی شرائط کے پیش نظر تمام اموال و باغات مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے اور یہ وہی غنائم ہیں جن کی خوشخبری اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی صلح حدیبیہ کے موقع پر دی جا چکی تھی:

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ. (الفتح ۴۸ : ۲۰)

اللہ نے تم سے بہت سے اموال غنیمت کا وعدہ کیا ہے جو تم حاصل کرو گے۔ پس یہ (صلح حدیبیہ) فوری طور پر عطا کر دی۔

غزوۂ خیبر کے چند اہم واقعات

حضرت صفیہؓ سے نکاح

غزوۂ خیبر میں اموالِ غنیمت اور قید میں آنے والی عورتوں کی تقسیم ہوئی تو ان میں یہودِ خیبر کے سردار حُیی بن اخطب کی صاحبزادی صفیہ بھی تھیں۔ دحیہ کلبیؓ نے عرض کیا کہ مجھے بھی لونڈی عطا کی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اور ایک لونڈی لے لو۔ دحیہ کلبیؓ گئے اور جا کر شہزادی صفیہ کو پسند کر لیا۔ اس پر ایک شخص نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یہود کے دو بڑے قبیلوں بنونضیر اور بنوقریظہ کی سیدہ صفیہ تو صرف آپ ﷺ کے ہی شایانِ شان ہے۔ آپ ﷺ نے دحیہ کو صفیہ سمیت بلایا اور دحیہ کو فرمایا کہ تم جا کر کوئی اور لونڈی پسند کر لو۔ آپ ﷺ نے صفیہ پر اسلام پیش کیا جو انہوں نے قبول کر لیا تو آپ ﷺ نے ان سے شادی کر لی اور ان کی آزادی کو ہی حق مہر قرار دیا۔

ام المؤمنین حضرت صفیہؓ بنت حُیی کا خواب

اسلامی افواج کے خیبر میں داخلے سے پہلے حضرت صفیہؓ نے خواب دیکھا۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ چاند اپنی جگہ سے ٹوٹ کر میری آغوش میں آ گرا ہے۔ واللہ! مجھے آپ ﷺ کے معاملے کا کوئی پتہ نہیں تھا لیکن جب میں نے اپنا خواب اپنے شوہر سے بیان کیا تو اس نے میرے چہرے پر طمانچہ مارتے ہوئے کہا کہ تم مدینے کے بادشاہ کی تمنا کر رہی ہو۔ (ابن ھشام: ۲/۴۰۶)

یہ تو اللہ کی تقسیم ہے کہ اس نے کونین کا چاند حضرت صفیہؓ کے آنگن میں اتار دیا۔

زہر آلود گوشت

غزوۂ خیبر میں جب امن ہو چکا تو سلام بن مشکم کی بیوی نے بکری کے گوشت کا وہ

حصہ جو آپ ﷺ کو بہت مرغوب تھا بھون کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے کھانے کے لیے پہلا لقمہ منہ میں ڈالا مگر چبا کر نگل نہ سکے بلکہ اگل دیا۔ اور فرمایا، اس گوشت کی ہڈی بتاتی ہے کہ یہ زہر آلود ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس عورت سے پوچھا تو اس نے اپنے جرم کا اعتراف کرلیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں اس کام پر کس چیز نے اکسایا تو اس نے کہا میں اپنی قوم کا بدلہ لینا چاہتی تھی۔ آپ ﷺ نے اس عورت کو معاف کر دیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ کھانے میں ایک صحابی بشرؓ بن براء بھی شریک تھے جو لقمہ کھانے کی وجہ سے موت کی آغوش میں چلے گئے۔ (ابن ھشام: ۲/۴۰۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اعزاز

خیبر پر چڑھائی سے قبل رات کے وقت آپ ﷺ نے فرمایا: ''کل صبح میں ایسے شخص کو پرچم دوں گا جو اللہ اور رسول سے محبت کرتا ہے۔ اللہ اس کے ہاتھ پر قلعہ فتح کرا دے گا اور وہ کسی حالت میں بھی راہ فرار اختیار نہیں کرے گا''۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلایا۔ اس وقت حضرت علیؓ کو آشوب چشم کی شکایت تھی۔ آپ ﷺ نے لعابِ دہن ان کی آنکھوں میں لگایا اور فرمایا: ''یہ پرچم لے جاؤ اور جا کر لڑو یہاں تک کہ ربّ تعالیٰ تمہیں فتح عطا کر دے''۔ چنانچہ حضرت علیؓ آگے بڑھے اور واپس اس وقت پلٹے جب قلعہ فتح ہو گیا۔

(ابن ھشام: ۲/۴۰۰)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا پہرہ

خیبر سے واپسی پر راستے میں کسی جگہ پر قافلہ رکا۔ تمام لشکر نے آرام کیا جب کہ پہریداری کا فریضہ حضرت بلالؓ کو سونپا گیا۔ وہ جاگتے رہے لیکن انہیں بھی اونگھ آ گئی اور سو گئے۔ جب صبح شرکائے قافلہ بیدار ہوئے تو دھوپ کافی نکل چکی تھی آپ ﷺ نے فرمایا: بلالؓ! یہ تم نے ہمارے ساتھ کیا کیا؟ بلالؓ نے جواب دیا: جس چیز نے آپ کو پکڑ لیا اس نے

مجھے بھی پکڑ لیا۔ فرمایا، سچ کہا۔ آپ ﷺ وہاں سے اپنے رفقاء کو لے کر آگے چلے اور کچھ آگے جا کر نماز ادا کی۔ (ابن هشام: ۲/۴۰۶)

باغ فدک

اموالِ خیبر میں باغ فدک بھی ہاتھ لگا اور اسے خصوصی طور پر آپ ﷺ نے اپنے لیے رکھ لیا کیونکہ اس پر مسلمانوں کے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے گئے تھے جب کہ حملہ کے بغیر ہی حاصل ہوا تھا۔ (نفس المصدر)

عمرۃ القضاء

غزوۂ خیبر کے بعد مسلمانوں اور مخالف قبائل کے درمیان چھوٹی بڑی کئی جھڑپیں ہوئیں اور پھر معاہدہ حدیبیہ کے مطابق مسلمانوں نے عمرہ بھی کیا اور وہ سب لوگ شریک ہوئے جنہیں حدیبیہ سے ہی واپس کر دیا گیا تھا۔

غزوۂ موتہ

جنگ موتہ کا سبب

رسول کریم ﷺ نے اپنے ایک صحابی حارث بن عمیر ازدیؓ کو حاکم بصریٰ کے پاس اپنا خط دے کر بھیجا لیکن قیصر روم کے گورنر شرحبیل بن عمرو غسانی نے آپ ﷺ کے سفیر ازدیؓ کو گرفتار کر کے شہید کر دیا۔ کسی سفیر کے ساتھ اس قسم کا سنگین برتاؤ بدترین جرم تھا۔ اگرچہ سلطنت روم اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑی اور مضبوط سلطنت تھی لیکن ان کا یہ جرم آپ ﷺ پر سخت گراں گزرا۔ آپ ﷺ نے رومیوں پر لشکر کشی کا اعلان کر دیا۔

سالارانِ لشکر

آپ ﷺ نے رومیوں پر لشکر کشی کے لیے تین ہزار نفوس پر مشتمل سرفروشوں کا

لشکر تیار کیا اور بالترتیب اسلامی فوج کے تین امیر اس طرح مقرر فرمائے کہ زید بن حارثہؓ اسلامی لشکر کے امیر و سالار ہوں گے اور اگر وہ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ امیر لشکر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو پرچم عبداللہؓ بن رواحہ تھام لیں گے۔

لشکر میدان جنگ میں

اسلامی لشکر جب شمال کی طرف چلتا ہوا معان کے مقام پر پہنچا تو وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ مخبروں نے اطلاع دی کہ شاہ روم بلقاء کے مقام پر ایک لاکھ کے لشکر جرار کے ساتھ خیمہ زن ہے اور ان کے پرچم تلے دیگر قبائل کے ایک لاکھ افراد اور جمع ہیں۔ اس موقع پر کہ اسلامی لشکر کی تعداد صرف تین ہزار اور دشمن کی فوج دو لاکھ افراد پر مشتمل تھی۔ مسلمانوں نے مشاورت کی کہ کون سا راستہ اختیار کیا جائے؟ انسانوں کے سمندر میں کود جائیں یا پھر رسول اللہ ﷺ کو خط لکھ کر پیش آمدہ صورت حال سے آگاہ کیا جائے۔

عبداللہؓ بن رواحہ کھڑے ہوئے اور لوگوں سے کہا: لوگو! خدا کی قسم! جس چیز سے تم کترا رہے ہو یہ تو وہی شہادت ہے جس کی طلب میں تم نکلے ہو۔ یاد رکھو! ہم دشمن سے لڑائی کثرت اور قوت کے بل بوتے پر نہیں بلکہ صرف اس ایمان کی بنیاد پر لڑتے ہیں جس سے اللہ نے ہمیں مشرف کیا ہے۔ اس لیے چلو اور آگے بڑھو! ہمیں دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی حاصل ہو کر رہے گی۔ یا تو ہم غالب آئیں گے یا پھر شہید ہوں گے۔ عبداللہ بن رواحہؓ کی گفتگو سے لشکر تیار ہو گیا۔

پیش قدمی

مقام معان پر دو راتیں گزاریں۔ بالآخر دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں۔ اسلامی لشکر موتہ کی طرف سمٹ گیا۔ یہ مقابلہ کیا تھا ایک طرف دو لاکھ فوج اور دوسری طرف صرف تین ہزار جاں نثار۔ لیکن مومنین صرف ایمان و ایقان کی قوت و طاقت سے لڑے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق سب سے پہلے زید بن حارثہؓ نے علم لیا اور دلیری سے لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کر گئے۔ ان کے بعد پرچم جعفرؓ نے تھام لیا اور جنگ میں کود گئے۔ عین وسطِ جنگ میں اپنے سرخ وسیاہ گھوڑے سے اترے اور اس کی کونچیں کاٹ دیں اور بہادری سے لڑتے ہوئے شہادت سے سرفراز ہوئے۔ ان کے بعد اسلامی پرچم عبداللہ بن رواحہؓ نے تھام لیا۔ انہوں نے بھی خوب لڑائی کی۔ بالآخر وہ بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے۔ ان کے بعد ثابت بن ارقمؓ نامی ایک صحابی نے پرچم تھام لیا اور پکار کر کہا: اے مسلمانو! اپنے کسی آدمی کو سپہ سالار بنالو۔ صحابہؓ نے کہا: یہ فریضہ تمہی انجام دو۔ انہوں نے کہا کہ میں یہ نہیں کر سکوں گا۔ اس کے بعد صحابہؓ نے خالدؓ بن ولید کو امیر جیش منتخب کیا۔ خالدؓ بن ولید جنگ موتہ میں بڑی بہادری سے لڑے اور لڑائی کے دوران میں ان کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں۔ انہوں نے رومیوں کا خوب مقابلہ کیا پھر ایک موقع پر جنگی چال چلی کہ لشکر کی ترتیب بدل دی جس سے دشمن سمجھا کہ تازہ کمک آگئی ہے اور ساتھ ہی اپنی فوج کو لے کر پیچھے ہٹنا شروع کر دیا اور دشمن نے اس لیے تعاقب نہ کیا کہ شاید ان کی کوئی جنگی چال ہی نہ ہو کہ پیچھے ہٹتے ہوئے ہم پر اچانک حملہ کر دیں۔

حضرت خالدؓ بن ولید کا یہ بہت بڑا کارنامہ تھا کہ مسلمانوں کے مختصر سے لشکر کو محفوظ و مامون واپس لے گئے۔ لیکن اس معرکے کا اثر یہ ہوا کہ سب مخالف قوتوں نے سمجھا کہ جو مسلمان روئے زمین کی سب سے طاقتور فوج سے ٹکرا سکتے ہیں وہ معمولی اور کمزور نہیں ہیں۔ اس بات نے مسلمانوں کی شان و شوکت میں اور اضافہ کر دیا۔

غزوۂ فتح مکہ

علامہ ابن قیمؒ نے فتح مکہ کو فتح اعظم قرار دیا ہے۔ وہ زاد المعاد میں رقم طراز ہیں کہ اس فتح کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین، اپنے رسول، اپنے لشکر اور اپنے امانت دار گروہ کو

عزت سے سرفراز کیا۔اپنے شہر مکہ اور اپنے گھر (بیت اللہ) کو کفار و مشرکین کے ہاتھوں سے آزاد کرایا۔اس سے زمین پر ہی نہیں بلکہ آسمان والوں میں بھی خوشی کی لہر دوڑ گئی اور عزت کی طنابیں جوزا کے شانوں پر تن گئیں اور پھر اس کی وجہ سے لوگ اللہ کے پسندیدہ مذہب اسلام میں فوج در فوج داخل ہوئے۔زمین کا چہرہ بھی اس کی روشنی سے چمک اٹھا(زادالمعاد ۲/ ۱۶۰)

غزوہ کا سبب

صلح حدیبیہ کی شرائط میں یہ دفعہ موجود تھی کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے، ہوسکتا ہے اور جو قریش کے ساتھ پیمانِ عہد وفا باندھنا چاہے، باندھ سکتا ہے اور جو فرد یا قبیلہ جس کے ساتھ شامل ہوگا اس کا حصہ تصور کیا جائے گا۔لہٰذا اس فرد یا قبیلہ پر زیادتی اس فریق پر زیادتی سمجھی جائے گی۔معاہدے کی اس دفعہ کی رو سے بنوخزاعہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور بنوبکر نے قریش کے ساتھ حلیفانہ معاہدہ کیا اور اس طرح دونوں قبیلے ایک دوسرے سے مامون و محفوظ ہوگئے۔لیکن ان دونوں قبیلوں میں دورِ جاہلیت کی عداوت چلی آرہی تھی۔اب بنوبکر کے کچھ لوگوں نے پرانا بدلہ چکانے کے لیے رات کی تاریکی میں بنوخزاعہ پر حملہ کردیا۔اس حملہ میں قریش نے ہتھیاروں اور آدمیوں کے ذریعے بنوبکر کی مدد کی اور حدیبیہ کے مقام پر کیے جانے والے معاہدے کی بھی پروانہ کی۔بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ توڑ ڈالا۔

بنوخزاعہ کا ایک شخص عمرو بن سالم خزاعی مکہ سے نکلا اور مدینہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جا کھڑا ہوا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت صحابہ کرامؓ کے ساتھ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔

عمرو خزاعی نے ان الفاظ میں اپنی عرضداشت پیش کی:

يـارب انـي نـاشـد محمدا حـلـفـنـا وحلف ابيـه الاتلدا

قـد كـنـتـم ولـدا وكـنـا والدا ثـمـة أسـلـمـنـا ولم ننزع يدا

فانصر هداك الله نصرا ايدا　　وادع عباد الله يا توا مددا
فيهم رسول الله قد تجردا　　ابيض مثل البدر يسمو صعدا
ان سيم خسفا و جهه تربدا　　في فيلق كالبحر يجري مزبدا
ان قريشا اخلفوك الموعدا　　ونقضوا ميثاقك المؤ كدا
وجعلوا لي في كداء رصدا　　وزعموا ان لست ادعوا احدا
وهم اذل واقل عددا　　هم بيتونا بالوتير هجدا
وقتلونا ركعا وسجدا　　(زادالمعاد: ۲/۱۶۰)

''اے پروردگار! میں محمد ﷺ سے ان کے عہد اوران کے والد کے قدیم عہد کی دہائی دے رہا ہوں۔ آپ لوگ اولاد تھے اور ہم جننے والے پھر ہم نے تابعداری اختیار کی اور کبھی دست کش نہ ہوئے۔ اللہ آپ کو ہدایت دے، آپ پرزور مدد کیجئے اور اللہ کے بندوں کو پکاریئے وہ مدد کو آئیں گے۔ جن میں اللہ کے رسول ﷺ ہوں گے ہتھیار پوش اور چڑھے ہوئے چودھویں کے چاند کی طرح گورے اور خوبصورت۔ اگر ان پر ظلم اور اوران کی توہین کی جائے تو چہرہ تمتما اٹھتا ہے آپ ایک ایسے لشکر جرار کے اندر تشریف لائیں گے جو جھاگ بھرے سمندر کی طرح تلاطم خیز ہوگا۔ یقیناً قریش نے آپ کے عہد کی خلاف ورزی کی ہے اور آپ کا پختہ وعدہ توڑا ہے۔ انہوں نے مجھے کداء میں گھات لگائی اور یہ سمجھا کہ میں کسی کو مدد کے لیے نہیں پکاروں گا۔ حالاں کہ وہ بڑے کمزور اور تعداد میں بڑے قلیل ہیں انہوں نے ہم پر رات کو حملہ کیا اور رکوع وسجود کی حالت میں قتل کیا''۔

ابوسفیان مدینہ میں

ابوسفیان مدینہ میں اپنی صاحبزادی ام المؤمنین ام حبیبہؓ کے گھر پہنچا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے لگا تو حضرت ام حبیبہؓ نے بستر لپیٹ لیا۔اس پر ابوسفیان نے پوچھا، اے میری بیٹی! مجھے سمجھاؤ یہ بستر مجھ سے بہتر ہے یا اس کی حفاظت کے لیے اس کو لپیٹ دیا گیا۔حضرت ام حبیبہؓ نے کہا، حقیقت یہ ہے کہ بستر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جو پاک ہے اور تم مشرک ہو، مشرک پلید ہوتا ہے اس لیے میں نے پسند نہیں کیا کہ ناپاک مشرک میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک بستر پر بیٹھ جائے۔ابوسفیان نے کہا بیٹی! مجھ سے الگ ہونے کے بعد تجھ میں شر پیدا ہو گیا ہے۔

پھر ابوسفیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ کہنا چاہا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس گیا اور کہا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کریں لیکن ابوبکرؓ نے انکار کر دیا۔ پھر وہ حضرت عمرؓ کے پاس گیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کریں انہوں نے بھی انکار کر دیا اور کہا واللہ! اگر مجھے تھوڑی سی بھی اجازت مل جائے تو میں تیرے خلاف جہاد کروں۔آخر میں وہ حضرت علیؓ کے گھر گیا اور گھر میں حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور معصوم شہزادہ حسین بن علیؓ بھی تھے۔ابوسفیان نے حضرت علیؓ سے کہا کہ تم ہی میری سفارش کر دو۔تو انہوں نے بھی جواب دے دیا پھر حضرت فاطمہؓ سے کہا، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی! تم اپنے بیٹے سے کہو کہ دو فریقوں کے درمیان صلح کروا دے تا کہ یہ عرب کا سردار بن جائے۔حضرت فاطمہؓ نے کہا، خدا کی قسم! ابھی تو یہ بچہ ہے یہ اس کام کو سرانجام نہیں دے سکتا دراصل اس کام کو کوئی بھی انجام نہیں دے سکتا۔ پھر ابوسفیان مسجد میں گیا اور اعلان کر دیا کہ میں صلح حدیبیہ کی تجدید کا اعلان کرتا ہوں۔اس کے بعد اپنے گھوڑے پر بیٹھا اور مکہ واپس پلٹ گیا۔(ابن ہشام:۲/۳۶۶)

غزوۂ مکہ کا اعلان

قریش مکہ کی عہد شکنی اور بنوخزاعہ پر ظلم وستم کی بنا پر حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ مکہ کا اعلان کر دیا۔ اس تیاری میں راز داری سے کام لیا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا بھی کی کہ ہماری تیاری کی خبر مکہ والوں تک نہ پہنچے اور کوئی دشمن کی آنکھ ہماری تیاری کو دیکھ نہ سکے تاکہ ہم اچانک ان کے سروں پر پہنچ جائیں۔ دعا کے الفاظ اس طرح ہیں:

اَللّٰھُمَّ خُذِ الْعُیُوْنَ وَالْاَخْبَارَ عَنْ قُرَیْشٍ حَتّٰی نَبْغَتَھَا فِیْ بِلَادِھَا۔

(ابن ھشام: ۲/۳۶۹)

اے اللہ! آنکھوں اور خبروں کو قریش سے پکڑ لے یعنی قریش کو ہماری تیاری کی خبر نہ ہو اور نہ ہی وہ ہماری تیاری کو دیکھ سکیں یہاں تک کہ ہم ان کے شہر پر اچانک حملہ آور ہو جائیں۔

حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ کا واقعہ

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ایک خط میں اسلامی لشکر کی روانگی کے متعلق لکھ کر ایک عورت کو دیا کہ وہ قریش کو پہنچا دے۔ اس نے یہ خط اپنے بالوں کی مینڈھیوں میں چھپا لیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے متعلق اپنے نبی کو خبردار کر دیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن عوام کو اس عورت کے تعاقب میں بھیجا۔ ان دونوں نے اس عورت کو راستہ میں جا پکڑا۔ اونٹ سے اتار کجاوے کی تلاشی لی مگر خط نہ نکلا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، خدا کی قسم! میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر غلط نہیں ہو سکتی، خط خود ہی نکال دو ورنہ ہم خود جامہ تلاشی لیں گے۔ اس عزم صمیم کو دیکھ کر اس نے خط نکال دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا؟ انہوں نے کہا کہ میرے ایمان واسلام میں کوئی فرق نہیں آیا۔ میں نے تو صرف اپنے بچوں اور خاندان کے

لئے قریش کو احسان مند کرنے کے لیے ایسا کیا۔

حضرت عمرؓ نے کہا کہ مجھے اجازت دیں تا کہ میں حاطب کی گردن اڑا دوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ بدری صحابیؓ ہے جن کے بارے میں اللہ کی رضا نازل ہو چکی ہے۔ پھر حضرت حاطبؓ کے بارے میں درج ذیل آیات کا نزول ہوا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْۗءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۝ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ تم تو دوستی سے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو اور وہ حق کے ساتھ جو تمہارے پاس آچکا ہے کفر کرتے ہیں رسول کو اور خود تمہیں بھی محض اس وجہ سے جلا وطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان رکھتے ہو اگر تم میری راہ میں جہاد کے لیے اور میری رضامندی کی طلب میں نکلتے ہو (ان سے دوستیاں نہ کرو) تم ان کے پاس محبت کا پیغام پوشیدہ پوشیدہ بھیجتے ہو اور مجھے خوب معلوم ہے جو تم نے چھپایا اور وہ بھی جو تم نے ظاہر کیا۔ تم میں سے جو بھی یہ کام کرے گا وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک گیا۔ اگر وہ تم پر کہیں قابو پالیں تو وہ تمہارے (کھلے) دشمن ہو جائیں اور برائی کے ساتھ تم پر دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں اور (دل سے) چاہنے

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ o قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ o رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ o لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ o

(اَلْمُمْتَحِنَة ٦٠ : ا تا ٦)

لگیں کہ تم بھی کفر کرنے لگ جاؤ۔ تمہاری قرابتیں، رشتہ داریاں اور اولاد قیامت کے دن تمہارے کام نہ آئیں گی اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا اور جو کچھ تم کر رہے ہو اسے اللہ خوب دیکھ رہا ہے۔ (مسلمانو!) تمہارے لیے حضرت ابراہیم اور ان کے رفقاء میں بہترین نمونہ ہے جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، ان سب سے بالکل بیزار ہیں۔ ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کے لیے بغض وعداوت ظاہر ہوگی۔لیکن ابراہیمؑ کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ تمہارے لیے استغفار ضرور کروں گا اور تمہارے متعلق مجھے اللہ کے سامنے کسی چیز کا کچھ بھی اختیار نہیں۔ اے ہمارے پروردگار! تجھی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے۔اور تیری طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔

اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں کافروں کی
آزمائش میں نہ ڈال ۔اے ہمارے پالنے
والے! ہماری خطاؤں کو بخش دے۔ بے شک
تو ہی غالب حکمت والا ہے۔ یقیناً تمہارے
لیے ان میں اچھا نمونہ اور عمدہ پیروی ہے۔
(خاص کر) ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور
قیامت کے دن کی ملاقات کی امید رکھتا ہے
اور اگر کوئی روگردانی کرے تو اللہ تعالیٰ بالکل
بے نیاز اور سزاوار حمد وثنا ہے''۔

مندرجہ بالا آیات کریمہ میں حضرت حاطبؓ کی غلطی سے اللہ تعالیٰ نے صرف نظر فرمایا اور آئندہ کے لیے مسلمانوں کے لیے اصول بنادیا کہ وہ دشمنان اسلام کے ساتھ محبت ومودت کے طلب گار نہ ہوں کیونکہ فریقین میں دین ومذہب اور عقائد وضوابط کا اتنا بُعد ہے کہ دونوں مختلف کناروں پر کھڑے ہیں۔ جس طرح دونوں کنارے آپس میں نہیں مل سکتے اسی طرح یہ بھی نہیں مل سکتے۔ دنیا میں ہی نہیں بلکہ قیامت کے دن بھی مسلم اور منکر جدا جدا ہوں گے اور الگ الگ جزا وسزا کے سزاوار ہوں گے۔

ابوسفیان کا قبول اسلام

رسول اللہ ﷺ اپنے رفقاء کے ہمراہ جب مرّ الظہر ان پہنچے تو حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب جو پہلے ہی مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے ابوسفیان کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ابوسفیان کو دیکھ کر کہا:

ابوسفیان تیرا برا ہو! کیا تیرے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ تو سمجھ سکے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور

معبود نہیں؟

ابوسفیان نے کہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کتنے بردبار، کتنے شریف اور کتنے صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ خدا کی قسم! میں نے خیال کرلیا ہے کہ اگر اللہ کے ساتھ اس کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو ان حالات میں مجھے کچھ تو نفع پہنچاتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوسفیان! تیرا برا ہو، کیا تیرے لیے ابھی وقت نہیں آیا جو تو سمجھ سکے کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں۔

اُس نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کتنے بردبار، کتنے شریف اور کتنے صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ رہ گئی یہ چیز تو خدا کی قسم! ابھی تک اس کی طرف سے میرے دل میں کھٹکا ہے۔

ابوسفیان کے یہ الفاظ سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا تمہارا برا ہو اسلام قبول کرلو اور اس بات کی گواہی دے دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں اس سے پہلے کہ تمہاری گردن اڑا دی جائے۔

ابوسفیان نے حق کی شہادت دے دی اور اسلام قبول کرلیا۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابوسفیان اعزاز کو پسند کرتا ہے اسے کسی اعزاز سے نوازا جائے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر کو دارالامان قرار دے دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا، جو مسجد حرام میں داخل ہوگا اور جو اپنے گھر کا دروازہ اندر سے بند کرلے گا، اس کو امان ملے گی''۔

(ابن ہشام: ۲/۴۷۸، زادالمعاد: ۲/۱۲۴)

سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں

سرورِ انبیاء علیہ التحیۃ والسلام نے اپنے رفقاء، امراء اور سالارانِ فوج کو حکم فرمایا کہ

مکہ میں امن کے ساتھ داخل ہو جائیں اور کسی کو قتل نہ کیا جائے۔ اگر کوئی شخص مزاحمت کرے یا راستہ میں حائل ہو، اُس کی گردن اڑا دی جائے اور کچھ افراد کا نام لے کر فرمایا کہ یہ تو جہاں بھی ملیں ان کی گردنیں ان کے جسموں سے الگ کر دی جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہو چکے اور جب امن ہو گیا تو بیت اللہ پہنچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر ہی بیت اللہ کا طواف کیا۔ عثمان بن طلحہ کو بلایا۔ ان سے چابی لے کر بیت اللہ کا دروازہ کھولا۔ اس کے اندر لکڑی کے بنے ہوئے کبوتر دیکھے جنہیں اپنے دست مبارک سے توڑ دیا اور اندر جو ملائکہ کی تصویریں تھیں وہ بھی گرا دیں۔ حضرت ابراہیم کی تصویر بھی تھی، اُن کے ہاتھ میں تیر تھے جنہیں وہ چلا رہے تھے، دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان مشرکوں پر اللہ کی مار! انہوں نے ہمارے بزرگ سے بھی تیر چلوائے''۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ اِبْرَاهِيمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ○ (آل عمران ۳ : ۶۷)	حضرت ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ ہی عیسائی وہ تو خالص مسلمان تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔

بیت اللہ کے چاروں طرف بت نصب تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گزرتے جاتے تھے اور بت گرتے جا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا○ (الاسراء ۱۷ : ۸۱)	حق آ گیا اور باطل چلا گیا بے شک باطل جانے والا اور زائل ہونے والا ہی تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ

طواف کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ اَلَا كُلُّ مَاْثُرَةٍ اَوْ دَمٍ اَوْ مَالٍ يُدَّعٰى فَهُوَ تَحْتَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ اِلَّا سَدَانَةَ الْبَيْتِ وَسِقَايَةَ الْحَاجِّ اَلَا وَقَتِيْلُ الْخَطَاِ شِبْهُ الْعَمْدِ بِالسَّوْطِ وَالْعَصَا فَفِيْهِ دِيَةٌ مُغَلَّظَةٌ مِائَةٌ مِنَ الْاِبِلِ اَرْبَعُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهَا اَوْلَادُهَا يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَ تَعَظُّمَهَا بِالْاٰبَآءِ. اَلنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ.

(مختصر سیرۃ رسول: ص ۳۴۲)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو واحد و تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اس نے وعدہ سچا ثابت کیا اُس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی صرف اسی نے ہی تمام گروہوں کو شکست دی۔ سن لو! ہر موروثی خون و استحقاق اور مال جس کا دعویٰ کیا جائے وہ میرے ان قدموں کے نیچے ہے بجز بیت اللہ کی خدمت کے حق کے اور حجاج کو پانی پلانے کے حق کے۔ سن لو! جو خطاً قتل ہوا وہ کوڑے اور لاٹھی سے عمداً قتل کیے جانے والے کے مشابہ ہے۔ پس اس میں دیت مغلظہ ہے یعنی سو اونٹ جن میں چالیس ایسے ہوں گے جن کے پیٹ میں بچے ہوں۔ اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور آباؤ واجداد پر فخر و غرور زائل کر دیا سب انسان آدمؑ سے پیدا ہوئے اور آدم مٹی سے۔

اس کے بعد قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں قبیلے اور کنبے بنا دیا ہے تاکہ تم پہچانو (ایک دوسرے کو)۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌO (الحجرات ۴۹ : ۱۳)
اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے باعزت وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ جاننے والا باخبر ہے۔

عام معافی کا اعلان

آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے گروہ قریش! تم جانتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟“

سب نے کہا: ”ہم آپ کے بارے میں بہتر رائے رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ شریف بھائی اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں“۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”میں وہی بات کروں گا جو میرے بھائی یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی“۔

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَکُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَO (یوسف ۱۲ : ۹۲)
آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں۔ اللہ تم کو معاف کرے۔ وہ بہت بڑا رحم کرنے والا ہے۔

اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔

بیت اللہ کی کنجی

آپ ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو بلا کر فرمایا:

هَاكَ مِفْتَاحَكَ یَاعُثْمَانُ اَلْیَوْمُ یَوْمُ بِرٍّ وَّوَفَاءٍ.
عثمان! یہ کنجی تھامو! آج بھلائی اور وفائے عہد کا دن ہے۔

حرمتِ کعبہ کے بارے میں خطبہ

فتح مکہ کے دوسرے دن بنو خزاعہ کے لوگوں نے بنو ہذیل کے ایک شخص کو قتل کر دیا تو

رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد حُرمت کعبہ کے بارے میں خطبہ ارشاد فرمایا:

''لوگو! جس دن اللہ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا اسی دن مکہ کو حرام ٹھہرایا۔ اس لیے وہ اللہ کی حرمت کے سبب قیامت تک حرام ہے۔ کوئی آدمی جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے حلال نہیں کہ اس میں خون بہائے یا یہاں کا کوئی درخت کاٹے۔ اگر کوئی شخص اس بنا پر رخصت اختیار کرے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہاں قتال کیا تو اسے کہہ دو کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو اجازت دی تھی لیکن تمھیں اجازت نہیں دی ہے۔ اور میرے لیے بھی اسے صرف دن کی ایک ساعت میں حلال کیا ہے پھر آج اس کی حرمت اسی طرح پلٹ آئی جس طرح کل اس کی حرمت تھی۔ اب چاہیے کہ جو حاضر ہے وہ غائب کو یہ بات پہنچا دے''۔ آپ ﷺ کا یہ خطبہ حرمتِ کعبۃ اللہ کے بارے میں ایک لازوال دستاویز ہے۔

اس عظیم فتح کے بعد آپ ﷺ نے مکہ میں انیس روز قیام فرمایا۔ شعائر اسلام کی تجدید کی۔ لوگوں کو ہدایت وتقویٰ کی تلقین فرمائی۔ از سرنو حدود حرم کا تعین کیا گیا۔ بیت اللہ میں موجود بت تو فتح کے دن ہی توڑ دیے گئے جب کہ قیام مکہ کے دوران اعلان کروا دیا گیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے گھر میں کوئی بت نہ رہنے دے بلکہ توڑ ڈالے۔ مکہ کی گلیوں اور بازاروں کو بتوں سے پاک کر دیا گیا۔ بت پرستی سے آلودہ ماحول کو توحید پرستی سے معطّر کر دیا گیا۔ مکہ کے گردونواح میں اعلائے کلمۃ اللہ اور دعوت واصلاح کے لیے وفود دوسرایا روانہ کیے گئے۔

تمام جزیرۃ العرب میں بت پرستی کی جڑیں اکھاڑ دی گئیں۔ اب بیت اللہ میں اللہ کے پاک پیغمبر ﷺ جلوہ افروز ہیں جو لوگوں کو قرآن سناتے ہیں، ان کا تزکیہ نفس کرتے ہیں، کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں، محبت ومودّت کا درس دیتے ہیں اور عفو ودرگزر کا اعلان کرتے ہیں۔ فتح مکہ کے بعد پورے جزیرۂ عرب میں اسلام کا پھریرا لہرا دیا گیا اور یہ وہ فتح

مبین ہے جس کی بشارت اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر دی تھی اور فرمایا تھا:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ○ لِيَغْفِرَلَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ○ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا○ (الفتح ۴۸ : ۱، ۲، ۳)	اے نبیؐ! بے شک ہم نے آپؐ کو کھلم کھلا فتح عطا کی ہے تاکہ جو کچھ آپؐ کے گناہ پہلے اور بعد میں ہوئے ہیں اللہ معاف فرمائے اور آپؐ پر اپنا احسان پورا فرمائے اور سیدھی راہ پر ڈال دے اور آپ کی زبردست مدد کرے۔

فتح مکہ کے بعد اللہ کی خاص مدد آئی کہ پھر کوئی گروہ، جماعت اور قوم مسلمانوں کے سامنے ٹھہر نہ سکی اور لوگ فوج درفوج اللہ کے دین اسلام میں داخل ہونے لگے جس طرح کہ سورہ نصر میں بیان کیا ہے:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ط اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا○ (النصر ۱۱۰ : ۱، ۲، ۳)	جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح نصیب ہو جائے اور (اے نبی!) آپؐ دیکھ لیں کہ لوگ فوج درفوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو آپؐ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کریں اور اس سے مغفرت کی دعا مانگیں۔ بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

بعض مفسرین اور شارحین نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اس سے مراد فتح مکہ نہیں کیوں کہ سورۂ نصر کا نزول ۱۰ھ میں ہوا جب کہ فتح مکہ ۸ھ میں ہوئی۔ اس میں مختلف اقوال ہیں لیکن ایک خوبصورت توضیح امام رازی نے بیان کی ہے کہ سورۃ نصر میں نصر اور فتح کے بعد

لوگوں کا فوج در فوج اسلام کی طرف آنا اور پھر رسول اللہ ﷺ کا تسبیح وتحمید کے ساتھ شکر ادا کرنا فتح مکہ کے موقع پر ہی ہے کہ اس میں فتح اور نصر دونوں ہیں اور پھر قبیلوں کے قبیلے مسلمان ہوتے ہیں اور اللہ کے پاک پیغمبر ﷺ کے دستِ مبارک پر لوگوں کی کثیر تعداد بیعت کرتی ہے اور آپ ﷺ چاشت کے وقت آٹھ رکعت نماز ادا کرتے ہیں، چار رکعت نماز چاشت اور چار رکعت شکرانے کے نوافل۔ (واللہ اعلم بالصواب)

(تفسیر کبیر: ۳۲/۳۳۸)

غزوۂ حنین

غزوۂ بدر کے بعد غزوہ حنین دوسرا معرکہ ہے جس کا نام لے کر قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے۔ حنین طائف سے شمال مشرق کی طرف ۳۰، ۴۰ میل کے فاصلے پر جبلِ اوطاس میں واقع ایک وادی ہے جہاں بنو ہوازن کے لوگ مکین تھے اور تیر اندازی میں بڑے ماہر تھے۔ فتح مکہ کی خبر سن کر انہوں نے چاہا کہ مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیں۔ وہ مکمل تیاری کے ساتھ نکلے ادھر مسلمانوں کو بھی اطلاع موصول ہوگئی۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ فتح مکہ میں شریک دس ہزار فدائی اور دو ہزار مکی ہم رکابوں سمیت بارہ ہزار نفوس پر مشتمل لشکر جرار لے کر نکلے۔ عام خیال یہ تھا کہ قلیل جماعت کے ساتھ اتنی بڑی جماعتوں کا مقابلہ کر کے انہیں شکست فاش دے سکتے ہیں تو اب ہمارے اتنے بڑے لشکر جرار کے سامنے ہوازن کی قوم کیسے ٹھہر سکتی ہے؟ مگر جمعیتِ کثیر پہ ناز اللہ کو پسند نہ آیا اور دشمن کی اچانک تیر اندازی سے اسلامی لشکر سخت مشکل کا شکار ہوا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں کیا ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ	یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہت سے میدانوں
وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ	میں فتح دی ہے اور حنین کی لڑائی والے دن
اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ	بھی جب کہ تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا

فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِيْنَ ○ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ج وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ط وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ○ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○

(التوبة ۹ : ۲۵،۲۶،۲۷)

لیکن اس نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ زمین باوجود کشادگی کے تم پر تنگ ہوگئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر مڑ گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ اور مومنوں پر اپنی سکینت نازل فرمائی اور اپنے وہ لشکر بھیجے جنہیں تم دیکھ نہیں رہے تھے اور کافروں کو پوری سزا دی ان کفار کا یہی بدلہ تھا۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ جس پر چاہے توجہ فرمائے گا اللہ ہی بخشش ومہربانی کرنے والا ہے۔

۸ھ میں فتح مکہ سے آپ ﷺ فارغ ہوئے تو مکہ میں عام معافی اور آزادی کا اعلان کردیا۔ بیت اللہ کی کنجی اس کے حق دار کے حوالہ کردی اور سقایہ کے انتظام وانصرام کا اہتمام بھی فرمادیا۔ ادھر آپ ﷺ کو اطلاع موصول ہوئی کہ بنو ہوازن اپنے سردار مالک بن عوف نصری کی قیادت میں مسلمانوں سے جنگ کی تیاری کر چکے ہیں۔ انہوں نے دوسرے قبائل کو بھی ساتھ ملا لیا ہے۔ ان لوگوں نے جنگ کے لیے نکلتے ہوئے اپنی عورتوں، بچوں اور گھر کا سامان حتیٰ کہ اونٹ اور بکریاں بھی ساتھ ہی رکھی ہیں۔ سردار مالک بن عوف نصری کا خیال تھا کہ قبیلہ کے لوگ اپنے مال واسباب کی غرض سے زیادہ بے جگری سے لڑیں گے۔

آپ ﷺ نے دس ہزار فدائی جنہوں نے فتح مکہ میں حصہ لیا تھا اور دو ہزار مکی نومسلموں کو لے کر بارہ ہزار کا لشکر تیار کیا اور دشمن کا رخ کر لیا۔ مسلمانوں کا خیال یہ تھا کہ ہم نے قلیل جماعت سے بڑی بڑی فوجوں کے چھکے چھڑا دیے اب یہ بنو ہوازن کے لوگ ہمارا مقابلہ کیسے کر پائیں گے؟ جب اسلامی لشکر وادی حنین میں پہنچا تو بنو ہوازن اور دیگر قبائل کے

لوگ (جو پہلے سے ہی اپنی کمین گاہوں میں چھپے ہوئے تھے اور تیر اندازی میں بڑے ماہر تصور کیے جاتے تھے) اچانک پل پڑے اور تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔

مسلمان اس اچانک غیر متوقع حملہ سے گھبرا گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے لیکن میدان جنگ میں رسول اکرم ﷺ کمال بہادری اور جرأت سے ڈٹے رہے۔ آپ سفید خچر پر سوار تھے جس کے قدم آگے کی طرف ہی بڑھ رہے تھے۔ صرف چند رفقاء آپ ﷺ کے ساتھ رہ گئے جن میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، حضرت فضل بن عباسؓ، حضرت ابوسفیانؓ بن حارث، حضرت ایمن بن ام ایمنؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ نمایاں تھے۔ جب لوگ منتشر ہو کر بھاگے تو آپ ﷺ نے لوگوں کو پکارا! ادھر آؤ تم کدھر جا رہے ہو؟ اور جوش کے ساتھ یہ فرما رہے تھے:

اَنَا النَّبِیُّ لَاکَذِب اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِب

میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں

آپ ﷺ نے لوگوں کو پکارا تو جس نے بھی سنا اس نے ہی آواز دی اور لپک پڑا "لَبَّیْكَ وَسَعْدَیْكَ"۔ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب رفیع الصوت اور بلند آواز تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں کو بلاؤ کہ نہ بھاگیں! چنانچہ حضرت عباسؓ نے آواز دی: اے ببول کے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو! اے سورہ بقرہ کے حاملو! بس پھر لوگ واپس پلٹے اور حضور ﷺ کے گرد جمع ہوتے گئے۔ اللہ نے گھبراہٹ دور کر دی، دلوں میں سکینت پیدا کر دی۔ اور پھر آسمان سے ملائکہ کی جماعت نازل کر دی۔

حضور سرور انبیاء ﷺ نے مٹی کی ایک مٹھی بھر کر کفار کی طرف پھینکی جو ہر کافر کی آنکھوں میں پڑی اور مسلمانوں نے پوری قوت کے ساتھ دشمن پر حملہ کیا، دشمن کے پاؤں اکھڑ

گئے اور مسلمانوں کو اللہ نے فتح عطا کی۔ دشمن فوج کے تقریباً چھ ہزار افراد کو قید کر لیا گیا اور تمام مال واسباب بطور غنیمت مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ جب کہ بعد میں قیدیوں کو آزاد کر دیا گیا۔ اور مال غنیمت کی تقسیم اور قیدیوں کی آزادی غزوۂ طائف کے بعد عمل میں آئی۔

حضور ﷺ کی رضاعی بہن

غزوۂ حنین کے خاتمہ پر جب مرد و زن قیدی بنا کر لائے جا رہے تھے تو ان میں ایک خاتون حارث بن عبد العزّٰی کی بیٹی شیما بھی تھی۔ اس نے کہا ہم پر سختی نہ کرو میں تو تمہارے ساتھی کی رضاعی بہن ہوں۔ چنانچہ جب شیما بنت حارث کو حضور ﷺ کے پاس لایا گیا تو اس نے کہا کہ میں تو آپ ﷺ کی رضاعی بہن ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا علامت ہے؟ تو اس نے کہا، بچپن میں آپ ﷺ نے میری پشت پر دانت سے کاٹا تھا جس کا نشان اب بھی موجود ہے۔

آپ ﷺ نے شیما کے لیے اپنی چادر اتار کر بچھا دی اور اس پر بٹھایا اور فرمایا: اگر پسند کرو تو میرے پاس رہو تمہیں عزت و تکریم سے رکھا جائے گا اور اگر پسند کرو تو اعزاز و اکرام سے روانہ کر دوں۔ شیما نے کہا کہ مجھے آزاد کر دیں۔ آپ ﷺ نے اپنی رضاعی بہن کو ایک غلام اور لونڈی دے کر اعزاز و اکرام کے ساتھ روانہ فرمایا اور ان کے خاندان کو بھی آزادی سے نوازا۔ (ابن هشام: ۵۴۹/۲)

ایمان افروز واقعہ

علامہ ابن کثیرؒ نے بیان کیا ہے کہ غزوۂ حنین کے موقع پر شیبہ بن عثمان نے دیکھا کہ اچانک حملہ کی وجہ سے مسلمان بھاگ رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ تنہا کھڑے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں خیال آیا کہ جنگ بدر میں میرے والد اور چچا جو علیؓ و حمزہؓ کے ہاتھوں مارے گئے تھے آج ان کے انتقام کا بہترین موقع ہے۔ چنانچہ میں قتل کے ارادہ سے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب بڑھا لیکن وہاں عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کھڑے تھے جنہوں نے سفید چاندی جیسی زرہ پہن رکھی تھی میں نے سوچا کہ یہ تو چچا ہیں اپنے بھتیجے کی بھرپور حمایت کریں گے۔ پھر بائیں جانب آیا تو دیکھا کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حارث بن عبدالمطلب کھڑے ہیں۔ میں نے سوچا کہ یہ بھی چچازاد بھائی ہیں ضرور حمایت کریں گے۔ میں پچھلی جانب سے آیا اور قریب سے وار کے لیے تلوار سونتنے ہی والا تھا کہ اچانک ایک آگ کا کوڑا بجلی کی طرح میری طرف آیا میں پیچھے ہٹ گیا۔ اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے التفات فرمایا اور ارشاد فرمایا، شیبہ! میرے پاس آ۔ خدایا! اس کے شیطان کو دور کر دے۔ اس وقت میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کانوں اور آنکھوں سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ فرمایا: جا! کافروں سے لڑ۔ شیبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بھی اسلامی لشکر میں تھا لیکن اسلام کی وجہ سے نہیں بلکہ اس غرض سے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہوازن قریش پر غالب آ جائیں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی کھڑا تھا اور ابلق رنگ کے گھوڑے دیکھ رہا تھا۔ میں نے کہا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں ابلق رنگ کے گھوڑے دیکھ رہا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیبہ! یہ گھوڑے تو صرف کافروں کو ہی نظر آتے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر تین بار فرمایا: خدایا! شیبہ کو ہدایت عطا فرما۔ واللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ سینے سے ہٹنے سے پہلے ہی میں ساری دنیا سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے سینے میں پانے لگا۔

(ابن کثیر تفسیر سورۃ توبہ:۹)

غزوۂ طائف

غزوۂ طائف درحقیقت غزوۂ حنین کا ہی حصہ ہے۔ غزوۂ حنین میں قبیلۂ ہوازن اور ثقیف کے لوگ شکست سے دوچار ہوکر بھاگ نکلے تھے اور طائف جاکر قلعہ بند ہو گئے تھے۔ بنوہوازن کا کمانڈر انچیف سردار مالک بن عوف نصری بھی ان کے ساتھ تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین سے فارغ ہو کر وہیں ٹھہرے رہے۔ پھر غزوہ سے حاصل شدہ تمام مال جعرانہ میں جمع کیا اور طائف کا قصد کیا۔ پہلے خالدؓ بن ولید کی قیادت میں ایک ہزار کا عسکری دستہ بھیجا پھر خود بھی طائف کو روانہ ہوئے۔ طائف پہنچ کر قلعہ طائف کے قریب خیمہ زن ہوئے۔ کئی روز محاصرہ کیے رکھا۔ دونوں طرف سے سنگ باری اور تیراندازی ہوتی رہی۔ اس تیراندازی میں بارہ مسلمان بھی شہید ہوئے لیکن کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ جنگی حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کے انگور کے درخت کٹوائے جس پر ثقیف نے اللہ اور قرابت داروں کا واسطہ دیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ روک لیا۔

دورانِ محاصرہ یہ اعلان کرایا گیا کہ جو غلام قلعہ سے اُتر کر یہاں آ جائیں گے اُنہیں آزادی دے دی جائے گی۔ اس اعلان پر تیئیس (۲۳) کے قریب غلام قلعہ سے اتر کر مشرف بہ اسلام ہوئے جنہیں آزاد کر دیا گیا۔ طویل محاصرہ کے بعد بھی کامیابی نہ ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کو واپسی کا حکم دیا۔

مالِ غنیمت کی تقسیم

طائف سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرانہ کے مقام پر قیام کیا اور کئی دن ٹھہرنے کے بعد اموالِ غنیمت کی تقسیم فرمائی۔ تالیف قلب کے لیے اسلامی لشکر میں شامل ہونے والے مکی قریشیوں کو زیادہ مال دیا اور خیال یہ تھا کہ دائرۂ اسلام میں آنے والے نئے لوگوں کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔

انصار کا اضطراب

غزوہ حنین میں حاصل ہونے والا مالِ غنیمت جب تقسیم کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نومسلم مکی قریشیوں کو زیادہ حصہ دیا تا کہ اُن کی تالیف قلب ہو۔ اس تقسیم میں انصار کو کوئی حصہ نہ ملا تو انہوں نے دل ہی دل میں محسوس کیا اور ان میں عجیب اضطراب پیدا ہوا۔ بایں سلسلہ

حضرت سعدؓ بن عبادہ انصاری نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر انصار میں پائے جانے والے اضطراب کے متعلق بتایا کہ بڑے بڑے عطیات صرف قبائل عرب کو ملے اور انصار محروم رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے سعد! تمہارا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں بھی اپنی قوم ہی کا ایک فرد ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اچھا سب لوگوں کو جمع کرو۔ سب جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا:

''اے انصار کے لوگو! یہ کیسی بات کرتے ہو؟ یہ کیسا اضطراب ہے جو تم نے محسوس کیا ہے؟ کیا یہ بات نہیں کہ جب میں تمہارے پاس آیا تو تم گمراہ تھے؟ اللہ نے تمہیں ہدایت دی۔ تم محتاج تھے، اللہ نے تمہیں غنی کیا۔ آپس میں دشمن تھے، اللہ نے دل جوڑ دیے۔ لوگوں نے کہا، کیوں نہیں اللہ اور اس کے رسول کا بڑا فضل و کرم ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے انصار! جواب دو! انہوں نے کہا، ہم کیا جواب دیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو -- اور یہ سچ ہوگا -- کہ آپ ﷺ ہمارے پاس اس وقت آئے جب آپ ﷺ کو جھٹلایا گیا تو ہم نے آپ ﷺ کی تصدیق کی۔ آپ ﷺ بے یار و مددگار تھے، ہم نے آپ ﷺ کی مدد کی۔ آپ ﷺ کو بے گھر کیا گیا، ہم نے ٹھکانا دیا۔ آپ ﷺ محتاج تھے، ہم نے غمخواری کی۔

اے انصار! آج تم عارضی دولت کے لیے ناراض و پریشان ہو گئے ہو جسے دے کر میں نے لوگوں کا دل جوڑا تاکہ وہ مسلمان ہو جائیں اور تمہیں تمہارے اسلام کے حوالے کر دیا۔

اے انصار کی جماعت! کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ جب لوگ اپنے گھروں کو جائیں تو اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم اللہ کے رسول کو لے کر جاؤ۔

اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو

میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔تمام لوگ ایک راستے پر چلیں اور انصار دوسرے راستے پر چلیں تو میں بھی انصار ہی کے ساتھ چلوں گا۔اے اللہ! انصار پر، ان کے بیٹوں اور پوتوں پر رحم فرما!''

آپ ﷺ کا ارشاد سن کر انصار اتنا روئے کہ ان کی ڈاڑھیاں بھیگ گئیں اور سب کہہ اٹھے کہ ہم اپنی قسمت پہ راضی ہیں کہ ہمارے حصہ میں اللہ کے رسول ﷺ آئے ہیں۔

(ابن هشام: ۴۰۰/۲)

غزوۂ تبوک

فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کی جماعت میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا۔لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف قبائل کی اصلاح کے لیے دعوتی قافلے اور عسکری دستے روانہ کیے۔غزوۂ حنین وطائف کے علاوہ چھوٹی چھوٹی مزاحمتیں بھی پیش آئیں لیکن مجموعی طور پر قبائل عرب نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا کہ مسلمانوں کا خدا ،رسولؐ اور مذہب سچا ہے۔لیکن اس وقت ایک مستحکم اور منظم سلطنت روم کی سلطنت تھی جسے روئے زمین پر تہذیب وتمدن کا نمائندہ سمجھا جاتا تھا۔اُس کے پاس اپنے دور کا جدید جنگی وحربی سامان موجود تھا جس کی بنا پر دوسرے قبائل وسلطنتوں پر اُس کا رعب ودبدبہ تھا۔اس متمدن قوم اور حربی ساز وسامان سے آراستہ فوج کے ساتھ اسلامی لشکر کا معرکہ مقامِ تبوک پر ہوا جسے غزوۂ تبوک کہا جاتا ہے۔

غزوہ کا سبب

رومیوں سے ایک بار پہلے بھی مسلمانوں کا آمنا سامنا ہوا جس میں تین ہزار نفوس پر مشتمل اسلامی لشکر زید بن حارثہؓ کی قیادت میں تقریباً دو لاکھ رومیوں اور ان کے اتحادیوں سے نبرد آزما ہوا۔مسلمانوں کے تین امراء زیدؓ بن حارثہ، جعفر طیارؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ سمیت بارہ

جاں نثاروں نے جامِ شہادت نوش کیا اور آخر میں حضرت خالد بن ولیدؓ کمال حکمت عملی سے اپنی عسکری جمعیت کو تباہی سے بچا کر واپس لے گئے۔ اب فتح عظیم کے بعد قبائل عرب مشرف بہ اسلام ہو گئے اور تمام علاقے اسلام کے زیرِ نگیں آ گئے تو رومیوں کو مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی جمعیت سے خطرہ محسوس ہوا۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ کن معرکے کی تیاری شروع کر دی۔ رومیوں کی تیاری کی اطلاع مدینہ میں بھی پہنچ گئی۔

غزوہ کی تیاری کا حکم

رومیوں کی تیاری کی خبر پا کر رسول اکرم ﷺ نے غزوہ کی تیاری کا حکم دے دیا۔ تمام مسلمان تیاری میں لگ گئے۔ ہر ایک نے اپنی حیثیت کے مطابق حصہ ڈالا۔ جامع ترمذی کی روایت کے مطابق حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے تین سو اونٹ کجاوے سمیت اور تقریباً دو سو اوقیہ چاندی ایک ہزار دینار آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیے۔

(مناقب عثمانؓ: جامع ترمذی: ۲/۲۱۱)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا سارا مال پیش کر دیا جب کہ اپنے گھر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے علاوہ کچھ نہیں چھوڑا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے گھر کا آدھا سامان جہاد کے لیے پیش کر دیا۔ دوسرے صحابہؓ نے بھی مسابقت کے جذبہ سے غزوہ کی تیاری میں حصہ ڈالا۔

منافقین کے حیلے

رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ گرامی کے بعد تمام مسلمانوں نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا مگر منافقین نے حیلے و بہانے بنائے۔ ان کا کام تھا کہ مسلمانوں کو فتنہ و مشکل میں ڈالا جائے اور جمعیت کو کمزور کیا جائے۔ جیسا کہ قرآن مجید نشان دہی کرتا ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ط اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ط وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ٥ (التوبۃ ۹ : ۴۹)

ان میں سے کوئی تو کہتا ہے کہ مجھے اجازت دیجئے مجھے فتنے میں نہ ڈالیے۔ آگاہ رہو وہ تو فتنے میں پڑ چکے ہیں اور یقیناً دوزخ کافروں کو گھیرنے والی ہے۔

درحقیقت مسلمانوں کے ساتھ مل کر نہ چلنا اور جہاد میں شمولیت اختیار نہ کرنا بھی تو فتنہ اور سخت گناہ ہے جس کا انجام جہنم ہے۔ اور یہی رویہ منافقین نے اپنایا جب کہ ایک گروہ نے کہا:

وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ط قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ط لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ٥ (التوبہ ۹ : ۸۱)

اور انہوں نے کہا اس گرمی میں مت نکلو۔ کہہ دیجئے کہ دوزخ کی آگ بہت ہی سخت گرم ہے۔ کاش کہ وہ سمجھتے ہوتے۔

منافقین نے ہمیشہ ہی مسلمانوں کی جمعیت کو کمزور کرنے اور نفاق ڈالنے کی کوشش کی۔ جب سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء سمیت ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے منافقین سازشوں میں لگے رہے۔ بدر، اُحد اور احزاب حتیٰ کہ ہر جنگ کے موقع پر ان لوگوں نے منافقتوں اور سازشوں سے کام لیا اور ہمیشہ اسی کام میں لگے رہے۔ جیسا کہ قرآن مجید نے وضاحت کی ہے:

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَ قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ٥ (التوبۃ ۹ : ۴۸)

یہ اس سے پہلے بھی فتنہ تلاش کرتے رہے اور آپ کے لیے کاموں کو الٹ پلٹ کرتے رہے یہاں تک کہ حق آ پہنچا اور اللہ کا حکم غالب آ گیا اس حال میں کہ وہ ناخوش ہی رہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں منافقین کے متعلق یہ وضاحت کی ہے کہ ان کا جہاد

میں شریک ہونا بھی نقصان دہ تھا کیونکہ ان لوگوں نے فساد ہی پیدا کرنا تھا۔ ارشاد ہوا:

لَوْخَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّازَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَا اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۔ (التوبة ۹ : ۴۷)	اگر یہ تم میں مل کر نکلتے بھی تو تمہارے لیے سوائے فساد کے اور کوئی چیز نہ بڑھاتے بلکہ تمہارے درمیان خوب گھوڑے دوڑاتے اور تم میں فتنے ڈالنے کی تلاش میں رہتے۔

منافقین کا کردار اوّل سے لے کر آخر تک گھناؤنا ہی رہا۔ انہوں نے تو یہاں تک سازش کی کہ جب مسلمانوں کا قافلہ جنگ تبوک سے واپس آ رہا تھا، راستے میں ایک گھاٹی میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گزر رہے تھے اور باقی لشکر سے تقریباً تنہا تھے، دس بارہ منافقین آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کی غرض سے پیچھے لگ گئے لیکن وحی کے ذریعے اس سازش کی اطلاع مل گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ ہو گئے۔ قرآن بیان کرتا ہے:

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۔ (التوبة ۹ : ۷۴)	یہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا حالاں کہ کفر کا کلمہ ان کے منہ سے نکل چکا ہے اور یہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے ہیں اور انہوں نے اس کام کا قصد بھی کیا جو پورا نہ کر سکے۔

غزوہ تبوک کے موقع پر منافقین نے جو مکر و فریب کیا اور حیلے و بہانے بنائے وہ سب بالتفصیل سورہ توبہ میں بیان کر دیے گئے اور واپسی پر کس طرح انہوں نے قسمیں کھا کھا کر حضور کو یقین دلانے کی کوشش کی جس میں وہ ناکام رہے، اسے بھی کھول کر بیان کر دیا گیا۔

اسلامی لشکر تبوک میں

اسلامی لشکر جس میں تیس ہزار جنگ جو مسلمان شامل تھے مقامِ تبوک پر پہنچ کر خیمہ

زن ہو گیا۔ وہاں آپ ﷺ نے تمام شرکائے لشکر کو مخاطب کر کے خطاب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی۔ دنیا و آخرت کی بھلائیوں کی طرف رغبت دلائی۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا اور انعامات کی خوشخبری دی۔ اس سے پوری فوج کے حوصلے بلند ہوئے۔ جب کہ دوسری طرف رومیوں اور ان کے اتحادیوں کا یہ حال تھا کہ وہ اسلامی فوج کی آمد کی خبر سن کر اندر ہی اندر خوف زدہ ہو رہے تھے اور ان میں جنگ کرنے کا حوصلہ نہیں رہا تھا۔ اور وہ تمام لوگ اندرون ملک شہروں میں بکھر گئے۔ اور کچھ قبائل نے جزیہ دینا قبول کر لیا۔ (ابن ھشام: ۲/۴۹۶)

مسلمان فاتح بن کر واپس آئے اور پورے صحرائے عرب میں ان کی قوت و طاقت کی دھاک بیٹھ گئی۔ عرب کے تمام قبائل تو اسلامی عظمت کو تسلیم کر چکے تھے، رومیوں کی بھی اپنے اتحادیوں سمیت تمام آرزوئیں اور خواہشات دم توڑ گئیں۔ واپسی پر مدینہ میں اسلامی لشکر کا شاندار استقبال کیا گیا۔

غزوہ تبوک آخری بڑی عسکری مہم تھی جس میں قتل و غارت گری تو نہیں ہوئی لیکن مسلمانوں کی سطوت و شکوہ اور قوت و جمعیت میں بہت اضافہ ہوا۔ اب مختلف بلاد کی طرف عوام الناس کی فلاح و رفاہ اور دعوت و تبلیغ کے لیے قافلے جانے لگے اور قبیلوں کے قبیلے اور فوجوں کی فوجیں اللہ کے دین اسلام میں داخل ہونے لگیں اور اس عظیم ترین کامیابی پر اللہ کے پاک پیغمبر اللہ کی تسبیح و تحمید بیان کرنے لگے کیوں کہ اللہ کا یہی وعدہ تھا کہ میری مدد اور فتح نصیب ہو جائے اور دین اسلام میں لوگ فوج در فوج داخل ہونے لگیں تو آپؐ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کریں۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝	آپؐ اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور اس سے مغفرت مانگیں بے شک وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔
(النصر ۱۱۰: ۳)	

منافقین کی حیلہ سازی اور صحابہؓ کی حق گوئی

غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ جانے والے منافقین جھوٹی قسمیں کھا کھا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بے گناہی کا یقین دلایا۔ ان میں جو شخص بھی آتا وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش ہو کر حیلہ سازی کرتا کوئی نہ کوئی بہانہ بناتا اور معذرت کرتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم درگزر فرماتے۔ جب کہ حقیقت حال اس کے قطعاً برعکس تھی وہ ظاہری طور پر دنیوی مفاد کی خاطر مسلمانوں کی جماعت میں شامل تھے لیکن باطنی طور پر ان کے قلوب واذہان حلاوت ایمان سے یک سر محروم تھے۔

اس موقعہ پر تین مسلمان کعبؓ بن مالک، مرارہؓ بن ربیع اور ہلالؓ بن امیہ بھی اس غلطی کے مرتکب ہوئے۔ وہ جنگ میں شریک نہیں ہوئے اور انہوں نے تخلف اختیار کیا۔ لیکن وہ مسلمان تھے ان کا ایمان واسلام شک وشبہ اور نفاق وشقاق سے بالا تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ایک پوری جماعت حیلہ سازی اور کذب بیانی کے ذریعے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی سے بچ رہے ہیں اور اپنے ایمان وایقان کا یقین دلا رہے ہیں تو انہوں نے وہ راستہ اختیار نہیں کیا بلکہ حق گوئی اور صدق بیانی سے کام لیا۔ اس سچائی کی وجہ سے انہیں مشکل صورت حال سے دوچار ہونا پڑا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کا دکھ سہنا پڑا۔ اپنوں میں رہتے ہوئے بیگانگی کے کرب سے گزرنا پڑا اور محبت بھری نظروں میں نفرتوں کے الاؤ دیکھنے پڑے۔ یہ سب کچھ گوارا کیا لیکن حق گوئی کے دامن کو نہیں چھوڑا اور سچ بولنے سے پہلو تہی اختیار نہیں کی۔

کعبؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ تبوک میں کسی بدنیتی یا نفاق کی بنیاد پر میں نے تخلف اختیار نہیں کیا بلکہ یہ فعل صرف تساہل وتغافل کی وجہ سے سرزد ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق تمام مسلمانوں نے جنگ کی تیاری شروع کی۔ لیکن میرا یہ حال تھا کہ

روزانہ صبح کے وقت فیصلہ کرتا کہ اب تیاری کر لینی چاہیے مگر کوئی ضرورت پیش آ جاتی اور میں دل ہی دل میں خیال کرتا کہ میں جب چاہوں گا تیاری کر لوں گا۔ اس طرح مجھ سے سستی ہوتی رہی یہاں تک کہ تمام لوگوں نے اپنی تیاری مکمل کر لی۔ بالآخر روانگی کا وقت آ گیا۔ صبح کے وقت رسول اکرم ﷺ روانہ ہونے والے تھے اور تمام مسلمان بھی آپ ﷺ کی معیت اور سنگت میں پابہ رکاب تھے اور میرا یہ حال تھا کہ میری جنگی تیاری مکمل نہ تھی چنانچہ میں نے سوچا کہ میں ایک دو دن میں تیاری کر کے ساتھ جا ملوں گا۔ صبح کو میں نکلا کہ زادراہ تیار کروں پھر کوئی عذر پیش آ گیا اور میں پلٹ آیا۔ اگلے دن پھر ایسے ہی ہوا۔ بلکہ میں مسلسل ڈھیل اور سستی کا شکار رہا جب کہ اسلامی قافلہ بڑی مستعدی کے ساتھ اپنی منزل پر جا پہنچا۔ اب اگرچہ جنگ میں شریک ہونے کا موقعہ میرے ہاتھ سے نکل چکا تھا، پھر بھی میرے دل میں ارادے نے جنگ میں شمولیت کی انگڑائی لی لیکن میں ایسا نہیں کر سکا۔ اس پریشانی کی صورت حال میں جب میں باہر نکلتا اور لوگوں میں گھومتا تو مجھے بڑے رنج والم کا سامنا کرنا پڑتا کیوں کہ پیچھے رہ جانے والے وہ لوگ تھے جو منافق تصور کیے جاتے تھے یا معذور اور ضعیف افراد تھے جو جنگ میں شرکت کر ہی نہیں سکتے تھے۔ ادھر روانگی کے وقت سرور گرامی ﷺ نے بھی مجھے یاد نہ فرمایا، بلکہ مقام تبوک پر پہنچ کر جب لوگوں میں تشریف فرما تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ کعب بن مالک نے کیا کیا؟

بنوسلمہ کے ایک آدمی نے کہا:

یارسول اللہ ﷺ! انہیں ان کی دھاری دار چادروں اور خود بینی نے روک لیا۔

اس پر معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل بولے!

تم نے بہت بری بات کی۔ خدا کی قسم! یارسول اللہ ﷺ! ہم نے ان سے خیر کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

صاف گوئی اور راست بازی

جب مجھے معلوم ہوا کہ حضور سرور گرامی صلی اللہ علیہ وسلم واپسی کا رخ فرما چکے ہیں تو مجھ پر غم و اندوہ اور حزن و ملال کے سائے منڈلانے لگے اور مجھے یہ فکر دامن گیر ہوا کہ کس طرح حیلہ سازی کروں اور کون سا عذر پیش کروں تاکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی و خفگی سے بچ جاؤں۔ اس سلسلہ میں اہل خانہ میں سے اصحاب الرائے افراد سے مشورہ بھی کیا جب مجھے یہ بتایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل قریب تشریف لے آئے ہیں تو میرے دل و دماغ میں پیدا ہونے والے تمام تر باطل خیالات و تصورات زائل ہو گئے اور میں نے مصمم ارادہ کر لیا میں سچائی کا دامن نہیں چھوڑوں گا اور کسی جھوٹے عذر کا سہارا نہیں لوں گا۔ آخر کار آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت مدینہ منورہ میں داخل ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب سفر سے تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں رونق افروز ہوتے اور دو رکعت نماز ادا کرتے اور نماز سے فراغت کے بعد لوگوں سے ملاقات کے لیے مسجد میں ہی تشریف فرما ہو جاتے۔ چنانچہ اس موقعہ پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی معمول روا رکھا۔ جب ملاقاتوں کا سلسلہ جاری ہوا تو وہ لوگ بھی آنے لگے جنہوں نے تخلف کیا تھا۔ وہ جھوٹی قسمیں کھا کھا کر معذرت کرنے لگے ان کی تعداد تقریباً 89 تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی معذرت کو قبول فرماتے ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے اور دلوں کے بھید اللہ کے سپرد کرتے جاتے۔ یہ سلسلہ جاری تھا کہ میں نے بھی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا جس میں ناراضی و خفگی نمایاں تھی۔ مجھے ارشاد فرمایا!

ادھر آؤ! میں آگے بڑھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔ تو فرمایا:

''تمہیں کس چیز نے پیچھے رکھا۔ کیا تم نے سواری کا اونٹ نہیں خریدا تھا؟''

میں نے عرض کیا!

یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی قسم! اگر میں آپ ﷺ کے علاوہ دنیا کے کسی اور انسان کے پاس بیٹھا ہوتا تو یہ بہتر خیال کرتا کہ کوئی عذر کر کے اس کے غصے سے محفوظ ہو جاؤں اور میں خصومت کرنا بھی خوب جانتا ہوں۔ لیکن اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ اگر میں آپ ﷺ کو خوش کرنے کے لیے جھوٹ کا سہارا لوں تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو فوراً مجھ پر غصہ دلا دے گا۔ اور اگر میں سچ بیان کروں تو اس کی وجہ سے آپ ﷺ رنجیدہ ہو جائیں گے۔ لیکن میں اسی سچائی میں ہی اللہ تعالیٰ سے اچھے انجام کی امید کرتا ہوں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ مجھے کوئی عذر نہیں تھا اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں جتنا مضبوط و توانا اور فارغ البال اس تخلف کے وقت تھا اتنا پہلے کبھی نہ تھا۔

میری گفتگو سن کر رسول کریم ﷺ نے فرمایا!

''جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ تم نے سچ کہا ہے۔ اب تم جاؤ اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں کیا فیصلہ کرتا ہے۔''

قطع تعلق

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی سننے کے بعد میں اٹھ کر چلنے لگا تو میرے ساتھ قبیلہ بنو سلمہ کے کچھ افراد بھی اٹھ کر میرے پیچھے چلنے لگے۔ انہوں نے مجھ سے کہا:

خدا کی قسم! ہم نہیں جانتے کہ اس سے پہلے بھی آپ نے کوئی گناہ کیا ہو اور اس وجہ سے رسول اکرم ﷺ کے سامنے عذر پیش کرنے سے قاصر رہے جس طرح کہ دوسرے لوگوں نے عذر پیش کیے۔ اور آپ کے لیے رسول کریم ﷺ کا استغفار کافی ہوتا۔ بنو سلمہ کے یہ احباب مسلسل میرے ساتھ چلتے رہے۔ یہاں تک کہ میرے اندر اس خواہش نے انگڑائی لی کہ اپنی کہی ہوئی بات کی تردید کر دوں۔ لیکن میں نے ان سے پوچھا کہ کیا میرے علاوہ بھی کوئی شخص اس صورت حال سے دوچار ہوا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں دو آدمی اور تھے انہوں نے بھی

یہی گفتگو کی اور انہیں بھی وہی ارشاد ہوا جو تمہیں ہوا اور پھر میرے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ وہ دونوں آدمی قبیلہ بنو عمرو ابن عوف کے مرارہؓ بن ربیع اور ہلالؓ بن امیہ ہیں۔

ان دونوں صالح افراد کی تمثیل میرے لیے باعث اطمینان تھی۔ ان کے نام سن کر میں خاموش ہو گیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد پر تمام مسلمانوں نے ہم سے قطع تعلق کر لیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا:

لا تکلمن احدا من ھؤلاء الثلاثۃ

''ان تینوں میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی تم لوگ کلام نہیں کرو گے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بعد سب لوگ ہم سے بدل گئے ان کی نگاہیں تبدیل ہو گئیں۔ مدینہ کی محبت بھی فضاء ہمارے لیے اجنبی ہو گئی۔ تمام تر ماحول ہمارے لیے بیگانہ ہو گیا اور وسیع وکشادہ زمین سکڑ گئی حتیٰ کہ شناساؤں میں کوئی بھی اپنا باقی نہ رہا۔ اسی اجنبیت وبیگانگی اور بے یاری ومددگاری میں پچاس راتیں گزر گئیں۔

عبرت ناک واقعہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے مطابق ہم تین آدمیوں سے قطع تعلق اختیار کر لیا گیا۔ عملی طور پر ہم تینوں کا معاملہ مختلف تھا۔ کیونکہ میں نسبتاً ان دونوں سے نوعمر اور شجاع تھا۔ وہ اپنی کبرسنی کی وجہ سے گھر میں پڑے رہتے لیکن میں اپنی جواں عمری کی وجہ سے باہر نکلتا۔ مسلمانوں کے معاملات میں شریک ہوتا اور اپنی حاجات کی بنا پر بازاروں میں گھومتا۔ لیکن کوئی ہم سے بات نہ کرتا۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فراغت کے بعد تشریف فرما ہوتے تو میں سلام کرتا۔ دل میں سوچتا اور دیکھتا کہ کیا میرے سلام کا جواب دینے کے لیے اپنے ہونٹوں کو ہلایا کہ نہیں۔ پھر

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی نماز پڑھتا اور کن اکھیوں سے دیکھتا کہ جب میں نماز میں مصروف ہو جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر نگاہ ڈالتے اور جب میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعراض فرما لیتے۔ میرے لیے یہ بڑا تکلیف دہ امر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعراض اور لوگوں کی سرد مہری جب طویل ہوگئی تو میں ابوقتادہ کے باغ کی طرف گیا۔ وہ میرے چچازاد اور مجھے بہت محبوب تھے۔ میں باغ کی دیوار پر چڑھ گیا انہیں سلام کہا لیکن انہوں نے مجھے جواب نہیں دیا۔ میں نے انہیں کہا:

ابوقتادہ! میں تمہیں خدا کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب رکھتا ہوں۔ ابوقتادہ خاموش ہی رہے۔ میں نے دوبارہ انہیں قسم دے کر پوچھا مگر انہوں نے پھر بھی خاموشی اختیار کی میں نے پھر قسم دے کر پوچھا تو بولے: ''اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ علم ہے۔''

یہ سن کر میری آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے اور میں کود کر باغ پر چڑھ گیا۔

حاکم غسان کا خط

اگلی صبح میں بازار میں نکلا۔ جب میں چلا جا رہا تھا تو ایک نبطی کو دیکھتا ہوں جو شام کے علاقے سے تھا اور ان لوگوں میں سے تھا جو مدینہ آ کر گندم بیچتے تھے۔ وہ میرے متعلق پوچھتا ہے اور کہتا ہے کہ کوئی ہے جو مجھے کعب بن مالک کا پتہ بتائے۔ تو لوگوں نے میری طرف اشارہ کر کے اسے بتایا۔ وہ میرے پاس آیا اور غسانی بادشاہ کا ایک خط تھما دیا جو ریشمی کپڑے کے ٹکڑے پر لکھا ہوا تھا۔ جس کا مضمون یہ تھا:

اما بعد فانه قد بلغنا ان صاحبك قد جفاك ولم يجعلك الله بدار هوان ولا مضيعة فالحق بنا نواسك امابعد

''ہمیں معلوم ہوا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے ساتھ سرد مہری اختیار کی ہے۔ اور اللہ

تعالیٰ نے تمہیں ذلت وتباہی کی جگہ نہیں رکھا اس لیے تم یہاں آ کر مجھ سے ملو، میں تمہارے معاش وروزگار کا بندوبست کیے دیتا ہوں۔''

کعبؓ بن مالک اس سے آگے بڑے دکھ بھرے انداز میں بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے یہ خط پڑھا تو سوچوں میں گم ہو گیا کہ مجھ پر کتنا کٹھن اور پر آزمائش دور آ گیا ہے اور میں کس گردش حالات سے دوچار ہو گیا ہوں کہ ایک مشرک شخص مجھے اپنا بنا لینے کے لیے میرے پیچھے چل نکلا ہے۔

بیوی سے علیحدگی کا حکم

حضرت کعبؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس آتش لبریز خط کو تندور کی دہکتی آگ کے سپرد کیا اور خود ثابت قدم رہا۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ چالیس راتیں گزر گئیں تو رسول کریم ﷺ کا قاصد میرے پاس آیا اور حکم سنایا کہ آقا ﷺ فرماتے ہیں تم اپنی بیوی سے علیحدگی کر لو۔ میں نے استفسار کیا کہ کیا میں اسے طلاق دے دوں۔ کہا نہیں صرف دور رہنا ہے اس کے قریب نہیں جانا۔ قاصدِ رسولؐ نے دوسرے دو ساتھیوں کو بھی یہی پیغام دیا۔ میں نے یہ حکم سن کر اپنی بیوی سے کہا کہ تم اپنے والدین کے گھر چلی جاؤ اور جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فیصلہ نہیں آ جاتا تم وہیں رہو۔

ہلالؓ بن امیہ کی بیوی نے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہلال بالکل بوڑھے شخص ہیں اور ان کے پاس کوئی خادم بھی نہیں۔ کیا آپ ﷺ کو یہ پسند نہیں کہ میں ان کی خدمت کیا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا! نہیں نہیں ایسا نہیں، لیکن وہ تمہارے قریب نہ آئیں۔ خدمت کرنے میں کوئی حرج نہیں بس قریب نہیں جانا۔ بیوی نے کہا خدا کی قسم جب سے ان کا یہ معاملہ ہوا ہے وہ مسلسل روتے ہی چلے جا رہے ہیں، مجھے تو اندیشہ ہے کہ روتے روتے ان کی آنکھوں کی بینائی ہی نہ زائل ہو جائے۔ کعبؓ

بن مالک بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میرے گھر والوں نے کہا تم بھی رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش ہو کر اجازت لے لو۔ ہلالؓ بن امیہ کو اجازت مل گئی ہے، آپ کو بھی مل سکتی ہے۔ میں نے کہا ان کی نسبت میں جوان آدمی ہوں، پتہ نہیں مجھے کیا جواب ملے لہٰذا میں اجازت طلب ہی نہیں کروں گا۔

معافی کا اعلان

اسی بیگانگی اور اجنبیت میں باقی دس روز بھی گزر گئے۔ اس قطع تعلقی کے ایام میں تنہائیوں میں میرا بسیرا تھا اور ایلو ے کے درخت کی پشت پر خیمہ بنا لیا تھا۔ پچاسویں رات کی صبح میں نے اپنے گھر کی چھت پر نماز ادا کی اور پھر اپنے خیمہ پر موجود تھا کہ پیچھے سے زوردار آواز آئی۔

یا کعبؓ ابن مالک البشر۔ کعبؓ ابن مالک! تیرے لیے خوشخبری ہے۔ خوشخبری کی آواز سنی تو میں نے اپنا سر سجدہ میں رکھ دیا کیوں کہ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ قسمت کے دریچے کھل گئے ہیں۔

صحابہؓ کی خوشی

صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد حضور سرورِ دو عالم ﷺ نے ہماری بخشش و معافی کے متعلق لوگوں کو بتایا تو لوگ بشارتیں دینے کے لیے اٹھ بھاگے۔ قبیلہ بنو اسلم کا ایک شخص مجھے خوشخبری دینے کے لیے گھوڑے پہ سوار ہو کر نکلا اور اسے تیز دوڑاتا ہوا پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اس نے مجھے آواز دی تو آواز کی رفتار گھوڑے کی رفتار سے زیادہ تھی اسی لیے اس کی آواز اس کے آنے سے پہلے پہنچ گئی۔ جب وہ میرے پاس آیا تو میں نے خوشی میں اپنے دونوں کپڑے اس کو دے دیئے کیوں کہ حقیقت یہ ہے کہ میرے پاس وہی دو کپڑے تھے۔ پھر میں نے رسالت مآب ﷺ کی بارگاہ میں پیش ہونے کے لیے کپڑے مستعار لے کر پہنے اور جب میں حاضری کے ارادے سے نکلا تو لوگ خوشی سے تمتماتے چہروں سے مجھے مبارک دے رہے

تھے کہ ''تمہیں اللہ کی طرف سے معافی مبارک ہو۔''

بارگاہ رسالت میں حاضری

جب میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ تشریف فرما تھے اور اردگرد لوگ جمع تھے۔ مجھے دیکھ کر طلحہؓ ابن عبید اللہ کھڑے ہوئے۔ سلام کہا اور مبارک باد دی اور میں اس بات کو نہیں بھول سکتا کیوں کہ مہاجرین میں سے ان کے علاوہ میرے لیے کوئی بھی کھڑا نہیں ہوا۔

جب میں نے آقا علیہ السلام کو سلام کیا تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک چمک رہا تھا فرمایا! جب سے تمہاری ماں نے تمہیں جنم دیا ہے اس روز سے لے کر آج تک کی بہترین خوشخبری میں تمہیں دیتا ہوں۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ بشارت آپ ﷺ اپنی طرف سے دے رہے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے، تو فرمایا! اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ خوشخبری دیتے وقت آپ ﷺ کا چہرہ تمتما رہا تھا بلکہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ اور ہمیں اس بات کا بخوبی علم تھا۔ آپ ﷺ کی بارگاہ میں دوزانو ہو کر میں نے عرض کیا: آقا ﷺ! اللہ تعالیٰ سے میری توبہ کی منظوری اور معافی کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ اس کی راہ میں صدقہ کرتے ہوئے میں اپنے مال اور جائیداد سے چھٹکارا حاصل کرلوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا! اپنی کچھ جائیداد اپنے لیے روک لو تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا۔ خیبر میں جو میرا حصہ ہے اسے میں رکھ لیتا ہوں اور اے اللہ کے پاک رسول ﷺ! سچ گوئی وصداقت پسندی اور جھوٹ سے نفرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے نجات دی اور اس سے میری توبہ کا یہ اثر ہونا چاہیے کہ جب تک زندہ رہوں سچ ہی بولتا رہوں۔

جب سے میں نے آپ ﷺ کے سامنے اظہار کیا اس وقت سے سچائی کی وجہ سے آزمائش میں پڑنے والوں میں سے کسی کو بھی اپنے سے افضل نہیں پایا اور جب سے میں نے سچ کا عزم کیا اس وقت سے کبھی بھی جھوٹ بولنے کا ارادہ بھی نہیں کیا۔ اور میں کامل امید رکھتا ہوں کہ میرا اللہ باقی زندگی میں بھی مجھے جھوٹ سے محفوظ رکھے گا۔ بارگاہ خداوندی سے اس طرح توبہ کی منظوری اور معافی کا اعلان ہوا۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ م بَعْدِمَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهُ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ٥ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ط حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْآ اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ ط ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ٥ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُو اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ٥

(التوبہ ۹: ۱۱۷ ـ ۱۲۰)

''اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین و انصار کے حال پر بھی جنہوں نے تنگی کے وقت بھی آپؐ کا ساتھ دیا۔ اس کے بعد کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں تزلزل ہو چلا تھا۔ پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان سب پر شفقت کرنے والے مہربان ہیں اور ان تینوں افراد کے حال پر بھی، جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگ ہونے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی، بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے۔ پھر ان کے حال پر توجہ فرمائی تا کہ وہ آئندہ بھی توبہ کر سکیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے

والا بڑا رحم والا ہے۔اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ
سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔"

سچ بولنے کا انعام

کعبؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ: میں اپنے رب کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب سے میں دائرہ اسلام میں داخل ہوا ہوں اتنی بڑی کامیابی و سرفرازی اور اتنا بڑا انعام و اکرام مجھے نصیب نہیں ہوا جتنا بڑا مجھے بارگاہ رسالت میں سچ بولنے کی وجہ سے عطا ہوا۔ اگر میں سچ کا دامن نہ تھامتا تو میں بھی دوسرے جھوٹ بولنے والوں کی طرح ہلاک و برباد ہو جاتا اور اللہ تعالیٰ نے مکر و فریب اور جھوٹ کا سہارا لینے والوں کے لیے کتنے سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں:

سَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ ؕ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ؕ إِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ○ يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ○

(التوبہ ۹ : ۹۵، ۹۶)

"یہ سب تمہارے سامنے آ کر قسمیں کھائیں گے (کہ ہم معذور تھے) جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تاکہ تم انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ یہ لوگ بالکل گندے ہیں انہوں نے (نفاق و خلاف کر کے) جو کرتوت کیے ہیں ان کے بدلے ان کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے۔ یہ تمہارے سامنے اسی لیے قسمیں کھاتے ہیں کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ تو اگر تم ان سے راضی بھی ہو گئے تو اللہ اس سرکش قوم سے راضی نہیں ہوگا۔"

منافقین نے رسول مقبول ﷺ کے سامنے سچ بولنے کی بجائے جھوٹ بولا اور

کذب بیانی سے کام لیا وہ وقتی طور پر تو آپ ﷺ کی ناراض سے بچ گئے اور آپ ﷺ کی دعائیں بھی لے لیں لیکن جب ان کے بارے میں بارگاہ الٰہی سے فیصلہ آیا تو وہ جھوٹے اور مکار ہی نہیں بلکہ سرکش قوم اور وارث جہنم ٹھہرے اور ان کے مقابلے میں وہ تینوں صداقت کے پیکر جنہوں نے سرور دو عالم ﷺ کے سامنے حیلہ سازی و بہانہ بازی کی بجائے صداقت وسچائی کو اپنا شعار بنایا۔ وہ ابتلاء وآزمائش کے کڑے دور سے گزرے۔ آپ ﷺ کی ناراضی کے کرب سے گزرنا پڑا۔ اپنے ہی گھروں میں اجنبی ہوگئے، حلال آسائشوں سے محروم ہوگئے۔ احباب بھی اغیار کے قالب میں ڈھل گئے۔ اور زمین اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود تنگ نظر آئی لیکن بالآخر انہیں عزت نصیب ہوئی۔ بخشش ومعافی کے بادل چھا گئے، بشارتوں کی موسلا دھار بارش ہوئی۔ توبہ کی منظوری کے راحت افزا جھونکے آئے اور نہ ختم ہونے والی خوشیوں سے دامن بھر گئے۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دارو رسن کہاں

غزوات وسرایا پر ایک نظر

حضور سرور انبیاء جناب محمد مصطفےٰ ﷺ نے حیاتِ رسالت کے تیئیس (۲۳) سالوں میں سے تیرہ سال مکہ میں اور پھر ہجرت کے بعد دس سال مدینہ میں بسر کیے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد کا حکم ہوا۔ آپ ﷺ کی حیات مطہرہ میں کل بیاسی غزوات وسرایا ہوئے۔ لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ دس سالوں میں ۸۲ عسکری مہمات میں فریقین کے کل ایک ہزار اٹھارہ آدمی قتل اور ایک سوستائیس آدمی زخمی ہوئے جب کہ کفار کے ۶۵۶۴ آدمی قیدی بنائے گئے اور ان میں سے ۶۳۴۷ قیدیوں کو آزاد کردیا گیا۔ اور صرف دو قیدیوں کو انتہائی جرم کی پاداش میں قتل کیا گیا۔ دس سالہ عسکری مہمات اور جنگ جوئی میں جانی نقصان نہ ہونے کے

برابر اور فتوحات کا سلسلہ اتنا طویل کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل وغارت گری کی بجائے اصلاحِ احوال، امنِ عامہ اور عفو و درگزر کی حکمت عملی کو اپنایا۔

لیکن ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اسی عظیم ترین عہد مبارک کے متعلق ہرزہ سرائی کرنے والے یہ پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا۔ اگر وہ تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو انہیں نظر آئے گا کہ پہلی جنگ عظیم جو بیسویں صدی کے شروع میں ہوئی، وہ نہ تو مذہبی تھی اور نہ ہی دینی ونظریاتی بلکہ آسٹریا کے ایک شخص (ولی عہد) کو قتل کرنے سے شروع ہوئی اور پھر پوری دنیا اس کی لپیٹ میں آ گئی۔ اس جنگ میں جانی نقصان ایک نظر میں دیکھا جا سکتا ہے کہ کتنے لوگ قتل ہوئے:

۱۔ روس: سترہ لاکھ

۲۔ جرمنی: سولہ لاکھ

۳۔ فرانس: تیرہ لاکھ

۴۔ اٹلی: چار لاکھ

۵۔ آسٹریا: آٹھ لاکھ

۶۔ برطانیہ: سات لاکھ چھ ہزار

۷۔ ترکی: دو لاکھ پچاس ہزار

۸۔ بلجیئم: ایک لاکھ دو ہزار

۹۔ بلغاریہ: ایک لاکھ

۱۰۔ رومانیہ: ایک لاکھ

۱۱۔ سرویا: ایک لاکھ

۱۲۔ امریکہ: پچاس ہزار (رحمۃ للعلمین: ۲/۲۲۰)

کل بہتر لاکھ آٹھ ہزار انسان ہلاک ہوئے۔

اس جنگ عظیم میں انسانوں کو اتنی بڑی تعداد میں قتل کرنے والے گنوار نہیں بلکہ بزعمِ خود دنیا کی متمدن و مہذب ترین قومیں اور ترقی یافتہ ممالک تھے۔ اہل فکر و دانش کو اسلام اور اس کے طرز عمل پہ لب کشائی سے پہلے اقوام عالم کی تاریخ کو اپنی نظر میں رکھنا چاہیے۔ اگر وہ ایسا کر لیں تو شاید لب و قلم کو جنبش دینے کی نوبت ہی نہ آئے۔

☆......☆......☆

یہود و نصاریٰ سے دوستی

یہود ونصاریٰ سے دوستی

یہودی اور عیسائی بنیادی طور پر اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ یہ آپس میں تو ایک دوسرے کے خیر خواہ ہو سکتے ہیں لیکن مسلمانوں کے بھی خواہ نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ مسلمانوں کو ان سے رشتے ناطے قائم نہیں کرنا چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مسلمانوں کو یہود ونصاریٰ سے دوستی اور تعلق داری سے منع کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (المائدة ۵ : ۵۱)

اے ایمان والو! تم یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہی میں سے ہے ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہ راست نہیں دکھاتا۔

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَاۗىِٕرَةٌ ۭ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰي مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۝ (المائدة ۵ : ۵۲)

آپ دیکھیں گے کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ دوڑ دوڑ کر ان میں گھس رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے ایسا نہ ہو کہ کوئی حادثہ ہم پر پڑ جائے۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح دے دے یا اپنے پاس سے کوئی اور چیز لا دے، پھر تو یہ اپنے دلوں میں چھپائی ہوئی باتوں پر (بے طرح) نادم ہونے لگیں۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ط حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ○ (المائدة ۵: ۵۳)

اور ایمان دار کہیں گے کیا یہی وہ لوگ ہیں جو بڑے مبالغہ سے اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں؟ ان کے اعمال غارت ہوئے اور یہ ناکام ہو گئے۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ج وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ط وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ط وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ○ (اٰل عمران ۳: ۲۸)

مومنوں کو چاہیے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی کسی حمایت میں نہیں مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح بچنا مقصود ہو اور اللہ تعالیٰ خود تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ط وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ج قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ط قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ج وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ط قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

اے ایمان والو! تم ایمان والوں کے سوا کسی اور کو اپنا دلی دوست نہ بناؤ۔ وہ تمہاری تباہی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ تم دکھ میں پڑو۔ ان کی عداوت تو خود ان کی زبان سے بھی ظاہر ہو چکی ہے اور جو اُن کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے اگر تم عقل مند ہو۔ ہاں تم تو انہیں چاہتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے۔ تم پوری کتاب کو مانتے ہو (وہ نہیں مانتے پھر محبت کیسی؟) یہ تمہارے سامنے تو اپنے ایمان کا اقرار

الصُّدُوْرِ ۝ (آل عمران ۳ : ۱۱۸، ۱۱۹)

کرتے ہیں لیکن تنہائی میں غصہ کے مارے انگلیاں چباتے ہیں۔ کہہ دو کہ اپنے غصہ میں ہی مر جاؤ۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے راز کو بخوبی جانتا ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں اہل ایمان کو یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے اور تعلقات بنانے سے سختی سے منع کیا ہے۔ اس کے پس منظر میں مفسرین نے کچھ واقعات کی نشان دہی کی ہے۔ پہلا یہ کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے ایک غیر مسلم کو کاتب رکھ لیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے سختی سے ڈانٹا اور فرمایا، ''تم انہیں اپنے قریب نہ کرو جب کہ اللہ نے انہیں دور کر دیا ہے۔ ان کو عزت نہ بخشو جب کہ اللہ نے انہیں ذلیل کر دیا ہے اور انہیں امین و راز دار مت بناؤ جب کہ اللہ نے انہیں خائن قرار دیا ہے''۔ (تفسیر کبیر)

دوسرا یہ کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اور حضرت عبادۃ بن صامت انصاریؓ زمانۂ جاہلیت سے حلیف چلے آرہے تھے۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح سے ہم کنار کیا تو عبداللہ بن ابی نے بھی اسلام کا اظہار کر دیا۔ ادھر بنو قینقاع کے یہودیوں نے چند دنوں بعد ہی فتنہ برپا کر دیا۔ عرب کی ایک خاتون بنی قینقاع کے بازار میں کچھ سامان بیچنے کے لیے لائی۔ وہ بازار میں ایک سنار کی دکان میں بیٹھ گئی۔ وہ نقاب میں مستور تھی۔ بنی قینقاع کے لوگوں نے اس خاتون کو بے نقاب کرنا چاہا تو اس نے انکار کر دیا تو پیچھے سے اس مجبور خاتون کا کپڑا پچھلی جانب باندھ دیا جب وہ اٹھنے لگی تو کپڑا کھینچا گیا اور وہ خاتون بے نقاب ہوگئی تو لوگوں نے ہنسنا شروع کر دیا جب کہ مجبور خاتون نے چلانا شروع کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر ایک مسلمان کی غیرت ایمانی نے جوش مارا اور اس نے اس سنار کو قتل کر دیا جو یہودی تھا۔ اس جرأت کی پاداش میں یہودیوں نے مسلمان کو شہید کر دیا۔ شہید مسلمان کے ورثاء نے دوسرے مسلمانوں سے مدد طلب کی تو مسلمانوں اور بنی قینقاع کے یہودیوں کے مابین جنگ و جدل کا بازار گرم ہوگیا۔ بالآخر مسلمانوں نے یہودیوں کا محاصرہ کر لیا۔ اس اہم ترین واقعہ پر حضرت عبادۃ بن صامت انصاریؓ نے تو حلیف ہونے کے باوجود برأت کا اعلان کر دیا جب کہ عبداللہ بن ابی نے

ان کی حمایت کی بلکہ ان کی رہائی کیلئے رسول اللہ ﷺ سے اصرار کیا۔ (ابن ھشام: ۲/۲۳)

مذکورہ آیات مبارکہ کا مضمون اور محولہ بالا واقعات بتاتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہودیوں عیسائیوں اور منافقوں سے دوستی نہیں ہوسکتی۔ یہ آپس میں مذہبی اختلاف کے باوجود اسلام کے خلاف متحد نظر آتے ہیں اور ایک دوسرے کے مفادات کے تحفظ کے لیے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔

آج بھی عالمی حالات و واقعات کا جائزہ لیا جائے تو یہودی، عیسائی اور ہندو مسلمان کے خلاف اکٹھے نظر آتے ہیں اور اس اتحاد میں اپنے اختلافات کو بھی پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ ان اسلام مخالف قوتوں کو ہر نقصان گوارا ہے لیکن اسلامی اُمہ کی برتری گوارا نہیں۔ مسلم اُمہ کو چاہیے کہ کتاب وسنت کی روشنی میں چلتے ہوئے اپنی دوستی و دشمنی کی بنیاد رکھیں اور کسی صورت میں ہندو، یہودی اور عیسائی سے ہمدردی و خیر خواہی کی امید نہ رکھیں کیوں کہ وقت آنے پر یہ قومیں وحدتِ اسلامی کو پارہ پارہ کرنے کے لیے تمام اخلاقی حدود کو پھلانگ جاتی ہیں۔ عالمی سطح پر جن اسلامی ممالک کا مسلم امہ کے نظریات کے تحفظ کو چھوڑ کر طاغوتی اور سامراجی طاقتوں کی طرف جھکاؤ ہے وہ عملی طور پر منافقت کا شکار ہیں۔ انہیں وسیع تر اسلامی تشخص کو اجاگر کرنے کے لیے چاہیے کہ وہ اپنی سیاسی و اخلاقی و نظریاتی راہیں کتاب وسنت کی روشنی میں متعین کریں۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ یہودی لابی آج بھی اسلامیان عالم کے خلاف ہے۔ اس کا پراپیگنڈہ اور زہر افشانی کوئی نئی بات نہیں بلکہ صدیوں پرانی ہے۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی اور مشرکوں کی ناکامی کا یہودیت کو بڑا ملال ہوا اور مدینہ کا یہودی رئیس کعب بن اشرف پراپیگنڈہ کرنے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ وہ مکہ پہنچا وہاں اس نے مرثیہ گوئی کی پھر واپس آیا تو وہی رویہ مدینہ میں بھی روا رکھا بلکہ ملت اسلامیہ کی سیدات و مکرّمات خواتین کے متعلق بدگوئی کی۔ اس کی ہرزہ سرائی سرورِ کائنات کو اس قدر ناگوار گزری کہ آپ ﷺ نے اس کے قتل کے احکامات صادر فرمائے۔ چنانچہ اس بدطینت رئیسِ یہودیت کعب بن اشرف کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ آج بھی اس امر کی ضرورت ہے کہ مسلم امہ مجتمع ہو کر عالمی سطح پر ہرزہ سرائی کرنے والے یہودیوں کی ناطقہ بندی کرے۔

واقعۂ افک

واقعۂ اِفک

اِفک کا معنٰی ہے الٹا دینا جب کہ قرآن مجید میں اس لفظ سے بہتان مراد لیا گیا ہے اور سورۂ نور میں اِفک کے نام سے اس واقعہ کا مختصر اور جامع ذکر کیا گیا ہے جس میں منافقین کے مفتری اور الزام تراش گروہ نے پاک باز، پاک دامن، رفیع المرتبت اور عفیف الحیاۃ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ طاہرہؓ مطہرہ عفیفہ عتیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگایا اور صاف وشفاف واقعہ کو الٹا کر دیا اور اس میں قذف وکذب اور طعن وبہتان کی آمیزش کر کے منزہ ومصفےٰ ماحول کو آلودہ کر دیا۔

حضور سرورِ گرامی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول تھا کہ جب کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو قرعہ اندازی کے ذریعے اپنی ازواجِ مطہرات میں سے کسی ایک کو ساتھ لے جاتے۔ غزوۂ بنو مصطلق میں حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ ﷺ کے ساتھ تھیں اور بوجہ حجاب اب وہ محجوب ومستور تھیں۔ غزوۂ بنو مصطلق (مریسیع) سے واپسی پر رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے مدینہ کے قریب ہی ایک جگہ قیام فرمایا۔ اگلے روز علی الصبح قافلہ نے کوچ کیا تو وہ ہودج جس میں ام المؤمنین قیام فرما تھیں، اٹھا کر اونٹ پہ رکھا اور چل دیے جب کہ ام المؤمنین اس میں موجود نہیں تھیں۔ وہ قافلہ کی روانگی سے قبل قضاء حاجت کے لیے اپنے ہودج سے نکلیں لیکن اس دوران ان کے گلے کا ہار گم ہو گیا۔ وہ ہار کسی کی امانت تھی۔ بڑی تشویش ہوئی، ڈھونڈنے سے ہار مل گیا لیکن جب واپس پہنچیں تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ حضرت عائشہؓ یہ سوچ

کر وہیں لیٹ رہیں کہ جب میری عدم موجودگی کا علم ہوگا تو میری تلاش میں خود بخود واپس آئیں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت صفوانؓ بن معطل سلمی آ گئے۔ ان کی ذمہ داری تھی کہ قافلے کے پیچھے رہیں تا کہ گری پڑی چیز کو سنبھال سکیں۔ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکمِ حجاب سے پہلے دیکھا ہوا تھا، دیکھتے ہی پہچان لیا اور پڑھا: ''اِنَّـا لِلّٰـهِ وَاِنَّـا اِلَیْـهِ رَاجِعُوْنَ '' اور یہ سمجھ گئے کہ قافلہ انہیں غلطی یا لاعلمی سے پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ انہوں نے سواری بٹھائی اور ام المؤمنینؓ خاموشی سے اس پر بیٹھ گئیں۔ صفوانؓ سواری کی نکیل تھام کر آگے آگے چلنے لگے۔ اسی طرح سفر طے کرتے ہوئے دن کی روشنی میں جب قافلے سے ملے تو انہیں دیکھ کر منافقین نے حضرت صفوانؓ کو ام المؤمنینؓ کے ساتھ متّہم کر دیا جبکہ وہ دونوں بالکل ہی اس سے بے خبر تھے۔ کچھ مسلمان بھی اس زہر آلود پراپیگنڈہ کا شکار ہو گئے۔ بالخصوص حضرت حسانؓ بن ثابت، مسطح بن اثاثہؓ اور حمنہ بنت جحشؓ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوئے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے نفاق و حسد کی آگ میں اس جھوٹ میں رنگ بھر کے اچھالنا شروع کر دیا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ حال تھا کہ غزوہ سے واپسی پر بیمار پڑ گئیں۔ مسلسل ایک ماہ بیماری میں مبتلا رہیں۔ انہیں اس تہمت کے بارے میں بالکل ہی خبر نہ تھی۔ البتہ یہ محسوس کرتی تھیں کہ رسول رحیم ﷺ کی طرف سے وہ پہلے جیسا لطف و کرم نہیں ہے۔

ایک رات اُمّ مسطح کے ساتھ قضاء حاجت کے لیے باہر نکلیں تو اُمّ مسطح اپنی ہی چادر میں لپٹ کر پھسل گئیں تو زبان سے پکارا۔ مسطح ہلاک ہو جائے! حضرت عائشہؓ نے انہیں اس بد دعا پر ٹوکا تو انہوں نے کہا کہ مسطح کے جرم نے بارے میں تمہیں خبر نہیں؟ پھر سارا واقعہ سنایا۔ اسی رات انہوں نے واقعہ کی صحت معلوم کرنے کے لیے حضور ﷺ سے اپنے والدین کے گھر جانے کی اجازت چاہی اور اجازت ملنے پر اپنے والدین کے گھر چلی گئیں۔ وہاں انہیں پورے واقعہ کا علم ہوا تو رونے لگیں اور یہ آنسوؤں کی جھڑی مسلسل دو راتیں اور ایک دن لگی

رہی، نہ آنکھوں میں نیند، نہ دل کو سکون اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ کلیجہ شق ہو جائے گا۔اس تشویش ناک صورت حال میں حضور ﷺ تشریف لائے۔مختصر خطبہ کے بعد فرمایا،اے عائشہؓ!تمہارے بارے میں ایسی بات کا پتہ چلا ہے۔اگر تم بے گناہ ہوتو باری تعالیٰ کی طرف سے عنقریب تمہاری براءت نازل ہوگی۔اور اگر خدانخواستہ تم کسی غلطی کی مرتکب ہوئی ہوتو اللہ سے مغفرت وبخشش طلب کرو کیوں کہ وہ توبہ کرنے والے اپنے بندوں کو معاف کر دیتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے یہ الفاظ سن کر حضرت عائشہؓ کے آنسو یک دم رک گئے اور سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا جواب دیں۔اپنے والدین سے کہا کہ خود ہی جواب دے دیں۔اب ایسی صورت حال میں میرا وہی حال ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے والد نے کہا تھا:

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ○ (یوسف ۱۲ : ۱۸)

صبر ہی بہتر ہے اور تم لوگ جو کہتے ہو اس پر اللہ کی مدد مطلوب ہے۔

پھر آپ جا کر لیٹ گئیں اور اسی وقت حضور ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہوگیا۔جب کیفیت وحی ختم ہوئی تو آپ ﷺ کے لبوں پہ تبسم تھا اور اپنی رفیقۂ حیات سے فرمایا: اللہ نے تمہیں بری کر دیا۔ان کی ماں بولیں کہ حضور ﷺ کا شکریہ ادا کرو۔لیکن حضرت عائشہؓ نے کہا، مجھے اس وقت اللہ کی حمد اور شکر ادا کرنا ہے جس نے میری صفائی میں قرآن نازل فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ لَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ

”جو لوگ یہ بہت بڑا بہتان باندھ لائے ہیں یہ بھی تم میں سے ایک گروہ ہے۔تم اسے اپنے لیے برا نہ سمجھو بلکہ یہ تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔ہاں،ان میں سے ہر ایک شخص پر اتنا گناہ ہے جتنا اس نے کمایا ہے اور ان میں سے جس نے اس کے بہت بڑے حصے کو

بِـاَنْفُسِهِـمْ خَيْـرًاوَّ قَـالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ
مُّبِيْنٌ o لَـوْلَا جَـآءُ وْعَلَيْـهِ بِـاَرْبَعَةِ
شُهَدَآءَ ج فَـاِذْلَمْ يَـاْ تُـوْا بِـالشُّهَدَآءِ
فَـاُولٰٓئِكَ عِنْدَاللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ o وَلَوْ
لَا فَضْـلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ فِي
الدُّنْيَاوَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ
فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ o اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ
وَتَقُوْلُوْنَ بِـاَفْوَاهِكُمْ مَّالَيْسَ لَكُمْ بِهٖ
عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَعِنْدَاللّٰهِ
عَظِيْمٌ o وَلَوْلَآاِذْسَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ
مَّايَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ
هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ o يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ
تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ
o وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ط وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ o اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ
تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ط وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ o وَلَوْ لَا فَضْلُ
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ
رَّحِيْمٌ o (النور ۲۴: ۱۱ تا ۲۰)

سرانجام دیا ہے اس کے لیے عذاب بھی بہت ہی بڑا ہے۔ اسے سنتے ہی مومن مردوں عورتوں نے اپنے حق میں نیک گمانی کیوں نہ کی اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو کھلم کھلا صریح بہتان ہے۔ وہ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟ اور جب گواہ نہیں لائے تو یہ بہتان باز لوگ یقیناً اللہ کے نزدیک محض جھوٹے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم تم پر دنیا اور آخرت میں نہ ہوتا تو یقیناً تم نے جس بات کے چرچے شروع کر رکھے تھے اس بارے میں تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا۔ جب کہ تم اسے اپنی زبانوں سے نقل در نقل کرنے لگے اور اپنے منہ سے وہ بات نکالنے لگے جس کی تمہیں مطلق خبر نہ تھی۔ گو تم اسے ہلکی بات سمجھتے رہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بہت بڑی بات تھی۔ تم نے ایسی بات کو سنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات منہ سے نکالنی بھی لائق نہیں۔ یا اللہ! تو پاک ہے، یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی بھی ایسا کام نہ کرنا اگر تم سچے مومن ہو۔

اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے اپنی آیتیں بیان فرما
رہا ہے اور اللہ تعالیٰ علم وحکمت والا ہے۔ جو
لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے
آرزومند رہتے ہیں ان کے لیے دنیا اور
آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اللہ سب
کچھ جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے۔ اگر تم
پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور
یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ بڑی شفقت رکھنے والا
مہربان ہے''۔

ان آیات کریمہ کے ضمن میں مفسرین وشارحین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عفیفہ بندی عائشہ صدیقہؓ کی پاک بازی و پاک دامنی بیان کرتے ہوئے چار باتوں کا تذکرہ کیا ہے:

ایک تو یہ کہ اہل ایمان آپس میں یک جان ہیں، انہوں نے ام المومنین پر الزام تراشی سن کر اپنے اوپر قیاس کرتے ہوئے فوراً ہی تردید کیوں نہ کردی۔

دوسری یہ کہ کسی کا جرم ثابت کرنے کے لیے چار گواہ پیش کرنے ضروری ہیں جب کہ بہتان تراشوں نے تو ایک گواہ بھی پیش نہ کیا، ان کی بات کیسے سچی ہو سکتی ہے۔

تیسری یہ کہ الزام لگانا جرم ہے اور بلا تحقیق اس کا پراپیگنڈہ کرنا اور جھوٹی خبر کی نشر واشاعت کرنا بھی جرم ہے۔ اور ایسا کرنے والا عذاب عظیم کا مستحق ہوتا ہے۔ یہ تو اللہ کا فضل وکرم ہوا کہ اس نے تمہیں بچا لیا۔

چوتھی بات یہ بیان فرمائی کہ کسی عام مسلمان پر قذف وکذب بیانی اور طعن و بہتان

تراشی کی سزا ۸۰ کوڑے ہے اور اس الزام کا تعلق تو براہ راست حضور سرورانبیاء ﷺ کے حرم پاک اور آپ کی حیات طیبہ سے تھا۔ تم نے آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ پر لگنے والے بے بنیاد الزام کے متعلق تحقیق کیے بغیر ہی آگے بیان کرنا شروع کر دیا۔ تم نے ایسی بات سنتے ہی کیوں نہیں کہہ دیا کہ یہ تو بہتان عظیم ہے۔

اس الزام تراشی کے جرم میں مسطح بن اثاثہ، حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم کو اسی اسی کوڑے سزا دی گئی۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اس سزا سے بچ گیا اگر چہ اس واقعے میں اس کا کردار اہم تھا۔ سزا سے بچنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ جس شخص کو ارتکاب جرم کی سزا دنیا میں مل جائے وہ اس کے لیے اخروی عذاب کی تخفیف اور گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے جبکہ عبداللہ بن ابی کے لیے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں عذاب عظیم کا اعلان کر دیا۔

(زادالمعاد: ۲/۱۱۴)

اُم المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ذات گرامی کتنی رفیع المرتبت اور صاحب شرف کمال ہے کہ پروردگار عالم نے ان کے پاکیزہ کردار کی گواہی دینے کے لیے قرآن نازل فرمایا۔ (ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ)

☆......☆......☆

معجزات

معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن مجید میں انبیاء ورسل علیہم السلام کے معجزات کا ذکر ہوا ہے لیکن یہاں صرف معجزاتِ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ مقصود ہے۔ معجزہ و اعجاز کے لیے لفظ ''آیت'' استعمال ہوا ہے جس کا معنی نشانی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیاں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں اُن میں سب سے بڑی نشانی اور معجزہ قرآن مجید ہے۔

اعجاز قرآن

پروردگار عالم کی طرف سے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والا ذکرِ عالم یعنی قرآن مجید بہت بڑا اعجاز ہے جس کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ط (العنکبوت۲۹:۵۱)	کیا ان لوگوں کے لیے یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب اتاری جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔

قرآن مجید کائنات کی اقوام وملل بلکہ جن وانس کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج ہے، بالخصوص ان لوگوں کے لیے جو رحمتِ عالم پر افتراء پردازی کرتے ہیں کہ قرآن کلام الٰہی نہیں بلکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا بنایا ہوا ہے۔ ان لوگوں کو چیلنج کیا گیا کہ تم کائنات کے تمام جنوں اور انسانوں کو اکٹھا کرلو اور سب مل کر اس قرآن جیسا کوئی دوسرا قرآن بنا کرلے آؤ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل ۱۷: ۸۸)	کہو! کہ اگر سارے جنات اور انسان مل کر بھی چاہیں کہ اس جیسا قرآن لے آئیں تو اس جیسا نہ لا سکیں گے خواہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہو جائیں۔

پورا قرآن تو تیس پاروں اور ایک سو چودہ سورتوں پر مشتمل ہے مفتری لوگ اس کی مثل پیش نہ کر سکے تو انہیں چیلنج کیا گیا کہ تم اس قرآن کی دس سورتوں جیسی سورتیں ہی بنا کر لے آؤ۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (ھود ۱۱: ۱۳)	کیا یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو اسی نے گھڑا ہے؟ جواب دیجئے کہ پھر تم بھی اسی کے مثل دس سورتیں گھڑی ہوئی لے آؤ اور اللہ کے سوا جسے چاہو اپنے ساتھ بلا لو اگر تم سچے ہو۔

منکرین اسلام اور دشمنان رسول قرآن مجید کے اس چیلنج کا جواب بھی نہ دے سکے تو پھر ایک سورۃ کا چیلنج کیا گیا۔ جیسا کہ بیان ہوا ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (البقرۃ ۲: ۲۳)	ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اتارا ہے اس میں اگر تمہیں شک ہو اور تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ۔ تمہیں اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ آپؐ نے اس کو گھڑ لیا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ پھر تم اس

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ — کے مثل ایک ہی سورت بنا لاؤ اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو بلانا چاہو بلا لو۔ (یونس ۱۰:۳۸)

قرآن نے چیلنج کیا کہ اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ قرآن حضرت محمد ﷺ کا گھڑا ہوا یا بنایا ہوا ہے تو سن لو کہ آپ بھی تمہارے عرب کے ایک قبیلہ کے ایک فرد ہیں اور تم بھی عرب ہو، اہل زبان ہو، اور فصیح و بلیغ ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہو تو کیوں نہیں اس قرآن کی کسی ایک سورۃ جیسی کوئی سورۃ بنا کر لے آتے؟ اس کا اگلا چیلنج یہ ہے کہ مکمل سورۃ نہ سہی تو کوئی ایک بات ہی اس کی مثل لے آؤ۔ ارشاد ہوتا ہے:

فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ○ (الطّور ۵۲ : ۳۴) — اچھا اگر یہ سچے ہیں تو بھلا اس جیسی ایک ہی بات یہ بھی تو لے آئیں۔

پورے قرآن کا چیلنج پھر دس سورتوں کا چیلنج پھر ایک سورۃ اور پھر اس کے بعد ایک بات کا چیلنج جو چودہ صدیوں سے مسلسل چلا آ رہا ہے۔ فصحاء و ادباءِ عرب و عجم کے لیے کھلے بندوں چیلنج سے قرآن کا اعجاز اور بھی اہمیت کا حامل بن جاتا ہے۔ خصوصاً جب رسول اکرم ﷺ کے اوصاف حمیدہ کا یہ پہلو سامنے آتا ہے کہ آپ کسی دانش کدہ علم و فن سے فارغ التحصیل نہیں تھے بلکہ آپ نبی امی ﷺ تھے جس کی شہادت قرآن مجید نے اس انداز میں دی ہے:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ (الاعراف ۷ : ۱۵۸) — ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے فرستادہ نبی امیؐ پر۔

دوسری جگہ فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (الجمعة ۶۲ : ۲) — وہ اللہ ہی ہے جس نے امیوں کے درمیان انہی میں سے رسولؐ بھیجا۔

نبی امی ہو کر آپ ﷺ اقوام عالم کو آیات قرآنی سناتے ہیں اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ یہ بہت بڑا اعجاز ہے کیونکہ بطور نبی امی ﷺ کتاب وحکمت کی تعلیم دینا کذب وافتراء سے معصوم ومبرا ہونے کی دلیل ہے۔ آپ ﷺ سے قبل معاشرے میں شاعر وکاہن موجود تھے، ان کے قول وکلام کی بنیاد ہی کذب وافتراء اور طعن واستہزاء پر تھی۔ قرآن مجید نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ یہ کلام ربانی ہے، کسی شاعر اور کاہن کا کلام نہیں۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ٥ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ٥ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعٰلَمِينَ ٥

(الحاقۃ ۶۹: ۴۱، ۴۲، ۴۳)

یہ کسی شاعر کا قول نہیں (افسوس) تمہیں بہت کم یقین ہے اور نہ ہی کسی کاہن کا قول ہے (افسوس) تم بہت کم نصیحت لے رہے ہو (یہ تو) رب العٰلمین کا نازل کردہ ہے۔

یہ اعجاز قرآنی ہے کہ قرآن کسی شاعر یا کاہن کا کلام نہیں بلکہ پروردگار عالم کا نازل کردہ ہے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی اور ذات یا جماعت ایسی کتاب بنا سکے۔ یہ چیلنج بھی قرآن کے اوراق میں محفوظ وموجود ہے:

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَارَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥

(یونس ۱۰: ۳۷)

اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ اللہ (کی وحی) کے بغیر گھڑ لیا گیا ہو بلکہ یہ اپنے سے پہلی کتب کی تصدیق کرنے والا ہے اور کتاب کی تفصیل بیان کرنے والا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

یہ کتنا بڑا اعجاز ہے کہ قرآن اللہ نے نازل کیا اور پھر ایسے پیغمبر پر جو نبی امیؐ ہے اور قرآن ایسا لاجواب کہ اس کی مثال وتمثیل پوری دنیا میں نہیں۔

اعجاز قرآنی کے سلسلہ میں علامہ ابن کثیرؒ نے امام شافعیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر غور وتدبر سے سمجھ لیا جائے تو "سُوْرَةُ الْعَصْر" ہی کافی ہے۔حضرت عمرو بن عاصؓ اس وفد میں شامل تھے جو مسیلمہ کذاب کے پاس گیا تھا۔ (اس وقت عمرو مسلمان نہیں ہوئے تھے) مسیلمہ نے پوچھا کہ تم مکہ سے آرہے ہو بتاؤ کہ آج کل کوئی تازہ وحی نازل ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا کہ ابھی ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے جو بے حد فصیح وبلیغ اور جامع ومانع ہے۔اور پھر سورة العصر پڑھ کر سنائی تو کچھ دیر سوچ کر مسیلمہ کذاب نے کہا کہ مجھ پر بھی سورت نازل ہوئی ہے۔انہوں نے کہا، تو سناؤ! چنانچہ اس نے سنائی:

يَاوَبْرُ يَاوَبْرُ اِنَّمَا اَنْتَ اُذُنَانِ وَصَدْر وَسَائِرُكَ حَقرفَقَر

(یعنی اے جنگلی چوہے! اے جنگلی چوہے! تیرا وجود سوائے دو کانوں اور سینے کے اور کچھ بھی نہیں باقی تو سراسر بالکل ناچیز ہے)۔

پھر فخریہ کہنے لگا، کہو! عمرو کیسی ہے؟ انہوں نے کہا مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ تمہیں خود بھی معلوم ہے کہ کہاں یہ سراسر کذب وبہتان اور کہاں وہ حکمتوں سے بھرپور کلام۔(ابن کثیر : ۱/۱۰۰)

۲۔شقِّ قمر

قرآن کریم میں آپ ﷺ کے جن معجزات کا بیان ہوا ہے اُن میں ایک واقعہ شقِّ قمر کا بھی ہے۔لوگوں کے مطالبے پر آپ ﷺ نے اشارہ کیا تو چاند دو ٹکڑے ہوگیا۔ایک ٹکڑا پہاڑ کے اِس پار اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کے اُس پار گرا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ (القمر ۵۴ : ۱،۲)	قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا یہ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ پہلے سے چلا آتا ہوا جادو ہے

مفسرین وشارحین نے لکھا ہے اور صحیح سند کے ساتھ احادیث متواترہ سے بھی ثابت

ہے کہ اہل مکہ کے مطالبے پر یہ معجزہ دکھایا گیا۔ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا حرا پہاڑ کے اس طرف اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کی دوسری طرف گرا جسے لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی بجائے کہنے لگے کہ یہ جادوگر ہیں۔

شرح صدر

معجزات نبویؐ میں سے ایک شرح صدر اور شق صدر کا بھی بڑا واقعہ ہے جس کے بارے میں سورہ الم نشرح میں ارشاد ہوتا ہے:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ — کیا ہم نے آپؐ کے لیے سینہ نہیں کھول دیا۔

(الانشراح ۹۴ : ۱)

اس کی تفصیل پچھلے اوراق میں خصوصیات وامتیازات کے عنوان میں گزر چکی ہے۔

۴۔ معجزۂ معراج

معجزات میں سے اہم ترین واقعہ معراج واسراء کا ہے جس کے بارے میں فرمایا:

سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا — پاک ہے وہ ذات جو رات ہی رات میں لے گئی اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصےٰ تک جس کے اردگرد ہم نے برکت دے رکھی ہے تاکہ ہم اپنے اس بندہ کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔

(بنی اسرائیل ۱۷ : ۱)

اس اعجاز کے بارے میں واقعہ معراج کے عنوان سے علیحدہ بیان کیا گیا ہے۔

نزولِ ملائکہ

ویسے تو دس سالہ مدنی زندگی میں چھوٹی بڑی بیاسی جنگیں ہوئیں۔ لیکن کچھ غزوات ومحاربات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرتِ خاص کرتے ہوئے آسمان سے ملائکہ

کا نزول فرمایا:

غزوۂ بدر میں فرشتوں کا نزول

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ (الانفال ۸ :۹)	جب تم اپنے رب سے مدد طلب کر رہے تھے اللہ نے تمہاری فریاد سنتے ہوئے کہا کہ میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا

غزوۂ اُحد میں فرشتوں کا نزول

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ٥ (آل عمران ۳: ۱۲۴)	جب آپ مومنوں کو تسلی دے رہے تھے کہ کیا آسمان سے تین ہزار فرشتے اتار کر اللہ تعالیٰ کا تمہاری مدد کرنا تمہیں کافی نہ ہوگا؟

غزوۂ حنین میں فرشتوں کا نزول

وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا (التوبة ۹ :۲۶)	اور اس نے فرشتوں کے لشکر اتارے جنہیں تم دیکھ نہیں رہے تھے۔

ان غزوات کے علاوہ احزاب میں بھی ملائکہ کا نزول فرمایا:

اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا (الاحزاب ۳۳ : ۹)	جب دشمن کی فوجیں تم پر آ پڑیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر تیز ہوا بھیجی اور فوجیں جنہیں تم لوگ نہ دیکھ سکے۔

سکینت کا نزول

حضور سرورِ گرامی ﷺ کے معجزات میں سے قرآن مجید میں ایک بات یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ جب آپ ﷺ چھوٹی سی مومنوں کی جماعت لے کر کافروں کی بڑی فوج کے

مقابلہ کو نکلتے تو بعض اوقات یہ خیال کچھ ساتھیوں کے دلوں میں پیدا ہوتا کہ دشمن کی اتنی بڑی فوج اور مقابلے میں ہم قلیل تعداد میں ہیں یا حالات کی بنا پر کوئی اضطراب یا بے چینی پیدا ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ اور مومن بندوں کے لیے میدان کارزار اور حالات جنگ میں سکون وقرار نازل فرماتے۔ ارشاد ہوتا ہے:

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (التوبة ۹: ۲٦)

اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین اتاری اپنے رسول پر اور مومنوں پر۔

مختلف غزوات ومحاربات میں مومنوں کی نصرت وحمایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتے نازل فرمائے اور ان کی دلی تقویت وتسکین کے لیے سکینت نازل فرمائی۔ بعض مواقع پر بارش نازل فرمائی جس سے اسلامی عساکر نے فائدہ اٹھایا اور بعض مواقع پر تیز ہوا اور آندھی چلی جس سے دشمن فوجوں کا نقصان ہوا۔ ان معجزات کا تعلق صرف جنگی حالات تک ہی محدود نہ تھا بلکہ چند دیگر مواقع پر بھی عنایات ہوئیں۔ خصوصاً جب آپ ﷺ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حبیب ﷺ کی حفاظت فرمائی اور دشمنوں کے ہر قسم کے مکر وفریب سے محفوظ ومامون رکھا۔

☆......☆......☆

ازدواجی زندگی

ازدواجی زندگی

حضور سرورِ دو عالم علیہ التحیۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ کا ہر پہلو اور گوشہ ہر لحاظ سے انسانی زندگی کے لیے کامل واکمل نمونہ فراہم کرتا ہے۔ اگر کوئی سعادت مند آپ ﷺ کی ازدواجی زندگی کا مطالعہ کرے تو اسے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی پوری ازدواجی زندگی میں کسی زوجہ مکرمہ کے معاملے میں ناانصافی نہیں فرمائی بلکہ ہمیشہ عدل واحسان کا وصف نمایاں رہا۔ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل عورت معاشرتی استحصال کا شکار تھی اور اکثر وبیشتر اس کو جبر واستبداد اور جور وستم کا نشانہ بنایا جاتا تھا لیکن آپ ﷺ کی بعثت کے بعد کتاب وسنت کی تعلیمات نے عورت کو معاشرے کا معزز فرد بنا دیا۔ اگر عورت ماں ہو تو جنت اس کے قدموں کے نیچے رکھ دی، اگر بہن ہو تو تعظیم وتکریم کا پیکر بنا دیا۔ اگر بیٹی ہو تو گھر کے لیے سراپا رحمت وبرکت بن گئی اور اگر بیوی ہو تو لباس زینت، تسکین زوج اور دنیا کا بہترین خزانہ قرار پائی۔

قرآنی تعلیمات نے ازدواجی زندگی میں عورت کو عزت واحترام کا مقام دیتے ہوئے انسان کی زینت قرار دیا ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط — وہ (تمہاری بیویاں) تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔ (البقرۃ ۲ : ۱۸۷)

یہاں مرد وزن کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے اور لباس ہمیشہ انسان اپنی زینت وزیبائش کے لیے ہی پہنتا ہے۔ ایک مقام پر عورت کو مرد کے لیے حصولِ تسکین کا باعث اور محبت

ومودت کا پیکر قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَo (الروم ۳۰ : ۲۱)	اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان سے آرام پاؤ۔ اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کر دی۔ یقیناً غور وفکر کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

عورت مرد کے لیے لباس زینت ہی نہیں اور صرف باعث تسکین اور پیکرِ محبت ومودت ہی نہیں بلکہ قرآن کے مطابق عورت انسانی نسل کی آبیاری کی امین وذمہ دار بھی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے بیوی کو شوہر کے لیے ایک زرخیز اور ثمر آور کھیتی قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ ص فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ ز وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ ط وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ مُّلٰقُوْہُ ط وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَo (البقرۃ ۲ : ۲۲۳)	تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو آؤ اور اپنے لیے (نیک اعمال) آگے بھیجو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تم اس سے ملنے والے ہو اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجیے۔

عورت بطور حرث (کھیتی) بھی قابل عزت وتکریم ہے کہ یہ ثمر آور ہوتی ہے تو اس سے انسان کی نسل آگے بڑھتی ہے اور پھر شعوب وقبائل معرضِ وجود میں آتے ہیں۔ قرآن نے عورت کی تکریم بیان کرتے ہوئے مرد پر غضِ بصر کی پابندی لگائی ہے اور ادھر اُدھر تاک

جھانک کو اخلاق کے منافی قرار دیا ہے اور یہ پابندی دونوں پر ہے عورت پر بھی اور مرد پر بھی۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے عورتوں کے لیے:

وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَاظَهَرَ مِنْهَا (النُّوْر ۲۴ : ۳۱)	اور آپؐ مومنات سے فرما دیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے۔

اور مردوں کے بارے میں فرمایا:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ○ (النور ۲۴ : ۳۰)	اور آپؐ مومنین سے کہہ دیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہی ان کے لیے پاکیزگی ہے۔ لوگ جو کچھ کریں اللہ تعالیٰ اس سے خبردار ہے۔

معاشرتی میل جول میں جب کبھی مرد وزن کا آمنا سامنا ہو تو نگاہیں نیچی ہونی چاہئیں۔ اگر ایک دوسرے کے گھروں میں آنا جانا ہو تو اجازت لے کر جائیں اور مرد وزن دونوں ہی غضِ بصر کا خیال رکھیں بلکہ جہاں کہیں بھی آمنا سامنا ہو نگاہوں کو نیچا رکھا جائے۔ یہ پاکیزہ عمل ہے اللہ تعالیٰ تو انسانوں کے اعمال کے ساتھ دل و نگاہ کی خیانت سے بھی باخبر ہے۔

اور ایسی عورت جو احکام اسلامی کی پابندی کرتی ہے اور عزت و عصمت اور اپنے خاوند کی آبرو کی حفاظت کرتی ہے، اُس عورت کو رسول امینؐ نے خزانہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

كَنْزُ الدُّنْيَا اَلْمَرْءَةُ الصَّالِحَةُ	نیک عورت دنیا کا خزانہ ہے۔

مذکورہ بالا چند حوالے تو تمام مومنات ومحصنات کے بارے میں ہیں

لیکن وہ پاک دامن خواتین جو امام الانبیاء کے حرم پاک میں آنے کے بعد ازواج مطہرات رسولِ امینؐ اور امہات المومنین کہلائیں، ان کے مقام و مرتبہ کی تو کیا ہی بات ہے۔ ان کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًاO (الاحزاب ۳۳ : ۳۲)	اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم پرہیزگاری اختیار کرو تو نرم لہجے سے بات نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی برا خیال کرے اور ہاں قاعدے کے مطابق کلام کرو۔

جب کوئی پاک دامن خاتون رسولِ پاک ﷺ کے حرم پاک میں آ جاتی ہے تو وہ تمام دنیا کی عورتوں سے اعلیٰ و بالا ہو جاتی ہے۔ اور اس کی عفت و عصمت کا مقام یہ بن جاتا ہے کہ زمین و آسمان کا خالق و مالک خود گواہی دیتا ہے کہ جب کوئی شوریدہ ذہن اور دریدہ دہن شخص ازواج مطہرات کے بارے میں کوئی غیر اخلاقی بات کرے تو سوچے بغیر ہی کہہ دو کہ یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔ جیسا کہ قرآن میں وارد ہوتا ہے:

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا یَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌO (النور ۲۴ : ۱۶)	تم نے ایسی بات سنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ ایسی بات کہنا ہمیں زیب نہیں دیتا۔ یا اللہ! تو پاک ہے۔ یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔

منافقین نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بے بنیاد الزام لگایا تو ان کی پاک دامنی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب رسول پاک ﷺ کی زوجۂ مطہرہ کے متعلق کوئی کذب و افتراء تم نے سنا تو اسی وقت ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ بہتان عظیم ہے۔ اور پھر یہ بھی فرمایا کہ نبی ﷺ کی ازواج مطہرات اُمت کی مائیں ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَ اَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ (الاحزاب ۳۳: ۶)

نبی مومنوں کی جانوں کا ان سے زیادہ حق دار ہے اور اُس کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں۔

امت میں سے کسی فرد کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ پیغمبر کی کسی بیوی سے نکاح کر سکے۔ اس کی وضاحت قرآن میں اس طرح کی گئی ہے:

وَمَا کَانَ لَکُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَلَآ اَنْ تَنْکِحُوْٓا اَزْوَاجَہٗ مِنْ بَعْدِہٖٓ اَبَدًا ط اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ عِنْدَاللّٰہِ عَظِیْمًا o (الاحزاب ۳۳ : ۵۳)

تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم رسول اللہ کو تکلیف دو اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ اُن کے بعد کسی وقت بھی اُن کی بیویوں سے نکاح کرو۔ اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے حرم پاک میں آنے والی کسی بھی خاتون سے کسی وقت بھی امت کا کوئی فرد نکاح نہیں کر سکتا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بھی پابند کیا ہے کہ جب کوئی خاتون آپ ﷺ کے نکاح میں آجائے تو آپ ان کو اپنی زندگی میں چھوڑ بھی نہیں سکتے۔ جیسا کہ ارشاد گرامی ہے:

لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِھِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَکَ حُسْنُھُنَّ اِلَّا مَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ ط وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا o (الاحزاب ۳۳ : ۵۲)

اس کے بعد اور عورتیں آپ کے لیے حلال نہیں اور نہ ہی یہ کہ ان کے بدلے اور عورتوں سے (نکاح کریں) اگر چہ ان کی صورت اچھی بھی لگتی ہو مگر جو آپ کی مملوکہ ہوں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان ہے۔

آپ ﷺ کی ازواج مطہرات جو عُسر و یُسر میں آپ کے ساتھ رہیں، اُن کو یہ انعام دیا گیا کہ نہ تو ان کو چھوڑنے کی اجازت دی گئی اور نہ ہی ان میں سے کسی کی جگہ کسی اور

عورت سے نکاح کرنے کی اجازت دی گئی۔ حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ جب یہ ممانعت نازل ہوئی اس وقت آپ ﷺ کی ازواج کی تعداد 9 تھی اور بعض کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ بعد میں آپ ﷺ کو اجازت مل گئی تھی لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ پھر آپ ﷺ نے کوئی عقد نہیں فرمایا۔ بعض کج فہموں نے حضور سرور گرامی ﷺ پر کثرتِ ازواج کے بارے میں اعتراض کیا ہے۔ لیکن اگر انہوں نے فہم وادراک رکھتے ہوئے قرآن وحدیث کا مطالعہ کیا ہوتا تو شاید اس کی نوبت ہی نہ آتی۔

رسول اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی بعض مسائل میں ممتاز تھی۔ جیسا کہ عام مومنوں کی بجائے آپ ﷺ پر تہجد کی نماز فرض تھی۔ صدقہ کا مال کھانا آپ ﷺ پر حرام تھا۔ مزید قرآن نے آپ ﷺ کی جو ممتاز حیثیات بیان کی ہیں، اُن میں تعددِ ازواج بھی ہے۔ اور یہ بات صرف آپ ﷺ کی ذات گرامی سے متعلق ہے کہ آپ جتنی عورتوں کو چاہیں ان کے حق مہر ادا کر کے انہیں اپنے نکاح میں لے سکتے ہیں، بلکہ ان عورتوں کو جو کامل رضا اور رغبت کے ساتھ اپنے آپ کو نبی کے لیے ہبہ کر دیں، اُن سے حق مہر ادا کیے بغیر بھی نکاح کیا جا سکتا ہے۔

یہ بھی صرف رسول پاک ﷺ کا خاصہ تھا۔ قرآن مجید نے اس کی وضاحت کی ہے:

يَـاَيُّهَـا الـنَّبِـيُّ اِنَّـآ اَحْـلَـلْـنَـا لَـكَ اَزْوَاجَـكَ الّٰتِيٓ اٰتَيْـتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَـلَـكَـتْ يَمِيْـنُـكَ مِـمَّـآ اَفَـآءَ اللّٰهُ عَـلَيْـكَ وَبَـنٰـتِ عَـمِّـكَ وَبَـنٰـتِ عَـمّٰتِكَ وَبَـنٰـتِ خَـالِـكَ وَبَـنٰـتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ز وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ	اے نبی! ہم نے تیرے لیے وہ بیویاں حلال کر دی ہیں جنہیں تو ان کے مہر دے چکا ہے۔ اور وہ لونڈیاں بھی جو اللہ تعالیٰ نے غنیمت میں تجھے دی ہیں اور تیرے چچا کی لڑکیاں اور پھوپھی کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں اور تیری خالاؤں کی بیٹیاں بھی جنہوں نے تیرے ساتھ ہجرت کی ہے

النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ق خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ط قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا○

(الاحزاب ۳۳ : ۵۰)

اور وہ اہل ایمان عورت جو اپنا نفس نبی کو ہبہ کر دے یہ اس صورت میں کہ خود نبی بھی ان سے نکاح کرنا چاہے یہ خاص طور پر صرف تیرے لیے ہی ہے اور مومنوں کے لیے نہیں۔ ہم اسے بخوبی جانتے ہیں جو ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں (احکام) مقرر کر رکھے ہیں۔ یہ اس لیے کہ تجھ پر حرج واقع نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بڑے رحم والا ہے۔

تعدد ازواج کی اجازت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص تھی اور ہبہ کی صورت میں حق مہر کے بغیر نکاح کی صورت حال بھی صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے متعلق تھی۔ اُمت کے تمام افراد کے لیے حق مہر کی شرط ضروری طور پر رکھی گئی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواج کے ساتھ یکساں سلوک فرماتے۔ جب کبھی جنگ کے لیے تشریف لے جاتے تو قرعہ اندازی ہوتی۔ جس زوجہ محترمہ کا نام نکل آتا وہ ساتھ جاتیں اور گھر میں قیام کے دوران باری مقرر کر رکھی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ عدل فرماتے۔ مرض الموت میں آپؐ نے بیماری کے ایام سیدہ عائشہؓ کے پاس گزارے لیکن باقی تمام ازواج مطہرات سے اجازت لے رکھی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ازواج مطہرات سے حسنِ سلوک فرمایا اور ہمیشہ خوش اخلاقی سے پیش آئے اور اپنی اُمت کو بھی اچھا سلوک کرنے کی تاکید فرمائی۔ بیویوں سے حسن سلوک کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل کے لیے بہتر ہے اور میں اپنے اہل کے لیے

بہتر ہوں"۔ آپ ﷺ کی کل گیارہ ازواج مطہرات تھیں جن کا مختصر تعارف ضبط تحریر میں لایا جاتا ہے۔

اُمّ المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

سیدہ خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قصی رسول اکرم ﷺ کی پہلی زوجہ مطہرہ ہیں۔ ان کا تعلق ایک معزز خاندان سے تھا۔ جن کا پیشہ تجارت تھا اور عرب میں انہیں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ان کا پہلا نکاح عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوا جس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اس کی وفات کے بعد دوسرا نکاح ابوہالہ ہند بن تیاش تمیمی سے ہوا جس سے سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ کے تین بیٹے تھے جو بعد میں دائرہ اسلام میں داخل ہو کر رسول امین ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔

سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ چالیس سال کی عمر میں حضور ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ اُس وقت آپ ﷺ کی عمر عزیز پچیس برس تھی۔ ان کی زندگی میں کوئی خاتون آپ ﷺ کی زوجیت میں نہیں آئی۔ انہیں سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔ ان کی پاک بازی اور پاک دامنی اس قدر مسلم تھی کہ آپ ﷺ کی زوجیت میں آنے سے پہلے بھی انہیں طاہرہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا جبکہ جود وسخا ان کا اضافی وصف تھا۔ حضور ﷺ کے تمام بیٹے اور بیٹیاں انہی کے پاک بطن سے پیدا ہوئیں۔ صرف ایک بچے کی ولادت آپ ﷺ کی لونڈی ماریہ قبطیہؓ کے ہاں ہوئی۔ آپ ﷺ کے تین بیٹے قاسم، عبداللہ اور ابراہیم ہیں جب کہ بنات کریمہ کے نام سیدہ زینبؓ، سیدہ رقیہؓ، سیدہ ام کلثومؓ، اور سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ ہیں۔

سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بارے میں امام بخاری نے نقل کیا ہے:

اَتٰی جِبْرِیْلُ النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھٰذِہٖ خَدِیْجَۃُ قَدْ اَتَتْ مَعَھَا اِنَاءٌ فِیْہِ اِدَامٌ اَوْطَعَامٌ اَوْشَرَابٌ فَاِذَا ھِیَ اَتَتْکَ فَاقْرَأْ عَلَیْھَا السَّلَامَ مِنْ رَّبِّھَا وَمِنِّیْ وَبَشِّرْھَا بِبَیْتٍ فِی الْجَنَّۃِ مِنْ قَصَبٍ لَّا صَخَبَ فِیْہِ وَلَا نَصَبَ۔

(بخاری: باب تزویج النبی خدیجۃ وفضلھا)

جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتے ہیں کہ ابھی خدیجہ آپ کے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز لے کر حاضر ہوتی ہیں، جب آ جائیں تو ان پر رب تعالیٰ اور میری طرف سے سلام کہنا اور انہیں جنت کے محل کی بشارت دینا جو خاص مروارید سے بنایا گیا ہے جس میں کوئی رنج والم نہیں۔

رسول پاک ﷺ ام المومنین سیدہ خدیجہؓ سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ ان کی زندگی میں آپ ﷺ نے کسی دوسری خاتون سے نکاح نہیں کیا۔ ان کی وفات کے بعد آپ ﷺ انہیں ان الفاظ سے یاد کیا کرتے تھے:

اٰمَنَتْ بِیْ حِیْنَ کَفَرَبِیَ النَّاسُ وَصَدَّقَتْنِیْ حِیْنَ کَذَّبَنِیَ النَّاسُ وَاَشْرَکَتْنِیْ فِیْ مَالِھَا حِیْنَ حَرَمَنِیَ النَّاسُ وَرَزَقَنِیَ اللّٰہُ وُلْدَھَا وَحَرَمَ وُلْدَغَیْرِھَا۔

(رحمۃ للعلمین: ۱۴۴/۲)

وہ مجھ پر اُس وقت ایمان لائیں جب لوگوں نے میرا انکار کیا، اُس وقت میری تصدیق کی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا۔ اُس وقت اپنے مال میں مجھے شریک کیا جب لوگوں نے مجھے مال سے محروم رکھا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے بطن سے اولاد دی جب کہ کسی دوسری بیوی سے نہیں ہوئی۔

جب نبوت کا آغاز ہوتا ہے اور پہلی وحی کے نزول کے بعد آپ ﷺ گھبرائے ہوئے گھر آتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مجھے کمبل اوڑھا دو! مجھے کمبل اوڑھا دو! اس وقت سیدہ خدیجہ طاہرہؓ ہی تو حضور ﷺ کی اس طرح غم خواری کرتی اور ہمت بندھاتی ہیں:

كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وتَقْرِى الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ.

(صحيح بخاری :باب بدء الوحی)

نہیں ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی بے یارومددگار نہیں چھوڑے گا کیوں کہ آپ ﷺ تو قرابت داروں سے اچھا سلوک کرتے ہیں۔ درماندوں کی دستگیری کرتے تہی دستوں کی امداد کرتے، مہمانوں کی ضیافت کرتے اور مصیبت زدگان کی معاونت کرتے ہیں۔

انہی اوصاف حمیدہ کی بنیاد پر دیکھا جائے تو ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کی خدمات جلیلہ کا دائرہ بہت وسیع ہے جنہیں احاطۂ تحریر میں لانے کے لیے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔

ام المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا

حضرت سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی کا تعلق ایک معزز خاندان سے تھا۔ ان کے پہلے خاوند کا نام سکران بن عمرو بن عبدود تھا۔ پہلے وہ خود مشرف بہ اسلام ہوئیں جب کہ انہی کی ترغیب سے ان کے خاوند بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ دونوں ہجرت حبشہ میں شریک تھے۔ حضرت سکرانؓ قیامِ حبشہ ہی میں انتقال کر گئے۔

سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ پچیس سال رسول اکرم ﷺ کی رفاقت میں رہنے کے بعد نبوت کے دسویں سال میں انتقال کر گئیں تو بعد میں آپ ﷺ نے سیدہ سودہ بنت زمعہؓ سے نکاح کیا جس کا مقصد ان کے مصائب و تکالیف میں کمی کرنا تھا۔ حضرت سودہؓ نے ام المؤمنین کے منصب پر فائز ہونے کے چند برس بعد ہی اپنی باری سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دے

دی تھی۔ وہ محاسن و مکارم میں اعلیٰ مقام رکھتی تھیں۔ انہوں نے حضرت فاروق اعظمؓ کی خلافت کے آخری ایام میں وفات پائی۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

سیدہ عائشہ بنت ابوبکر بن ابوقحافہ ازواج مطہرات میں ایک منفرد مقام رکھتی ہیں۔ وہ سن بلوغت کے ابتدائی ایام میں حضور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں۔ یہ وہ عظیم خاتون ہیں جن سے نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشیت الٰہی سے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

أُرِيتُكِ فِي الْمَنَامِ ثَلٰثَ لَيَالٍ جَاءَ نِيْ بِكِ الْمَلَكُ فِي سَرَقَةٍ مِّنْ حَرِيْرٍ فَيَقُوْلُ هٰذِهِ امْرَأَتُكَ فَاَكْشِفُ عَنْ وَّجْهِكِ فَاِذَا اَنْتِ هِيَ فَاَقُوْلُ اِنْ يَّكُنْ هٰذَا مِنْ عِنْدِاللّٰهِ يُمْضِهِ.

(صحيح مسلم : كتاب الفضائل)

(آپؐ نے عائشہؓ سے فرمایا) میں تین راتیں تجھے خواب میں اس طرح دیکھتا رہا کہ ایک فرشتہ سفید ریشم کے ٹکڑے میں تیری تصویر میرے سامنے لاتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ آپ کی بیوی ہے۔ جب میں پردہ اٹھا کر دیکھتا تو تیرا ہی چہرہ ہوتا۔ تو میں کہتا کہ اگر یہ من جانب اللہ ہے تو وہ خود ہی اسے پورا کرے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ سے محبت فرماتے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری ازواج کی اجازت سے مرض الموت کے آخری ایام انہی کے حجرہ میں گزارے۔ وہ کیسا منظر ہوگا جب امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک سیدہ عائشہؓ کی گود میں رکھ کر بیماری کی حالت میں لیٹے ہوں گے اور وہ وفور جذبات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دکھ درد کو محسوس کرتی ہوں گی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد جدائی کے غم کو کس طرح برداشت کیا ہوگا جو چند گھنٹوں کی جدائی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ان کی اس کیفیت کو صحیح مسلم میں بیان کیا گیا ہے:

ایک سفر میں عائشہ صدیقہ بنت صدیقؓ اور حفصہ بنت عمرؓ دونوں رسول امین ﷺ کے ہم سفر تھیں۔ راستہ میں حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اونٹ تبدیل کر لیا۔ حضور ﷺ آئے تو عائشہؓ کے اونٹ پر سوار ہو گئے جس پر حفصہؓ سوار تھیں اور ان کے ساتھ ہی چل دیے۔ حضرت عائشہؓ یہ جدائی برداشت نہ کر سکیں۔ جب منزل پر پہنچ کر سواری سے اتریں تو اپنا پاؤں گھاس میں ڈال کر کہنے لگیں:

يَارَبِّ سَلِّطْ عَلَيَّ عَقْرَبًا اَوْ حَيَّةً تَلْدِغُنِيْ. رَسُوْلُكَ وَلَا اَسْتَطِيْعُ اَنْ اَقُوْلَ لَهٗ شَيْئًا	اے رب! کسی سانپ یا بچھو کو مجھ پہ مسلط کر جو مجھے کاٹ کھائے۔ وہ تو تیرے رسول ﷺ ہیں ان کی شان میں کوئی بات نہیں کہہ سکتی۔

(رحمۃ للعالمین: ۲/۱۵۱)

یہ حضرت عائشہؓ کی آقا ﷺ سے محبت کی انتہا ہے کہ چند گھنٹوں بلکہ لمحوں کی جدائی برداشت کرنے کے لیے بھی تیار نہیں۔

ایک واقعہ میں تو دونوں کی ایک دوسرے سے محبت و مودّت کی انتہا نظر آتی ہے۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ حضور ﷺ اپنے نعلین مبارک (جوتے) کو پیوند لگا رہے تھے اور میں چرخہ کات رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی جبین پُر انوار پر پسینہ ہے اور اس میں نور ہے جو ابھر رہا ہے اور بڑھ رہا ہے۔ میں دیکھ کر محوِ حیرت ہو جاتی ہوں۔ حضور سرور گرامی ﷺ کی نگاہ مجھ پر پڑی تو دریافت فرمایا، عائشہ! کیا بات ہے؟ اتنی محو حیرت کیوں ہو؟ میں نے کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ! میں دیکھتی ہوں کہ آپ ﷺ کی پیشانی پر پسینہ اور پسینے میں نور ہے۔ اس منظر نے مجھے حیرت زدہ کر دیا ہے۔ خدا کی قسم! اگر ابو کبیر ہذلی (دور جاہلیت کا مشہور شاعر) آج اس منظر کو دیکھتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ اس کے اشعار کا صحیح مصداق تو آپ ﷺ کا پرانوار چہرہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، وہ شعر کون سے ہیں؟ تو میں نے پڑھا: ۔

وَمُبَرَّءٌ مِّنْ كُلِّ غُبَّرِ حِيْضَةٍ وَفَسَادِ مُرْضِعَةٍ وَّدَاءٍ مُّغْضَلٍ

وَإِذَا نَظَرْتَ إِلَى أَسَرَّةِ وَجْهِهٖ بَرَقَتْ كَبُرُوْقِ الْعَارِضِ الْمُتَهَلِّلِ

(وہ تخلیق کی آلائشوں اور ولادت کی عسرت و آلودگی سے پاک پیدا ہوئے۔ وہ رضاعت کی خرابیوں سے مبرّا ہیں۔ ان کے چہرے کی مسکراہٹ و مسرتوں کو دیکھو تو ایسا معلوم ہوگا جیسے چمکنے والے بادل کی بجلی نورانی جلوہ دکھا رہی ہے۔)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میری زبان سے شعر سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ہاتھ میں تھا نیچے رکھ دیا اور میری پیشانی کو چوما اور اپنی زبانِ اقدس سے فرمایا:

مَاسُرِرْتِ مِنِّيْ كَسُرُوْرِىْ مِنْكِ جو لطف و سرور مجھے تیرے کلام میں حاصل ہوا وہ تجھے میرا نظارہ دیکھ کر نہ ہوا ہوگا۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ بڑی سلیم الفطرت، دقیق النظر اور سریع الفہم تھیں۔ احکام شریعت کی عمیق پیچیدگیاں جن کو سمجھنے میں دوسروں کو مشکل پیش آتی اسے وہ سمجھ جاتیں۔ بعض اوقات صحابہؓ ان کے پاس مشکل مسائل لے کر جاتے جنہیں وہ حل کر دیتیں۔ صاحب علم و بصیرت ہونے کے ساتھ ساتھ جود وسخا میں بھی اہم مقام رکھتی تھیں۔ ان کی پاک بازی اور پاک دامنی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے قرآن نازل فرمایا۔ جب مدینہ میں منافقین نے ان کے بارے میں ہرزہ سرائی اور تہمت تراشی کی تو ان کی عفت و عصمت کی شہادت قرآن نے اس طرح دی:

وَلَوْلَآ إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ تم نے ایسی بات سنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ

مَّا يَكُوْنُ لَنَآ أَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ہمیں ایسی بات منہ سے نکالنا زیب ہی نہیں

سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ○ (النُّوْر ۲۴: ۱۶) دیتا۔ اے اللہ! تو پاک ہے۔ یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔

اس بارے میں تفصیلات واقعۂ افک میں گزر چکی ہیں۔

ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے احادیث کی کثرت سے روایت کی ہے۔ کتب حدیث میں ان سے بے شمار مروی احادیث موجود ہیں۔ انہوں نے تریسٹھ سال کی عمر میں ۱۷ رمضان المبارک ۵۷ھ کو مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

امّ المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت سیدہ حفصہ ؓ امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین نائب رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر فاروق اعظمؓ کی لختِ جگر تھیں۔ ان کا پہلا نکاح خُنیسؓ بن حذافہ السلمی سے ہوا جو ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ میں شریک ہوئے۔ غزوۂ بدر میں بھی شریک جنگ ہوئے۔ جنگ اُحد میں زخمی ہونے کے بعد کچھ عرصہ علیل رہ کر مدینہ میں انتقال کر گئے۔ حضرت حفصہؓ بنت عمر بیوہ ہوئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی زوجیت میں لے لیا۔ وہ بڑی زاہدہ اور شب زندہ دار تھیں۔ وہ اپنے باپ عمر بن خطابؓ اور بھائی عبداللہ بن عمرؓ کی احادیث کی راویہ تھیں۔

امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفانؓ نے لوگوں کو قرآن کی ایک قرأت پر متفق کرنے اور قرآن مجید کی حفاظت کے لیے باقی تمام نسخے جلا دیے اور صرف ایک نسخہ برقرار رکھا۔ وہ نسخۂ قرآن حضرت حفصہؓ سے لیا گیا تھا اور اس کے چند نسخے تیار کرنے کے بعد انہی کو واپس کر دیا گیا۔ انہوں نے ۴۱ھ میں رحلت فرمائی۔

امّ المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین حضرت سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا نکاح کے بعد صرف دو یا تین ماہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں رہیں پھر ان کا انتقال ہو گیا۔ ماں کی جانب سے ام المومنین سیدہ میمونہ کی بہن ہیں۔ ان کا پہلا نکاح طفیل سے اور دوسرا عبیدہ سے ہوا۔ یہ دونوں حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ ان کا تیسرا نکاح عبداللہؓ بن جحش سے ہوا جو امّ المومنین سیدہ زینبؓ بنت جحش کے بھائی تھے۔ وہ جنگ اُحد میں شہید ہو گئے تو ان کی شہادت کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا۔ ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہؓ بہت صدقہ و خیرات کرنے والی خاتون تھیں۔ چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں بھی انہیں اُمّ المساکین کہا جاتا تھا۔

اُمّ المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین حضرت سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بہت قدیم الاسلام ہیں۔ وہ پہلے حضرت ابوسلمہ عبداللہؓ بن اسد کے نکاح میں تھیں۔ دونوں میاں بیوی ابتدائے اسلام میں ہی مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ مردوں میں اسلام لانے کا ابوسلمہؓ کا تقریباً گیارھواں نمبر ہے۔

سیدہ ام سلمہؓ نے اسلام میں بڑی سختیاں برداشت کیں۔ وہ اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت حبشہ میں شریک ہوئیں۔ جب ہجرت مدینہ کے لیے مکہ سے نکلنا چاہا تو گھر والوں نے ابوسلمہؓ سے ان کا بچہ چھین لیا اور کہا کہ تم اِسے نہیں لے جا سکتے کہ یہ ہمارا خاندان ہے۔ پھر بیوی اُم سلمہ کو بھی چھین لیا کہ یہ بھی نہیں جا سکتی۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو اکیلے ہی ہجرت کرنا پڑی۔ جب کہ ام سلمہ اپنے خاوند کے فراق میں مسلسل ایک سال تک روتی رہیں۔ وہ روزانہ شام کے وقت اس جگہ پر آ کر بیٹھ جاتیں جہاں خاوند کو جدا کیا گیا تھا۔ ایک سال بعد

پتھر دل رشتہ داروں کے دل بھی نرم پڑ گئے تو خاندان نے بیت اللہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ کو روانہ کیا جو حضرت ام سلمہؓ کو اونٹ پر سوار کرا کر مدینہ چھوڑ آئے۔ راستے میں حضرت ام سلمہؓ اونٹ پر سوار رہتیں اور عثمان بن طلحہ پیدل چلتے۔ جب کسی منزل پر اترتے تو وہ دور جا کے ٹھہر جاتے۔ (وہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) جب مدینہ کے باغ نظر آئے تو کہا کہ یہ تمہاری منزل ہے اور پھر انہیں چھوڑ کر واپس چل دیے۔

حضرت ابو سلمہؓ بدری صحابی ہیں۔ جنگ احد میں زخمی ہوئے۔ بعد میں جانبر نہ ہو سکے اور انہی زخموں سے جامِ شہادت نوش کر گئے۔ ان کے بعد حضرت ام سلمہؓ تنہا رہ گئیں اور بچے ابھی چھوٹے تھے۔ ان کی دل جوئی اور اسلام کی خدمات جلیلہ کی بنیاد پر حضور ﷺ نے ان سے نکاح کیا۔ ان کے ابو سلمہؓ سے دو لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ تمام بچے حضور ﷺ کے زیر تربیت رہے۔

ام المؤمنین سیدہ ام سلمہؓ صاحبِ درک وفہم خاتون تھیں۔ تقریباً ساڑھے تین سو روایات ان سے منقول ہیں۔ انہوں نے ۸۴ سال کی عمر میں ۵۹ھ میں وفات پائی۔

ام المؤمنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت سیدہ زینبؓ بنت جحش آپ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ ان کا پہلا نکاح حضرت زید بن حارثہؓ سے ہوا جو پہلے غلام تھے پھر انہیں حضور ﷺ نے اپنا متبنّٰی بنا لیا۔ اب وہ غلام کی حیثیت سے نہیں بلکہ بیٹے کی حیثیت سے رہ رہے تھے۔ خاندانی غرور وتکبر کے خاتمہ کے لیے آپ ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن زینبؓ بنت جحش کا نکاح زید بن حارثہؓ سے کیا۔ اگرچہ اس فیصلے کو رشتہ داروں نے تسلیم نہیں کیا لیکن یہ آپ ﷺ کا فیصلہ اور حکم تھا۔ اور جب آپ ﷺ کوئی فیصلہ فرما دیں تو اُمت میں سے کوئی فرد اس سے انحراف نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ (الاحزاب ۳۳:۳۶)	جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ فرما دیں تو کسی اہل ایمان مرد و عورت کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔

خاندانی نخوت اور کبر و غرور کا بت پاش پاش ہوگیا اور سیدہ زینب بنت جحشؓ نے بھی اس امر کو برضا و رغبت قبول کر لیا۔ لیکن میاں بیوی کے درمیان نباہ نہ ہو سکا اور نوبت طلاق تک جا پہنچی۔ دونوں میں مفارقت ہوگئی۔ حضرت زینبؓ بہت رنجیدہ خاطر ہوئیں۔ پہلے غلام سے نکاح ہونا اور پھر طلاق کا ہونا، اس سے بڑا دکھ پہنچا تو اس موقع پر امام الانبیاء حضور سرورِ گرامی ﷺ کمال شفقت و مہربانی کرتے ہوئے حضرت زینبؓ سے نکاح فرماتے ہیں۔ اور ان کے دکھ درد میں شریک ہو جاتے ہیں۔

جب حضرت زینبؓ کی شادی زید بن حارثہؓ سے ہوئی تو اُس وقت اِس رسم قبیح کا سامنا تھا کہ ایک طرف ان کا معزز خاندان اور دوسری طرف ایک غلام کی معاشرتی حیثیت۔ لیکن اس سارے معاشرتی تفاوت کو رسول اکرم ﷺ نے عادلانہ احکام شریعت سے بیک جنبش لب ملیامیٹ کر دیا۔ لیکن طلاق کے بعد دوسری قبیح رسم کا سامنا کرنا پڑا کہ متبنّٰی کی مطلقہ سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ اس زنجیر کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے، جب بارگاہ الٰہی سے اس بات کی وضاحت کر دی گئی کہ متبنّٰی کی کوئی آئینی اور شرعی حیثیت نہیں ہے اور منہ بولے بیٹے حقیقی اور صلبی بیٹے نہیں بن جاتے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ ○	اور نہ تمہارے لیے لے پالک لڑکوں کو (واقعی) تمہارے بیٹے بنایا ہے یہ تو تمہارے اپنے منہ کی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ حق بات فرماتا ہے اور سیدھی راہ سجھاتا ہے

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآءِ هِمْ هُوَاَ قْسَطُ عِنْدَاللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓ ا اٰبَآءَ هُمْ فَاِخْوَ انُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ۝ (الاحزاب ۳۳ : ۴،۵)

لے پالکوں کو ان کے (حقیقی) باپوں کی طرف نسبت کر کے بلاؤ۔ اللہ کے نزدیک پورا انصاف یہی ہے پھر اگر تمہیں ان کے حقیقی باپوں کا علم ہی نہ ہوتو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔

قرآن مجید نے اس امر کی وضاحت کر دی کہ کسی کو اگر منہ سے بیٹا کہہ دیا جائے تو وہ بیٹا نہیں بن جاتا۔

سیدہ زینبؓ بنت جحش جب حضور ﷺ کی زوجیت میں آ کر ام المومنین کے منصب پر فائز ہوئیں تو اُس وقت ان کی عمر عزیز ۳۶ برس تھی۔ جب کہ ۵۲ سال کی عمر میں ۲۰ھ میں وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔

اُم المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین حضرت سیدہ جویریہؓ سردار حارث بن ابی ضرار کی صاحبزادی تھیں۔ ۵ھ میں غزوہ بنی مصطلق (غزوہ مریسیع) میں فتح پانے کے بعد جب دشمن قوم کو قیدی بنایا گیا تو سردار کی صاحبزادی شہزادی جویریہ بھی قید ہو کر آئیں۔ وہ ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے ان سے مکاتبہ طے کر لیا۔ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں کہ انہیں زرِ مکاتبہ دیا جائے تا کہ وہ آزادی حاصل کر سکیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اگر اس سے بہتر سلوک تمہارے ساتھ کیا جائے تو پھر کیا خیال ہے؟ پوچھا، وہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اسلام قبول کر کے میرے ساتھ نکاح کر لو، مکاتبہ میں ادا کر دوں گا۔ وہ بخوشی اس پر راضی ہو گئیں۔ چنانچہ وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئیں اور پھر آپ ﷺ کے حق زوجیت سے فیض یاب ہوئیں۔ جب صحابہ کو پتہ چلا تو انہوں نے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا کہ اب یہ

رسول اللہ ﷺ کا سسرالی خاندان ہے۔اس لحاظ سے سیدہ جویریہؓ بڑی بابرکت خاتون ٹھہریں کہ ان کی وجہ سے ان کی قوم کو آزادی ملی۔

ان کے بھائی سردار عبداللہ بن حارث بھی حضور ﷺ کی خدمت میں قیدیوں کی رہائی کے لیے حاضر ہوئے۔لیکن اونٹ اور لونڈیاں راستہ میں چھوڑ آئے۔آپ ﷺ نے پوچھا، فدیہ کے لیے کیا لائے ہو؟ کہا، کچھ بھی نہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا ان اونٹنیوں اور لونڈیوں کے متعلق کیا خیال ہے جو راستے میں چھوڑ آئے ہو؟ وہ بڑے حیران ہوئے کہ اس بات کا تو کسی کو بھی پتہ نہیں تھا، آپ کو کیسے پتہ چل گیا۔چنانچہ وہ کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

ام المومنین سیدہ جویریہؓ نے تقریباً ۶۵ سال کی عمر میں ۵۶ھ میں وفات پائی۔(آپ ﷺ کے نکاح میں آنے سے پہلے ان کا نکاح مسافع بن صفوان سے ہوا تھا)

اُم المومنین سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جن کا اصل نام رملہ تھا، ابوسفیان کی صاحبزادی اور نجیب الطرفین تھیں۔ابتدائی دور میں مسلمان ہونے والوں میں شامل تھیں۔انہوں نے اپنے پہلے خاوند عبیداللہؓ بن جحش کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ان کا خاوند عادی شرابی ہونے کی وجہ سے عیسائی ہو گیا اور حضرت ام حبیبہ غریب الوطنی میں اس صدمہ سے دوچار ہوئیں۔جب ان حالات کا حضور ﷺ کو پتہ چلا تو ان کی غم گساری کے لیے اپنا ایک نمائندہ (عمرو بن امیہؓ) حضرت ام حبیبہؓ سے نکاح کا پیغام دے کر حبشہ کے بادشاہ کے پاس بھیجا۔بادشاہ نے لونڈی کے ذریعے یہ پیغام ان تک پہنچایا۔جب انہیں پیغام ملا تو اس قدر خوش ہوئیں کہ اپنے تمام زیورات اتار کر لونڈی کو دے دیے کیونکہ وہ پہلے ہی خواب میں دیکھ چکی تھیں کہ کوئی شخص انہیں ام المومنین کہہ کر پکار رہا ہے۔

بادشاہ نجاشی نے خود مجلس نکاح منعقد کی اور بعد میں اپنی طرف سے حاضرین مجلس کو کھانا دیا۔ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہؓ کی پہلے خاوند سے ایک بیٹی حبیبہ تھی جو ساتھ ہی ہجرت کر کے آئی۔ ان کے والد ابوسفیان فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے جنہیں اعزاز بخشتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر کو دارالامن قرار دے دیا۔

ان کے بھائی حضرت امیر معاویہؓ بن ابی سفیان (جو ماں کی طرف سے سوتیلے تھے) تاریخ اسلام کے مشہور سپہ سالار اور اموی سلطنت کے بانی تھے۔

سیدہ ام حبیبہؓ اوصاف حمیدہ اور عادات پاکیزہ رکھتے ہوئے راسخ العقیدہ مومنہ تھیں۔ شرک اور مشرکین سے سخت نفرت کرتی تھیں۔ ان کا باپ سردار ابوسفیان انہیں ملنے کے لیے مکہ سے مدینہ پہنچا۔ جب بستر پر بیٹھنے لگا تو بیٹی سیدہ ام حبیبہؓ نے بستر اکٹھا کر لیا۔ باپ نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک بستر ہے جب کہ تم مشرک ہو اور مشرک پلید ہوتا ہے جو پاک بستر پر نہیں بیٹھ سکتا، شرک سے انہیں اس قدر شدید نفرت تھی۔ انہوں نے ۴۴ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔

اُم المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت سیدہ صفیہؓ دشمنِ اسلام یہودی سردار حُیی بن اخطب کی بیٹی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے حسن و جمال کی دولت عطا کی تھی۔ جنگ خیبر میں فتح پانے کے بعد دشمن کے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ قیدی عورتوں میں حضرت صفیہ بھی تھیں۔ غازیانِ اسلام میں لونڈیاں تقسیم ہوئیں تو دحیہ کلبی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ مجھے بھی کوئی لونڈی دی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جاؤ! اور جا کر کوئی لونڈی پسند کر لو۔ انہوں نے صفیہ کو پسند کر لیا تو ایک صحابیؓ نے آ کر کہا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! صفیہ بنو قریظہ اور بنو نضیر دونوں قبیلوں کی سیدہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے لائق نہیں۔

آپ ﷺ نے دحیہ کلبیؓ کو صفیہ سمیت بلا بھیجا اور انہیں کہا کہ تم کوئی اور لونڈی دیکھ لو۔ حضور ﷺ نے انہیں آزاد فرما کر مشرف بہ اسلام کر کے نکاح کر لیا۔ ان کا پہلا نکاح سلام بن مشکم سے اور دوسرا کنانہ بن ابی الحقیق سے ہوا تھا جو جنگ خیبر میں مارا گیا۔

ام المؤمنین سیدہ صفیہؓ صلہ رحمی کرنے والی خاتون تھیں جو اکثر اپنے قرابت داروں پر صدقہ کرتی تھیں۔ انہوں نے رمضان المبارک ۵۰ھ میں انتقال فرمایا۔

اُم المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا ۷ھ میں حضور ﷺ کی زوجیت میں آئیں۔ ان کا پہلا نکاح ابودھم بن عبدالعزیٰ سے اور دوسرا حویطب بن عبدالعزیٰ سے ہوا۔ آپ ﷺ کے چچا عباسؓ بن عبدالمطلب نے آپ ﷺ کو ان کی بیوگی کی اطلاع دی تو آپؐ نے ان سے نکاح کر لیا۔ ام المؤمنین سیدہ میمونہؓ نے ۵۱ھ میں انتقال فرمایا۔

دو لونڈیاں

ازواج مطہرات کے علاوہ دو لونڈیاں ریحانہ رضی اللہ عنہا اور ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا بھی حرم نبوی ﷺ میں رہیں۔ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے آپ ﷺ کے بیٹے سیدنا ابراہیمؓ کی ولادت ہوئی اور صغرسنی میں انتقال بھی ہو گیا۔ علامہ ابن قیمؒ نے ابوعبیدہ کی روایت سے لونڈیوں کی تعداد چار ذکر کی ہے۔ (زادالمعاد ۱/۲۹)

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

حضرت ماریہ قبطیہؓ کا اعزاز یہ ہے کہ ان کے بارے میں آیات قرآنی کا نزول ہوتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہؓ ایک دن حضرت حفصہؓ کے گھر گئیں اور وہ گھر میں نہیں تھیں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ان کی موجودگی میں ہی حضرت حفصہؓ آ گئیں تو انہیں

اپنے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو خلوت میں دیکھنا ناگوار گزرا اور اس بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی محسوس فرمایا اور حضرت حفصہ ؓ کی رضامندی اور دل جوئی کے لیے ماریہ ؓ کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیا اور حفصہ ؓ کو تاکید کی کہ کسی سے ذکر نہ کریں۔

(فتح الباری)

اللہ تعالیٰ نے ارشا فرمایا کہ آپ ان چیزوں کو کیسے حرام قرار دیتے ہیں جن کو میں نے حلال قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

يَآيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ج تَبْتَغِي مَرْضَاتَ اَزْوٰجِكَ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ج وَاللّٰهُ مَوْلٰكُمْ ج وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ○

(التحریم ۶۶ : ۱،۲)

اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے اسے آپ کیوں حرام کرتے ہیں؟ آپ اپنی بیویوں کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے قسموں کو کھول ڈالنا مقرر کر دیا ہے۔ اور اللہ تمہارا کارساز ہے اور وہی علم و حکمت والا ہے۔

☆.....☆.....☆

عالمگیر چارٹر

خطبۂ حجۃ الوداع: عالمگیر چارٹر اور منشور انسانیت

امام الانبیاء حضور سرور گرامی ﷺ نے ۱۰ھ کو آخری حج فرمایا جسے حجۃ الوداع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے تقریباً ایک لاکھ چوالیس ہزار اصحاب کرامؓ کو مخاطب کر کے خطاب عام فرمایا جسے خطبہ حجۃ الوداع کہا جاتا ہے اور جو اسلامی تاریخ میں ہی نہیں بلکہ ابتدائے آفرینش سے لے کر بقائے نسل انسانی تک اپنی اہمیت وافادیت قائم رکھے گا۔ بلاشبہ اس میں اہل اسلام کے لیے تو اصول زندگانی ہیں ہی، ان کے علاوہ اہل کتاب بلکہ دیگر اقوام عالم کے لیے بھی دستور حیات کی بنیاد فراہم کر دی گئی ہے۔ یہ ایک خطبہ نہیں بلکہ عالمگیر چارٹر اور منشورِ انسانیت ہے۔ آج ایٹمی ٹیکنالوجی اور افرادی قوت کے بل بوتے پر پوری دنیا پر حکمرانی کا خواب دیکھنے والے اور انسانی حقوق کے تحفظ کے نام سے انسانی حقوق کو سلب کرنے والے عورت کو برابری و مساوات کی لفظی رشوت دے کر اسے بنیادی حقوق سے محروم کر دینے والے اور تکریم آدمیت کے نام لیوا خونِ آدم کو ارزاں کر کے اس کی ندیاں بہا رہے ہیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ حضور رحمت دو عالم ﷺ کا چودہ سو سال قبل فرمایا ہوا خطبہ سامنے رکھ کر اس کا مطالعہ کریں جس میں انسانی خون کی تکریم بتائی گئی، ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا گیا، سود کے مفاسد بیان کیے گئے، مہینوں کا تقدس سمجھایا گیا، عورتوں کو حقوق فراہم کیے گئے اور پھر اسلامی برادری کو بلا امتیاز رنگ ونسل ملت واحد قرار دیا گیا۔ آپ ﷺ نے عالمگیر چارٹر بیان کرتے ہوئے آخری خطبہ ارشاد فرمایا:

''لوگو! میری بات سنو! مجھے نہیں معلوم کہ شاید اس سال کے بعد اس جگہ میری تم سے کبھی ملاقات ہو۔ لوگو! تمہارے خون اور تمہارے اموال ایک دوسرے پر اپنے رب سے ملنے تک قابل احترام ہیں جس طرح تمہارے لیے یہ دن اور مہینہ محترم ہے۔

اور دیکھو! تم عنقریب اپنے رب سے ملو گے۔ وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال کرے گا اور میں تمہیں پہنچا چکا ہوں پس جس کے پاس امانت ہو اسے چاہیے کہ وہ اس کو مانگنے پر اس کے سپرد کر دے جس نے امانت دار سمجھ کر سپرد کی تھی۔

سود

دیکھو! ہر قسم کا سود ختم (ساقط) کر دیا گیا۔ البتہ تمہارے اصل مال تمہارے لیے ہیں۔ نہ تم زیادتی کرو گے اور نہ تمہارے ساتھ زیادتی کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اب کوئی سود نہیں اور عباسؓ بن عبدالمطلب کا تمام سود ساقط کر دیا گیا۔

حرمت خون

دور جاہلیت میں جو بھی خون تھا وہ بھی ختم کر دیا گیا اور سب سے پہلا خون جو میں ختم کرتا ہوں وہ ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون ہے۔ (ابن ربیعہ نے بنولیث میں دودھ پیا تھا، ہذیل نے اسے قتل کر دیا تھا)۔ پس یہ خون جاہلیت کے خونوں میں سے پہلا خون ہے جس سے میں معافی کی ابتدا کر رہا ہوں۔

مہینوں کا تقدس

لوگو! اس کے بعد یہ سنو! شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ اب تمہاری اس سرزمین میں کبھی اس کی پرستش کی جائے گی۔ لیکن اگر اس کی اطاعت کی جائے گی تو وہ تمہارے ان اعمال سے جنہیں تم حقیر سمجھتے ہو راضی ہو جائے گا۔ اس لیے تم دین کے معاملے

میں شیطان سے بچتے اور ڈرتے رہو۔ لوگو! نسئ (حرمت والے مہینوں کو آگے پیچھے کرنا) کفر میں اضافہ کرتا ہے، اس سے وہ لوگ اور بھی گمراہ ہوتے ہیں جو کافر ہیں اور جو ایک سال اسے حرام رکھتے ہیں اور دوسرے سال حلال کر لیتے ہیں تاکہ یہ کافر لوگ اللہ کے مقرر کیے ہوئے مہینوں کی گنتی پوری کر لیں۔ اس طرح یہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور اس کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام قرار دے لیتے ہیں اور یہ بھی سنو! کہ زمانہ ہر پھر کر اسی جگہ آ گیا ہے جہاں اس وقت تھا جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا کیے تھے اور یہ کہ اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے جن میں چار مہینے حرمت کے ہیں۔

عورتوں کے حقوق

ہاں! عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، کیوں کہ تم نے انہیں اللہ کی امانت کے ساتھ لیا ہے اور اللہ کے کلمے کے ذریعے حلال کیا ہے۔ ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جو تمہیں گوارا نہ ہو اور اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں مار سکتے ہو لیکن سخت مار نہ مارنا اور تم پر ان کا حق یہ ہے کہ تم انہیں معروف کے ساتھ کھلاؤ اور پلاؤ۔

اسلامی برادری

لوگو! میری بات سن کر غور کرو! خوب سمجھ لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اور تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا کسی بھی آدمی کے لیے اپنے بھائی کی کوئی چیز حلال نہیں بجز اس کے کہ وہ بطیبِ خاطر کوئی چیز خود دے دے۔ پس تم لوگ کسی بھی حالت میں کسی پر ظلم نہ کرنا۔ (سیرت ابن ہشام: ۲/۴۳۳)

خاتمیت

لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں، لہٰذا اپنے پروردگار کی عبادت کرنا، پانچ وقت کی نماز ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا، زکوٰۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور اولی الامر کی اطاعت کرنا۔ اگر ایسا کرو گے تو جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم نے اُسے مضبوطی سے تھامے رکھا تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور وہ اللہ کی کتاب ہے۔

شہادت

لوگو! تم سے میرے متعلق سوال کیا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ صحابہؓ نے جواب دیا کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا، پیغام پہنچا دیا اور خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔

لوگوں کا جواب سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھائی اور لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین بار فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ — اے اللہ گواہ رہنا۔

تکمیل دین

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطاب فرما چکے تو اللہ صاحب جلال وعظمت کی طرف سے آیت کریمہ کا نزول ہوا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۚ (المائدہ ۵ : ۳)	آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور اسلام کو تمہارے لیے بطور دین پسند کر لیا۔

دین کی تکمیل ہو گئی اور خاتم الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق اعلیٰ سے ملنے سے پہلے اپنی امت کو مکمل دین اور شریعت مطہرہ دے کر گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ رَسُوْلِهٖ. (مشکوٰۃ: باب الاعتصام بالکتاب و السنۃ)	میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں تم ہرگز گمراہ نہیں ہو سکتے جب تک تم ان دونوں کو تھامے رکھو گے، وہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول ہیں۔

حیاتِ طیّبہ کا آخری دن

حیاتِ طیّبہ کا آخری دن

بنی نوع انسان کے کسی فردِ بشر کو بھی اس دارِ فانی میں بقاو دوام حاصل نہیں۔ اس جہانِ رنگ و بو میں جو بھی آیا اپنی حیات مستعار بسر کر کے واپس اپنے خالقِ حقیقی کے پاس چلا گیا۔ امیر و غریب، نیک و بد، اعلیٰ وادنیٰ حتیٰ کہ نفوسِ قدسیہ انبیاء و رسل بھی اپنی اپنی حیاتِ مبارکہ کے شب و روز گزار کر دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف رحلت کر گئے۔ صرف ذاتِ اقدس ہے کہ جو عدم و وجود، ہست و بود، بست و کشاد اور موت و حیات سے بالا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝ ہر ایک چیز فانی ہے صرف تیرے جلال واکرام والے پروردگار کا چہرہ باقی رہنے والا ہے۔ (الرحمن ۵۵: ۲۶،۲۷)

چنانچہ تمام انبیاء و رسل علیہم السلام نے باری باری جہانِ عدم کا سفر اختیار کیا۔ موت کا جام نوشِ جاں کیا اور اپنی جان خالقِ کون و مکان اور مالکِ ارض و سما کے سپرد کر دی۔

رفیقِ اعلیٰ سے وصال اور اعزہ و اقارب اور اصحاب و رفقاء سے فراق کی ساعتیں پیغمبر آخر الزماں، خاتم الانبیاء اور محسنِ انسانیت ﷺ کی حیات مبارکہ میں بھی آئیں۔ تقریباً دو ہفتوں سے آپ ﷺ مسلسل صاحب فراش ہیں۔ مرض کی شدت میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ اب تو حجرۂ مبارکہ سے نکل کر مسجد میں امامت کے لیے بھی نہیں

جا سکتے۔ اور پچھلے تین دن (جمعہ، ہفتہ، اتوار) سے آپ ﷺ کی شدید علالت کے سبب آپ ﷺ کے نائب و مقتدر صحابی، رفیق سفر و یار غار اور جاں نثار و فدا کار سیدنا صدیق اکبرؓ امامت کروا رہے ہیں۔ اُنہیں یہ ذمہ داری بارگاہِ رسالت سے تفویض ہوئی ہے۔

آج ۱۱ ہجری بارہ ربیع الاوّل پیر کا دن، طلوعِ فجر کا وقت اور سکون و راحت کی گھڑیاں ہیں۔ رسول امین ﷺ پردہ اُٹھا کر نگاہِ رحمت سے نظارہ کرتے ہیں کہ تمام صحابہ کرامؓ صفیں باندھے کھڑے ہیں اور سیدنا ابوبکرؓ امامت کے لیے آگے آ رہے ہیں۔ ایسے میں جب اُن کی نظر آقا ﷺ کے چہرۂ پرانوار پر پڑی تو خیال آیا کہ شاید آپ ﷺ امامت کروائیں گے۔ چنانچہ وہ پیچھے ہٹنے لگے تاکہ صحابہؓ کی صف میں شامل ہو جائیں لیکن سرورِ کونین ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ ابوبکرؓ منصب امامت پر فائز رہیں۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اتنا حسین و دلکش منظر کبھی نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ کے پُرانوار چہرے پر بشاشت اور لبوں پر مسکراہٹ و تبسّم تھا۔ چہرہ اس قدر حسین لگ رہا تھا گویا کہ قرآن پاک کا ورق ہو۔

[صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب اهل العلم والفضل]

یہ نماز آپ ﷺ کی زندگی کی آخری نماز تھی۔ اس کے بعد آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں کسی دوسری نماز کا وقت نہیں آیا۔ یہ منظر بھی آخری تھا۔ آپ ﷺ مسجد میں نہیں جا سکے۔ لیکن آپ ﷺ کے چہرے کی طمانیت بتا رہی تھی کہ آپ ﷺ اپنا مشن مکمل کر چکے ہیں جو تئیس (۲۳) برس پہلے رب تعالیٰ کی طرف سے سونپا گیا تھا، جس کی تکمیل کے لیے شب و روز مصائب و آلام کا سامنا کیا۔ اپنوں کی عداوتیں اور غیروں کی شقاوتیں دیکھیں۔ راستے میں کانٹے بچھائے گئے، دورانِ نماز آپ ﷺ کے جسم اطہر پر غلیظ اوجھڑی ڈالی گئی، کبھی شعبِ ابی طالب میں محصور ہونا پڑا اور کبھی برادری کے قطع تعلق کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ

جاں گسل گھڑی بھی آئی کہ آبائی وطن ترک کر کے بیت اللہ کی قربت سے محروم ہو کر ہجرت کرنا پڑی اور مدینہ منورہ میں آباد ہونا پڑا۔

مقدس مشن کی تکمیل کے لیے ۸۲ غزوات و سرایا کا میدن گرم کرنا پڑا۔ کبھی دندان مبارک شہید ہوئے اور کبھی جسم اطہر لہولہان ہوا۔ قدم قدم آزمائشیں اور لمحہ لمحہ مشکلیں لیکن تمام مرحلے ثابت قدمی، جرأت مندی اور بلند حوصلگی سے طے کیے۔ بالآخر مشن مکمل ہوا۔ اسلام کو غلبہ نصیب ہوا۔ سب پرچموں سے اونچا اسلام کا پرچم ہوا۔ سب سے زیادہ مربوط و مضبوط اسلام کی جماعت تیار ہوئی۔ امیر و غریب، شاہ و گدا، عربی و عجمی، مہاجر و انصاری اور ہاشمی و حبشی ایک امام کی اقتدا میں نماز فجر ادا کر رہے ہیں۔ یقیناً یہ منظر روح پرور ہوگا۔ اس پر تو آسمان کے فرشتے بھی جھومتے ہوں گے۔

اس کے بعد آپ ﷺ کی نگاہوں میں اگلی ملاقات کا منظر گھوم جاتا ہے۔ آپ ﷺ تلاوت فرماتے ہیں:

مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۝ ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام کیا یعنی نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور نیک لوگوں کے ساتھ اور یہ لوگ اچھے رفیق ہیں۔

(النساء ۴: ۶۹)

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے یہ الفاظ سُنے تو سمجھ گئی کہ آپ ﷺ کو اختیار دیا گیا (کہ آپ ﷺ نے اللہ والوں کی رفاقت کو پسند کر لیا ہے)۔ میں سُنا کرتی تھی کہ نبی کو اُس وقت تک موت نہیں آتی جب تک کہ اُسے جنت میں اُس کا مقام نہ دکھا دیا جائے۔ پھر رسول کریم ﷺ بار بار یہ پڑھتے رہے:

في الرفيق الاعلٰى، في الرفيق الاعلٰى یعنی رفیق اعلیٰ کی قربت میں مجھے جگہ دے۔

طلوع آفتاب کے بعد چاشت کے وقت آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ الزھراء رضی اللہ عنہا کو بلایا۔ انہیں اپنے قریب کر کے سرگوشی کی تو وہ رونے لگیں پھر بلایا اور سرگوشی کی تو وہ ہنسنے لگیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بعد میں ہمارے استفسار کرنے پر انہوں نے بتایا کہ پہلی بار حضور انور ﷺ نے مجھ سے سرگوشی کی کہ آپ ﷺ اسی مرض میں وفات پا جائیں گے۔ یہ سُن کر میں رو دی۔ پھر آپ ﷺ نے مجھ سے سرگوشی کی کہ ''میرے اہل وعیال میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے ملوگی'' تو یہ سن کر میں ہنس دی۔

[صحیح بخاری: باب مرض النبیؐ]

رسول امین ﷺ نے انہیں یہ بشارت بھی دی کہ وہ تمام عورتوں کی سردار ہوں گی۔

اس موقع پر سیدہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد گرامی کے مرض کی شدت اور کرب کو دیکھا تو وہ پکار اٹھیں ''وَا کَربَ اباہ'' ہائے ابا جان کی تکلیف۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تمہارے والد پر آج کے بعد کوئی تکلیف نہیں۔ [صحیح بخاری: باب مرض النبیؐ]

اس موقع پر آپ ﷺ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بلا کر بوسہ دیا اور اُن کے بارے میں خیر کی وصیت فرمائی۔ ازواج مطہرات سیدات رضی اللہ عنہن کو بلایا اور انہیں وعظ و نصیحت فرمایا۔ یہ وہ لمحات اور ساعتیں تھیں جب آپ ﷺ کی تکلیف اور کرب میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ اور اُس زہر کا اثر ہونا بھی شروع ہو گیا تھا جو آپ کو خیبر میں کھلایا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا اظہار بھی فرمایا کہ اے عائشہ! خیبر میں جو کھانا میں نے کھایا تھا آج اس کی تکلیف برابر محسوس کر رہا ہوں اور اس وقت میں محسوس کر رہا ہوں کہ زہر کے اثر سے میری رگِ جاں کٹی جا رہی ہے۔ [صحیح بخاری: باب مرض النبیؐ]

ایک بات بڑی ہی قابل غور اور توجہ طلب ہے کہ آپ ﷺ نے اس کرب ناک اور تکلیف دہ صورت حال کے باوجود نماز کی تلقین فرمائی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کو وصیت فرمائی: "اَلصَّلٰوۃُ الصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ" نماز، نماز اور تمہارے غلام اور لونڈیاں بھی (نماز کی فکر کریں)۔ یہ کلمہ کئی بار دہرایا۔

رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کمر مبارک سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے سینے سے لگائے بیٹھے تھے اور بار بار پڑھ رہے تھے:

"اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ" اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہوگئی۔ جب افاقہ ہوا تو نگاہیں چھت کی طرف کرلیں، مسلسل دیکھے جا رہے تھے اور زبان اقدس سے فرما رہے تھے: "اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی" اسی اثنا میں سیدنا ابو بکرؓ کے فرزند اور سیدہ عائشہؓ کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ آ گئے۔ اُن کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مسواک پر پڑی تو سیدہ عائشہؓ نے عرض کیا: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک لینا چاہتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک کی ہلکی سے جنبش سے اثبات کا اشارہ فرمایا۔ تعمیل ارشاد کرتے ہوئے حضرت سیدہ عائشہؓ نے بھائی سے مسواک لے کر آپ کی خدمت اقدس میں پیش کی۔ لیکن نقاہت و کمزوری کی وجہ سے نرم نہ کر سکے۔ سیدہ عائشہؓ نے عرض کیا کہ میں اسے نرم کر دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اثبات میں اشارہ فرمایا۔ انہوں نے مسواک لے کر اپنے دانتوں سے نرم کی اور پھر خدمت اقدس میں پیش کر دی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ اتنی صفائی و ستھرائی سے مسواک کی کہ اس سے پہلے نہ کی تھی۔ یہاں سیدہ ام المومنینؓ کی بخت آوری اور بلند نصیبی بھی اپنے کمال کو پہنچتی ہے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا یہ عالم ہے کہ رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں، میری باری کے دن، میرے سینے سے اپنی کمر مبارک لگائے ہوئے اِس جہان فانی سے رحلت فرماتے ہیں اور رفیقِ اعلیٰ کے وصل کا جام نوش جاں فرماتے ہیں۔ اور خالقِ ارض وسمانے وصال سے قبل میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن کو اکٹھا کر دیا ہے۔

ساتھ ہی کٹورے میں پانی پڑا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی میں دونوں ہاتھ ڈالتے ہیں اور پھر اپنے رُخِ انور پر لگاتے ہیں اور ساتھ ہی توحید آشنا زبان سے پکارتے ہیں:

"لَااِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) موت کے لیے سختیاں ہیں" ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ تھاما اور پڑھنا چاہا: اَذْهِبِ الْبَـاْسَ رَبَّ النَّـاسِ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور اُسے سیدھا کر کے پڑھنے لگے: فِـي الـرَّفِيْقِ الْاَعْلٰـى ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے آخری الفاظ یہ ادا ہوئے: "اَللّٰـهُـمَّ اغْـفِـرْلِـيْ وَاجْـعَـلْـنِـيْ مَـعَ الـرَّفِـيْـقِ الْاَعْـلٰـى" اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک آہستگی سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی آغوش میں ایک طرف ڈھلک گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک رفیق اعلیٰ سے وصال کے لیے پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ○

یہ واقعہ ۱۲/ ربیع الاول ۱۱ ہجری کو پیر کے دن چاشت کے وقت پیش آیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۶۳ برس اور ۴ دن تھی۔ یہ تاریخ انسانی کا منفرد واقعہ تھا کہ نیلگوں آسمان کی چھت کے نیچے اور روئے زمین پر اس سے بڑھ کر کسی نے اتنا دل فگار اور جان کاہ حادثہ و سانحہ کا مشاہدہ نہ کیا ہوگا۔ اس سانحہ کی خبر مدینہ منورہ اور اطراف و اکناف میں پھیل گئی۔ اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ تمام گوشے تاریک ہو گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جس دن سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے اس سے بہتر اور زیادہ خوشی کا دن میں نے کبھی نہیں دیکھا اور جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی اس سے زیادہ تاریک اور قبیح دن بھی میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا غم سے نڈھال ہو گئیں اور فرطِ غم سے یہ فرمانے لگیں:

يَـا اَبَتَـاهُ اَجَـابَ رَبًّـا دَعَـاهُ. ہائے ابا جان! جنہوں نے پروردگار کی پکار پر لبیک کہا۔

يَـا اَبَتَـاهُ مِـنْ جَـنَّـةِ الْـفِرْدَوْسِ مَاْوَاهُ. ہائے ابا جان! جن کا ٹھکانہ

يَـا اَبَتَـاهُ اِلٰـى جِبْـرِيْـلَ نَنْـعَـاهُ. جنت الفردوس ہے۔ ہائے ابا جان! ہم جبریل کو آپ ﷺ کی موت کی خبر دیتے ہیں۔ [بخاری: باب مرض النبیؐ]

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تو یہ حال تھا کہ انتقال و وفات کی خبر کو ماننے کے لیے تیار ہی نہ تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ منافقین کی رائے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے۔ آپ کا انتقال نہیں ہوا بلکہ آپ ﷺ تو اپنے رب تعالیٰ کے پاس تشریف لے گئے ہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام گئے تھے۔ اور اسی طرح واپس آئیں گے جیسے وہ آئے تھے۔ خدا کی قسم! رسول اکرم ﷺ بھی واپس تشریف لائیں گے اور واپس آکر ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے جن کا خیال ہے کہ آپ ﷺ فوت ہو چکے ہیں۔

اس اندوہ ناک اور پریشان کن صورت حال میں کسی میں اتنی سکت نہ تھی کہ سیدنا عمرؓ کو خاموش کروائے۔ جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی تو وہ اپنے گھر میں تھے۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر بہت جلد تشریف لائے اور سواری سے اتر کر کوئی بھی کلام کیے بغیر سیدھے سیدہ عائشہؓ کے حجرے میں گئے۔ آپ ﷺ کے جسم اطہر پر دھاری دار یمنی چادر پڑی ہوئی تھی۔ رُخ انور سے چادر ہٹائی آگے بڑھ کر بوسہ دیا، آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ دل پارہ پارہ ہو گیا اور زبان سے گویا ہوئے: ''میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر دو موتوں کو جمع نہیں کرے گا۔ جو موت آپ ﷺ پر لکھی گئی تھی وہ آچکی''۔ اس کے بعد باہر تشریف لائے، دیکھا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرطِ غم میں جذبات سے مغلوب ہو کر بات کر رہے تھے۔ انہیں روکا اور کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے تشہد پڑھنا شروع کیا تو لوگ انہیں چھوڑ کر آپ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ابوبکرؓ نے فرمایا:

اَيُّهَاالنَّاسُ اِمَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَىٌّ لَّايَمُوْتُ. قَالَ اللّٰهُ: ﴿ وَمَامُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَo ﴾ (آل عمران ۳ : ۱۴۴)	اے لوگو! جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا (وہ جان لے کہ) محمد ﷺ وفات پا چکے ہیں۔اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو یقیناً اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، اُسے کبھی موت نہیں آئے گی۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ''محمدؐ صرف اللہ کے رسول ہیں۔ان سے پہلے بھی بہت سے رسول ہوگزرے ہیں۔کیا اگر انہیں موت آجائے یا وہ قتل کردیے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے؟ تو جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جائے وہ اللہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو جزا دیں گے۔''

اور آپؓ نے یہ آیت بھی پڑھی: ''اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ'' اے رسول ﷺ! بے شک آپ ﷺ وفات پانے والے ہیں اور یہ بھی مرنے والے ہیں۔

سیدنا صدیق اکبرؓ بیان فرمارہے تھے اور تمام صحابہ کرامؓ ہمہ تن گوش سُن رہے تھے۔اور جس طرح وعظ وخطاب سنتے گئے اسی طرح انہیں آقا ﷺ کے وصال ورحلت کا یقین آتا گیا۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کو اس آیت کریمہ کا خیال ہی نہیں تھا وہ بھول چکے تھے، اب جب سنا تو یاد آیا۔اب سب کی زبان پر یہی آیت تھی لیکن آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

جب سیدنا عمرؓ نے یہ آیت سنی تو انہیں بھی وصال رسول ﷺ کا یقین ہوگیا اور غم

سے جسم اس قدر نڈھال ہو گیا کہ کھڑے ہونے لگے تو کھڑے نہ ہو سکے۔قدموں میں اتنی سکت نہ رہی کہ جسم کا بوجھ اٹھا سکیں۔

حضرت سعید بن مسیبؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم! جب میں نے حضرت ابو بکرؓ سے آیت کریمہ سنی تو حیران و ششدر رہ گیا۔ یہاں تک کہ میرے پاؤں مجھے اٹھا ہی نہیں رہے تھے اور میں زمین پر گر پڑا کیوں کہ مجھے یقین ہو گیا کہ رسولِ رحمت ﷺ کا وصال ہو گیا ہے۔ [صحیح بخاری: باب مرض النبیؐ]

اب تجہیز و تکفین سے قبل اُمت مسلمہ کی قیادت و سیادت کا مسئلہ درپیش تھا۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے میدان میں سیدنا ابو بکر صدیقؓ کو بحث و تکرار کے بعد امیر المؤمنین اور امت مسلمہ کا خلیفۃ الرسول منتخب کر لیا گیا۔ پھر انہی کی قیادت میں تمام معاملات طے ہوئے۔

منگل کے روز لباس اتارے بغیر آپ ﷺ کو غسل دیا گیا۔ تین سفید یمنی چادروں میں آپ ﷺ کی تکفین کی گئی اور جب تدفین کے لیے آراء مختلف ہوئیں تو سیدنا ابو بکر صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ جو نبی جہاں فوت ہوا اُسے وہیں پہ دفن کیا گیا۔ چنانچہ آپ ﷺ کی قبر مبارک بھی وہیں تیار کی گئی جہاں آپ ﷺ کا وصال ہوا تھا۔ پھر دس دس صحابہ کرامؓ نے باری باری بغیر امامت کے نماز جنازہ ادا کی۔ اور بالآخر بدھ کی رات آپ ﷺ کے جسد پاک کو لحد میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

☆......☆......☆

افادات

علوم اسلامیہ کا افتخار جن موضوعات اور مضامین کے ساتھ وابستہ ہے ان میں سے ایک سیرت نگاری ہے۔ ''سیرت'' کا لفظ ایک اصطلاح کی حیثیت سے اسلامی ادبیات میں اپنا ایک خصوصی مفہوم رکھتا ہے۔ یہ وہ موضوع ہے جس پر گزشتہ چودہ صدیوں سے عقیدت مندوں نے ہزاروں جواہر پارے تیار کئے ہیں اور سلسلہ سعادت ہنوز اپنی پوری ایمانی شان اور روحانی شوکت کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ سیرت نبوی ﷺ کے آغاز وارتقاء پر نگاہ ڈالیں تو یہ مغازی، سیر، مدارج، معارج، دلائل، شمائل اور کئی دوسرے عنوانات کے حوالے سے لکھی جاتی رہی ہیں۔ مگر بیسویں صدی عیسوی کے آغاز ہی سے موضوعاتی سیرت نگاری کا دور شروع ہوتا ہے۔ جس میں بہت سی جامع اور باکمال کتابیں تصنیف کی گئی ہیں۔ سیرت نگاری کے پاکیزہ سفر میں یہ تازہ کتاب ایک نقش محکم کا درجہ رکھتی ہے۔ اکیسویں صدی کے اس مادیت پرستانہ اور ملحدانہ ماحول میں ایسی کتابوں کا مطالعہ ایمانی ذوق کی تجدید اور اخلاقی تربیت کا سامان ہے۔ یہ بات کس درجہ اطمینان بخش ہے کہ اب سیرت نبوی ﷺ کے موضوع کو محض روایتاً ہی نہیں درایتاً بھی سمجھا جا رہا ہے۔ اس طرز فکر و عمل سے سیرت نگاری اپنے علمی حدود سے آگے نکل کر عملی اور اخلاقی تربیت کا مستند ذریعہ بن جاتی ہے۔ ایسی کتب سیرت کا مطالعہ تعلیمی اداروں، دینی درس گاہوں اور قانونی اداروں سے متعلق اصحاب فکر و نظر کے لئے بہت مفید ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو شرف قبول عطا فرمائے اور ہمیں اسے اپنی عقیدتوں کا مرکز بنانے اور اپنی زندگیوں کو سیرت کے قالب میں ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

العبد المذنب

پروفیسر عبدالجبار شاکر

ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل، دعوۃ اکیڈمی۔

انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی۔ اسلام آباد

فضلی بک سپر مارکیٹ

اردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔

فون: 2212991-2629724

ISBN 969-8983-05-8

کتاب سرائے

7329318

hikmat100@hotmail.com